آثارِ مجاہد

مؤلف

محمد رضوان القاسمی

(بی،یو،ایم،ایس)

فقیہ امت قاضی شریعت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے نادر خطبات ومقالات کا مجموعہ

آثارِ مجاہدؒ

مؤلف

محمد رضوان القاسمی

(بی، یو، ایم، ایس)

ناشر

ابوہریرہؓ اکیڈمی، بیلا موڑ نزد مسجد عائشہ، دربھنگہ (بہار)

Published by :

ABU HURAIRA ACADEMY

BELA MORE, DARBHANGA (BIHAR)

طبع اول ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۰۰۶ء

نام کتاب	:	آثار مجاہد
مرتب	:	محمد رضوان القاسمی
نظر ثانی	:	حضرت مولانا قاری محمد احسان اللہ قاسمی (متحدہ عرب امارات)
پسند فرمودہ	:	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی
حسب ہدایت	:	حضرت مولانا قاری شبیر احمد صاحب مدظلہ العالی
باہتمام	:	جناب محمد اسلم نعمانی و جناب محمد انظر اظہری (ڈائریکٹرس این، آئی، سی، ٹی بورنگ روڈ، پٹنہ)
صفحات	:	۳۰۰
قیمت	:	150
کمپوزنگ	:	ایم، آر، قاسمی ضیاء پرنٹرس نزد ستارہ جویلرس، پٹنہ مارکٹ، پٹنہ۔۴
طباعت	:	محمد پرویز عالم (نیشنل پرنٹنگ ورکس شاہ گنج، پٹنہ)
ناشر	:	ابوھریرہؓ اکیڈمی، بیلا موڑ نزد مسجد عائشہ، دربھنگہ (بہار)

ملنے کا پتہ

- قاضی لائبریری مدرسہ اسلامیہ، شکرپور، بھرواره، دربھنگہ (بہار) فون 06247-285208
- کتاب منزل سبزی باغ، پٹنہ
- ستارہ جویلرس پٹنہ مارکٹ، پٹنہ۔۴ (بہار) فون 0612-2302369
- معہد القاضی للبنات، مقام پتونا، پوسٹ پروہی، ضلع مدھوبنی (بہار)
- مکتبۃ القاضی، نزد امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ (بہار)
- انجمن باشندگان بہار ممبئی
- دیوبند، دہلی، پٹنہ، دربھنگہ، مدھوبنی کے تمام بک اسٹال پر کتاب ہر وقت دستیاب ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اجمالی فہرست

فہرست مضامین

پہلا حصہ

دوسرا حصہ

زکوٰۃ غریبی کے خاتمہ کا بہترین ذریعہ

باب اوّل

دوسرا باب

باب سوم

اسلام اور حقوق انسانی

عائلی مسائل

دینی تعلیم: مسائل وامکانات

اطاعت وفرماں برداری

اتحاد بین المسلمین

نظامِ قضاء

نیا عہد..... نئے مسائل

اصلاح معاشرہ

پرسنل لاء

مسلم ممالک: چند حقائق

شخصیات

اسفار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

- مشفق ومربی اساتذہ کرام
- والد محترم حضرت مولانا محمد ضیاء الرحمٰن قاسمی صاحب مدظلہ العالی
- والدہ محترمہ
- مخلص ومحترم جناب محمد اسلم نعمانی صاحب وسید قطب الرحمان صاحب (متحدہ عرب امارات)
- چھوٹی سی پیاری بہن جو بچپن ہی میں اللہ کو پیاری ہوگئی

اور

ان تمام اسلام کے متوالوں کے نام جو اپنی زبان وقلم کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ واشاعت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تحدیث نعمت

زمین وآسمان، چاند، سورج، دریا، سمندر، پہاڑ الغرض کائنات کی تمام چیزوں کے خالق نے بنی نوع انساں کی تخلیق کے بعد اپنی ربوبیت کے اظہار اور اپنے بندوں کو صراط مستقیم پر چلنے کی دعوت دینے کے لیے بعض انسانوں ہی کو نبی جیسا پاکیزہ منصب عطا کر کے اس سرزمین پر بھیجا اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنی قوم کی فلاح و بہبود اور اخروی زندگی کو تابناک بنانے کے لیے ایک قانون عطا کیا، جس کو دنیا قانون الٰہی کے نام سے جانتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے قانون الٰہی (جس میں انسانیت کی ارتقا اور فلاح و بہبود کا راز مضمر ہے) کو نافذ کرنے کے لیے "قوت بیان"، جس کو قرآن حکیم نے "علمه البيان" سے تعبیر کیا ہے، عطا کیا، تاکہ خدائے وحدہٗ لاشریک کا پیغام اکمل واحسن طریقے سے انسانوں تک پہنچایا جا سکے۔

قرآن حکیم نے حضرت داؤد علیہ السلام کے زور خطابت کا تذکرہ کر کے نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جامع دعا "واحلل عقدة من لساني يفقهوا قولي" کے ذریعہ دعوت دین اور شریعت کی نشر واشاعت کے لیے "قوت بیانی" کی خصوصیت کو بڑی اہمیت کے ساتھ واضح کیا ہے، نیز حضرت داؤد علیہ السلام کے حوالے سے ایک مقدمہ کے دعوی میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ وہ بات میں مجھے زبردستی دبا دیتا ہے: "وعزني في الخطاب" اسی طرح حدیث نبوی "وان من البيان لسحرا" کہہ کر "لسانی قوت" کی معجزانہ صلاحیت کا اعتراف کیا گیا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرت کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کم وبیش تمام انبیاء کرام کو منصب نبوت کے ساتھ ساتھ "قوت لسانی" بھی عطا کی گئی، تاکہ وہ اپنے مخاطبین کو پوری قوت وجرأت کے ساتھ اللہ کا پیغام واضح طور پر پہنچا سکیں۔ خود خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے اوصاف حمیدہ کے ساتھ ساتھ اس وصف (قوت بیانی) میں ایسی

امتیازی حیثیت حاصل تھی کہ بڑا سے بڑا فصیح اللسان، اور بلاغت کا ماہر آپؒ کی معجزانہ خطابت کا گرویدہ ومعترف ہو جاتا۔

ان تمہیدی کلمات کا خلاصہ یہ ہے کہ قوت بیان وخطابت اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے، اور یہ نعمت ہر انسان کو میسر نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ جن خاص اور مقرب بندوں کو اس نعمت عظمیٰ سے نوازدیتے ہیں تو پھر وہ اپنی سحر بیانی وشیریں کلامی سے گم کردۂ راہ انسانوں کو راہ راست کی دولت سے سرفراز فرماتے ہیں، بھٹکی ہوئی قوم کو صراط مستقیم پر چلنا سکھاتے ہیں، اور امت کی الجھی ہوئی گتھی کو بڑی ہی خوش اسلوبی سے سلجھاتے ہیں۔ انہیں مقرب بندوں میں سے فقیہ الامت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

فقیہ الامت حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کو اللہ تعالیٰ نے جہاں تفقہ فی الدین، رسوخ فی العلم، غیر معمولی قوت حافظہ، ذکاوت وذہانت جیسی عظیم نعمت سے سرفراز فرمایا تھا، وہیں غیر معمولی خطیبانہ صلاحیت اور قوت بیانی سے بھی نوازا تھا۔ یہ ان کی ایسی خاص صفت تھی جس سے بڑے سے بڑا عالم ہی نہیں بلکہ دانشوروں کا ایک بڑا طبقہ آپؒ کا گرویدہ تھا، اور آپؒ کے علوم وفنون سے فیضیاب ہوتا تھا۔ آپؒ نہ کسی صاحب منصب سے مرعوب ہوتے تھے اور نہ ہی مالداروں کے مال کی بہتات سے۔ آپؒ بلا جھجک ہر خاص وعام، امیر وغریب، علماء ودانشور، پروفیسر وڈاکٹر ہر ایک کے سامنے مکمل اطمینان وسکون کے ساتھ خطاب فرمایا کرتے تھے۔ آپؒ ہر مجلس ومحفل اور مجمع عام میں اپنی بات منوانے پر قادر تھے۔

حضرت قاضی صاحب کی شان خطابت یہ تھی کہ وہ فقہی سمیناروں میں فقہ کی باریکیوں پر گفتگو کر رہے ہوں یا عوامی مسائل پر، ملی کونسل کے پلیٹ فارم سے قوم وملت کو متحد ہونے کی دعوت دے رہے ہوں یا مسلم پرسنل لاء جیسی باوقار تنظیم کی طرف سے پوری قوم کی نمائندگی کر رہے ہوں، یا امارت شرعیہ کا تعارف اور اس کے کارہائے نمایاں کی تشریح کا مسئلہ ہو، سب میں ان کا اسلوب بیان فصاحت وبلاغت کی موتیاں بکھیرتا اور ان کا لب ولہجہ ایسا ہوتا کہ مجمع کا ہر فرد ان کے حسن بیان کا اسیر ہو جاتا، آپ کے خطبات بہت ہی زیادہ سادگی پر مبنی، اصطلاحی

الفاظ، مستندومعتبر توضیح، فلسفیانہ مسائل اور تاریخی حقائق پر مشتمل ہوا کرتے تھے۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی لکھتے ہیں:

”حضرت قاضی صاحبؒ کی شانِ خطابت یہ تھی کہ ان کے خطاب کے لیے کوئی متعین موضوع نہیں تھا، ہر جگہ موقع ومحل کے لحاظ اور مخاطب کی رعایت سے خطاب کیا کرتے تھے، ٹھوس مواد، علمی استدلال، حالات کا تجزیہ، موثر اور بربطِ دل کو چھیڑنے والے الفاظ، اور ان سب کے ساتھ قاضی صاحبؒ کی لوچ دار اور ایک خاص قسم کی مدوجزر کی حامل آواز کی وجہ سے ان کی تقریروں میں سماں سابندھ جاتا تھا، مدارس میں خطاب ہوتا، تو تعلیم وتعلم کے آداب، مطالعہ ومذاکرہ کا طریقہ اور طلب علم کی راہ میں مشقت وکلفت کے برداشت کرنے کی تلقین وغیرہ مضامین ہوتے، اگر کسی کی کتاب کی ابتداء یا اختتام کی تقریب ہوتی تو کتاب اور اس کتاب کے موضوع سے متعلق گفتگو فرماتے امارت اور قضاء کے مسئلہ پر خطاب ہوتا تو قاضی صاحب اس طرح نصوص اور فقہاء کی عبارتیں سناتے جاتے جیسے کتابیں ان کے سامنے کھلی رکھی ہوں، اگر سیاسی شخصیتوں کے سامنے خطاب ہوتا تو قاضی صاحب اس کا پورا خیال رکھتے کہ ذرا بھی مرعوبیت کا پہلو مسلمانوں کی طرف سے ظاہر نہ ہو اور ذرا بھی معذرت اور خوشامد کی حد کو پہنچا ہوا تواضع اختیار نہیں کرتے۔“ (حیات مجاہد:۲۳۷)

جب حضرت قاضی صاحبؒ دیہاتیوں سے خطاب فرماتے تو انہیں کے لب ولہجہ اور انہیں کی سوچ کو مدنظر رکھتے تھے۔ چنانچہ اس کی مثال دیتے ہوئے حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

”اپنے وطن جالہ سے دس پندرہ کیلومیٹر کے فاصلہ پر ایک گاؤں میں سیرت کا جلسہ تھا، حضرت قاضی صاحب اس میں مدعو تھے، حضرت قاضی صاحب کی آمد پر پورے علاقہ کے ہندو دھوتی پہنے ہوئے اور مسلمان لنگی میں ملبوس امنڈ پڑے، مجمع بالکل ناخواندہ، مجھے ایسا لگا کہ اسٹیج پر جو چند معززین بیٹھے ہوئے ہیں ان کے سوا یہ پورا ان پڑھ لوگوں کا مجمع ہے، میں پسینہ پسینہ ہو گیا کہ آخر میں ان لوگوں سے کیا بات کروں، مشکل سے پندرہ بیس منٹ سیرت کے چند واقعات بیان کر کے بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ قاضی صاحب بھی ان دیہاتیوں سے کیا خطاب کریں گے۔

قاضی صاحب تشریف لائے، مجمع پر ایک نظر ڈالی اور یہ آیت پڑھی:

”افرایتم ،ماتحرثون، أانتم تزرعونہ ام نحن الزارعون ،لونشاء لجعلناہ حطاما فظلتم تفکھون “(الواقعہ ۶۳، ۶۴، ۶۵)

"بھلا دیکھو تو سہی، تم جو (اناج وغیرہ) بوتے ہو، کیا تم اسے اُگاتے ہو یا ہم اُگاتے ہیں۔
اگر ہم چاہیں تو (اناج پکنے سے پیشتر ہی) اس کو چورا چورا کردیں، پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ۔"
پھر اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے، اس کے ایک ہونے، انسانی زندگی کا مقصد، آخرت، رسالت اور رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی نبوت پر بالکل آسان زبان میں دیہات کے لوگوں کی رعایت کرتے ہوئے کھیتی باڑی، پھل اور بل بیل وغیرہ کی مثال دیتے ہوئے ڈیڑھ گھنٹہ خطاب فرمایا، پورا مجمع گوش برآواز تھا اور پورے اسلام کو اجمالی طور پر قاضی صاحب نے اس کے سامنے رکھ دیا تھا، وہ خطاب مجھے ابھی تک یاد ہے۔"

دراصل شاعروں کی طرح خطیب بھی قدرت سے انعام لے کر پیدا ہوتے ہیں وہ کسی اختیاری سانچے میں نہیں ڈھلتے۔ ان کا ملکہ بھی وہبی ہوتا ہے ان کی دماغی بناوٹ میں خطابت کے خصائص از خود منضبط ہوتے ہیں، پھر اس جوہر ذاتی کو مطالعہ، مشاہدہ اور تجربہ پروان چڑھاتا ہے۔ حضرت قاضی صاحب پیدائشی طور پر خطیب، مفکر، مدبر، اور محرر تھے انہوں نے ان سب چیزوں کو اختیار نہیں کیا بلکہ وہ تمام چیزوں نے ان کو اختیار کیا تھا۔ وہ تمام محاسن ومحامد جن سے خطابت استوار ہوتی ہے، قدرت نے ان میں بکمال وتمام ودیعت کیا تھا، وہ اپنی اسی فنی عظمت کے باعث دنیا کے ان بڑے مقرر و محرر میں سے تھے جن کے نام ہمیشہ کے لیے تاریخ میں آب زر سے لکھے ہوئے ہیں۔

امیر شریعت حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب مدظلہ العالی مسلم پرسنل لاء بورڈ کے جلسوں میں ان کی معرکۃ الآرا تقریروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان جلسوں میں ان کی معرکۃ الآرا تقریروں کا چرچا بہت دنوں تک جاری رہتا تھا، وہ مسئلہ امارت، مسلم پرسنل لاء بورڈ اور حقوق انسانی کے بہترین وکیل تھے، اپنی بات مؤثر طور پر دلائل کے ساتھ کہنا اور مخاطب کو مطمئن کردینا ان کی خاص خوبی تھی۔"
(ترجمان دارالعلوم دیوبند: ۱۵)

مولانا افضال الحق جوہر جو فقہی سمیناروں میں شریک ہوا کرتے تھے قاضی صاحبؒ کی گفتگو کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ان سمیناروں میں کسی مسئلہ پر جب رائیں اور دلیلیں آئیں تو ظاہر ہے کہ ان سے انکار نہیں کیا جاسکتا نہ سب کو مانا جاسکتا ہے، اس لیے درمیان سے کوئی راستہ نکالنا تھا، ایسے تمام مواقع پر حضرت قاضی صاحب رقیمتی، سنجیدہ، سلجھی ہوئی اور عالمانہ تقریر کیا کرتے تھے۔"
(ترجمان دارالعلوم قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نمبر: ۹)

واقعتاً اچھے مقرر اور مدبر کی یہی خصوصیت وخوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنے مخاطب کو اس قدر مطمئن کردے کہ وہ اس کے بیان کا پرستار ہو جائے، اور اگر کوئی رائے یا تجویز پیش کرے تو نہ صرف اس کا مؤید ہو بلکہ اس خطیب کا شریک کار بننے پر مجبور ہو جائے۔ حضرت قاضی صاحبؒ کی یہی خوبی ان کو اپنے ہم عصروں میں ممتاز رکھتی تھی۔

حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی استاذ عربی ادب دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں:

"وہ قانونی پہلو والی پے چیدہ اور طویل گفتگو کو حیرت ناک طور پر آسان زبان میں مختصر طور پر پیش کرنے میں طاق تھے، یعنی بہ وقت ضرورت کسی بھی موضوع کا خلاصہ یا اس کا جوہر نکال کر مخاطب کے سامنے رکھ دینے کی عجیب سی قدرت رکھتے تھے اور اگر کسی موضوع کو شرح وبسط کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت محسوس کرتے تو قطرے کو سمندر اور ذرے کو بیابان بھی بنادیتے یعنی مقام اور موضوع کا جیسا تقاضہ ہوتا ویسا کرتے۔"

(ترجمان دارالعلوم قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نمبر:۵۹)

انہیں تمام خوبیوں کی بنیاد پر حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ بھی ان کی بے پناہ عزت کرتے، ایک تقریر کے بعد فرمانے لگے "مولانا مجاہد ہندی مسلمانوں کا قیمتی سرمایہ ہیں، اللہ نے عجیب سی قدرت گفتار سے انہیں نوازا ہے، جس بات کو دیگر علماء گھنٹوں میں بیان نہیں کر سکتے، مولانا مجاہد نے منٹوں میں اس طرح بیان کر دیا کہ لوگ واہ واہ کرنے لگے۔"

حضرت قاضی صاحبؒ جہاں دل کو چھو لینے والی تقریر فرماتے تھے وہیں عرب مقررین کے خطاب کا ترجمہ بھی ایسے مؤثر انداز میں کرتے تھے کہ کہیں سے ترجمہ پن کا احساس نہیں ہوتا تھا، جشن صد سالہ کے موقع پر عرب مقررین کے ترجمہ کی ذمہ داری حضرت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ کے کندھوں پر ڈالی گئی تھی، لیکن حضرت اچانک بیمار پڑ گئے تھے، اس لئے عرب مقررین کے ترجمہ کی ذمہ داری ایک نوجوان فاضل کو سونپی گئی، کثیر مجمع اور علماء کی کثرت کی وجہ سے نوجوان فاضل اٹک اٹک کر ترجمہ کر رہے تھے کہیں کہیں تو فاش غلطیاں بھی ہو رہی تھیں، حضرت قاضی صاحب اسٹیج پر تشریف فرما تھے ان سے ترجمہ کی درخواست کی گئی، حضرت قاضی صاحب نے اتنا سلیس اور عمدہ ترجمہ کیا کہ عرب مقررین کی تقریروں میں چار چاند لگ گیا، اور پورا مجمع عش عش کرنے لگا۔

دراصل اردو خطابت کا صحیح آغاز دیوبند، علی گڈھ کی تحریکوں کے ابتدائی دور سے ہوا، مدت العمر خطابت کا تصور تحریری رہا۔ ڈپٹی نذیر احمد اس میدان کے تنہا شہسوار تھے، خطابت کا سیاسی عوامی تصور تحریک خلافت اور تحریک عدم موالات کے تقاضوں کی بدولت پیدا ہوا اور مقرروں کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی جس کا اس سے پہلے کوئی وجود نہ تھا اور اگر کہیں کوئی وجود تھا تو وہ مقرر نہیں واعظ تھے۔

ارسطو نے ایک خطیب کے جو محاسن بیان کیے اور ان سے علامہ ابن رشد نے جو تلخیص مرتب کی اور اس تلخیص پر فارابی اور ابن سینا نے جو مضامین حوالۂ قلم کئے اور اب ڈیما ستھینز ۳۲۲ ق م) اور سسرو (۱۰۶ ق م) وغیرہ کے سوانحی خطوط سے خطابت کے جو اصول معلوم ہوتے ہیں حتی کہ ایڈ منڈ برک صہبان ابن غزال اور سعد زغلول وغیرہ کے مطالعے سے خطابت کی جن راہوں پر قدم اٹھتے ہیں اس گئے گذرے دور میں حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ ان کی صحیح تصویر تھے۔ انہوں نے اس میدان میں ہر جہت سے ملک وقوم کی خدمات انجام دیں۔

حضرت قاضی صاحب شروع ہی سے اردو میں تقریر کیا کرتے تھے لیکن اخیر زمانہ میں جب عرب ممالک کے اسفار ہوئے تو کئی بار آپ نے عربی زبان میں نہایت برجستہ خطاب فرمایا، حضرت مولانا عبدالوہاب خلجی نے قاضی صاحب کی ایک عربی تقریر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ”اب تک میں قاضی صاحب کی سحر آفریں گفتگو، عالمانہ تقریر، جرأت مندانہ اردو خطاب سے نہ صرف متاثر تھا، بلکہ مداح بھی، مگر اس روز ان کی انتہائی سلیس، عام فہم ادیبانہ لب ولہجہ میں برجستہ عربی میں تقریر سن کر دنگ رہ گیا، انہوں نے مافی الضمیر کو اس انداز سے بیان کیا جیسے کوئی عرب بولتا ہے۔“ (حیات مجاہد: ۲۴۲)

عمر آباد کے فقہی سمینار میں بھی آپ نے اپنا خطاب عربی ہی میں فرمایا، مفتی محمد سعید الرحمن قاسمی، دارالافتاء امارت شرعیہ نے لکھا ہے کہ:

> ”جب ایران کے ایک نمائندہ امارت شرعیہ آئے تو آپؒ نے برجستہ فارسی میں خیر مقدمی اور تعارفی کلمات فرمایا۔“ (حیات مجاہد: ۲۴۲)

دراصل حضرت قاضی صاحب میں اخذ اور تعبیر کی بے پناہ صلاحیت تھی، بہت جلد کسی چیز کو اخذ کرتے اور بہت مرتب اور مؤثر طور پر اسے تعبیر فرماتے۔

انہیں وجوہات کی بنیاد پر حضرت قاضی صاحب کے نادر خطبات ومقالات۔ جن میں امت مسلمہ کے رشد وہدایت اور رہنمائی کا راز مضمر ہے۔ کے جمع وترتیب کا داعیہ احقر کے دل میں پیدا ہوا؛ کیوں کہ امت مسلمہ کے عظیم قائد حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے ذہن سے نکلی ہوئی تعبیرات اور آپ کے قیمتی خطبات ومقالات جو متعدد جرائد ورسائل میں بکھرے ہوئے ہیں اور آنے والی نسل کے لیے مشعل راہ بننے کے منتظر ہیں، اس بات کے شدید متقاضی تھے کہ اس قیمتی سرمایہ کو کتابی شکل دی جائے۔ چنانچہ اس عظیم کام کے سلسلے میں میں نے اپنے مخلص اور مربی اساتذہ کرام خصوصاً حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہٗ العالی، (بانی وناظم المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد) حضرت مولانا قاری شبیر احمد صاحب مدظلہٗ العالی (ناظم مدرسہ اسلامیہ شکرپور، بھرواره، دربھنگہ، بہار) اپنے کالج کے مایہ ناز لیکچرر جناب ڈاکٹر مظفر الاسلام صاحب، جناب محمد اسلم نعمانی صاحب (این، آئی، سی، ٹی بورنگ روڈ، پٹنہ)، اپنے کرم فرما محمد پرویز عالم صاحب (نیشنل پرنٹنگ ورکس) اور حضرت مولانا قاری محمد احسان اللہ قاسمی وسید قطب الرحمان صاحب (مقیم متحدہ عرب امارات) کے سامنے اظہار خیال کیا۔ ہمارے ان مخلص کرم فرماؤں اور اساتذہ کرام نے نہ صرف یہ کہ اس کی اہمیت وافادیت کا احساس دلایا، بلکہ اس عظیم کام کی تکمیل کے لیے دعاؤں سے نوازا، اور اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات میں ہر طرح کا تعاون بھی فرمایا، جس کو میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یہ کاوش انہیں حضرات کی نیک دعاؤں اور خاص توجہ کا ثمرہ ہے۔ جو آپ کے سامنے موجود ہے۔

اس مبارک اور مسعود ساعت میں اپنے مالک حقیقی خدائے وحدہٗ لاشریک کا نہایت ہی شکر گذار ہوں جس نے مجھے اس کام کی توفیق بخشی اور اسے بحسن وخوبی انجام تک پہنچایا۔ بڑی ناسپاسی ہوگی کہ اس موقع پر میں اپنے مشفق ومحسن احباب جناب راشد باری، ارشد باری، امجد باری (مالکان ستارہ جویلرس پٹنہ مارکٹ) اوران کے اہل خانہ کو فراموش کر جاؤں، کیونکہ چند سالوں سے ان ہی حضرات کی نگرانی میں پڑھنے لکھنے کا کام انجام دے رہا ہوں، قدم قدم پر انہوں نے میرا ساتھ دیا اور اپنے ہر طرح کے تعاون سے میری ہمت افزائی کی، اللہ تعالیٰ ان حضرات کا سایہ تادیر قائم ودائم رکھے۔

مولانا غفران ساجد قاسمی (چیف ایڈیٹر: ندائے بصیرت ململ مدھوبنی) جو میرے بے تکلف دوست اور ہم سبق بھی ہیں، اپنی تمام تر مشغولیات کے باوجود انہوں نے از اول تا آخر اس کتاب کے تمام مضامین پر ایک گہری نگاہ ڈالی اور نیک مشوروں سے نوازا۔

آخر میں اس ہستی کا تذکرہ کرنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتا ہوں جو اس دنیا میں میرے لیے سب کچھ ہیں، اور آج میں جو کچھ بھی ہوں یہ سب انہی کی دعائے نیم شبی کا ثمرہ ہے، جنہوں نے زندگی کے ہر موڑ پر اپنی خواہشات پر میری خواہشات کو ترجیح دی اور جینے کا سلیقہ سکھایا۔ میری مراد والد بزرگوار حضرت مولانا محمد ضیاء الرحمٰن قاسمی صاحب مدظلہٗ العالی (مدرس مدرسہ حسینہ دارالعلوم، پروہی، پتونا واسراہی، مدھوبنی، جہاں میں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور حفظ قرآن کریم جیسی عظیم الشان دولت سے سرفراز ہوا) ہیں۔ اخیر میں حق تعالیٰ شانہٗ سے دعاء ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ طفیل میں اس کتاب کی افادیت کو عام کرے۔ آمین

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

محمد رضوان القاسمی

متعلم گورنمنٹ طبی کالج، پٹنہ

موضع پتونا، ضلع مدھوبنی (بہار)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب مدظلہٗ العالی
امیر شریعت بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ، وجنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کے پلیٹ فارم سے ہمارے جن علماء کرام نے دین کی بے لوث خدمت کی ہے اور ملک وملت کی قیادت کا مخلصانہ فریضہ انجام دیا ہے ان میں ایک اہم شخصیت قاضی شریعت حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، وہ اس دور کے ایک ممتاز عالم دین تھے۔ اللہ نے ان کو مجموعۂ کمالات بنایا تھا۔ ایسے کمالات جو ایک شخصیت میں بہت کم جمع ہوتے ہیں۔ وہ سچ مچ مجاہد تھے، انہوں نے پوری زندگی دین کی پاسبانی اور ملت کو زندہ وتوانا رکھنے کی کوشش میں گذاردی۔ وہ ہم سے رخصت ہوگئے، لیکن ان کے علمی نقوش، فقہی تحقیقات، بصیرت افروز خطبات اور تحریکی وتنظیمی کارنامے آج بھی ایک عظیم ملی سرمایہ کی شکل میں موجود ہیں، جن سے زندگی کے مختلف انفرادی واجتماعی اور علمی وعملی میدانوں میں اچھی رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ یوں تو ان کی بہت سی علمی وفقہی تحقیقات خود ان کی زندگی ہی میں زیور طبع سے آراستہ ہوچکی ہیں، اور غیر مطبوعہ علمی تحریریں بھی بتدریج منظر عام پر آرہی ہیں، لیکن ان کی زندگی کا قیمتی جوہر اور بڑا کمال فن خطابت میں غیر معمولی ملکہ تھا۔ ان کے علمی وفکری کمالات کا بڑا حصہ ان کے خطبات اور تقریروں میں پوشیدہ ہے، انہوں نے اس فن کا استعمال بھی صرف ملت کی بیداری ورہنمائی اور دین کی حفاظت وپاسبانی کے لیے کیا۔ ان کا علم جتنا مستند تھا اور فکر جتنی بلند تھی تقریروں میں بھی اس کی جھلک پوری طرح موجود رہتی۔ وہ بڑے نباض اور حالات کے مزاج شناس تھے۔ جب کسی مجلس میں تقریر فرماتے تو ایسا محسوس ہوتا جیسے سامعین کے نبض پر ہاتھ رکھ کر بیماریوں کی تشخیص فرمارہے ہیں اور ان کی کیفیات کو پرکھ کر دوائے دل تجویز کررہے ہیں۔ مجمع جس معیار کا ہوتا

اور سامعین جس صلاحیت کے ہوتے ان کے معیار واستعداد کو سامنے رکھ کر خطاب کرتے۔ وہ نہایت جرأت وبے باکی کے ساتھ مجلس کے موضوع کو مدنظر رکھ کر اس طرح گفتگو فرماتے کہ پوری تقریر ''از دل خیزد بردل ریزد'' کا مصداق بن جاتی۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں کفاءت فی النکاح کے موضوع پر ایک علمی مذاکرہ تھا، جس میں بہت سے اہل علم کا خطاب ہوا، مگر ایک دانشور طبقہ کسی کے خطاب سے مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔ ان کا ذہن یہ تھا کہ اسلام نے مساوات وبرابری کی تعلیم دی ہے، وہ ذات پات اور رنگ ونسل پیشے یا اور کسی مادی بنیاد پر انسانوں کے درمیان تفریق کا قائل نہیں، اس لیے نکاح میں کفاءت کا مسئلہ اس نظریہ سے میل نہیں کھاتا۔ لیکن جب قاضی صاحب کی باری آئی تو انہوں نے اس انداز میں اس مسئلہ کی وضاحت کی کہ لوگوں کے شکوک وشبہات دور ہو گئے اور ان کا ذہن مطمئن ہو گیا۔ آپؒ نے فرمایا: قرآن نے زوجین کو ایک دوسرے کے لیے لباس کہا ہے۔ ''ھن لباس لکم وأنتم لباس لھن'' مسئلہ کفاءت کا نظریہ مساوات سے کوئی تعارض نہیں۔ ازدواجی زندگی کی بہتری کے لیے کفاءت کو ملحوظ رکھا گیا۔ لباس میں جیسے ہم لوگ میچنگ کا خیال رکھتے ہیں کہ شرٹ اور پینٹ ایک دوسرے سے میل کھائے، اس طرح ازدواجی رشتہ میں میچنگ سے ازدواجی زندگی خوشگوار گزرتی ہے، کفاءت سے شریعت کا یہی مقصد ہے۔ اس بات کو آپؒ نے اس انداز میں پیش کیا کہ تمام لوگوں کے ذہن نے قبول کر لیا اور سب مطمئن ہو گئے۔

علماء کی نئی نسل کے لیے اس میں بڑا پیغام اور بڑی عبرت اور موعظت کا پہلو ہے، انہیں چاہئے کہ شرعی احکام کی تشریح وتعبیر میں ایسا پہلو اختیار کریں کہ مخاطب کا دل اسے قبول کر لے اور مطمئن ہو جائے۔

میرے سامنے اس وقت حضرت قاضی صاحب کے خطبات اور علمی مقالات کا ایک مجموعہ ہے جسے ایک نوجوان عالم مولانا محمد رضوان القاسمی ابن مولانا محمد ضیاء الرحمٰن قاسمی (بی، یو، ایم، ایس، طبیہ کالج پٹنہ) نے ''آثار مجاہد'' کے نام سے مرتب کیا ہے، یہ پہلی جلد ہے جو تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس مجموعہ میں حضرت قاضی صاحبؒ کے بعض اہم اور قیمتی مقالات اور مختلف دینی واصلاحی موضوعات پر اہم تقریریں ہیں۔ اس میں ان کا ایک اہم اور یادگار مقالہ: ''شریعت

محمدیہ کی اتباع اہل کتاب کے لیے بھی ضروری ہے'' شامل ہے۔اس کا پس منظر یہ ہے کہ بہار شریف کے ایک صاحب نے حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک استفتاء روانہ کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ '' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سابقہ شرائع کے لیے ناسخ نہیں۔ آپ کی لائی ہوئی شریعت اہل کتاب کے لیے نہیں غیر اہل کتاب کے لیے ہے۔اہل کتاب کے لیے توراۃ وانجیل ہی کی اتباع کافی ہے اور شریعت محمدیہ پر محض نظری ایمان لے آنا کافی ہے''۔ مولانا نعمانی مرحوم انہیں اس سلسلہ میں حضرت قاضی صاحبؒ سے رجوع کرنے کا حکم دیا۔ حضرت قاضی صاحبؒ نے اس پر مفصل ومدلل گفتگو فرمائی اور خود قرآن کریم کی متعدد آیات سے ثابت کیا کہ شریعت محمدیہ کی اتباع اہل کتاب کے لیے بھی ضروری اور مدار نجات ہے۔

اسی طرح زکوٰۃ کے مسئلہ پر بھی ان کا ایک اہم مقالہ ہے، اور دیگر قیمتی تحریریں ہیں۔اس مجموعہ کے مرتب قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے حضرت قاضی صاحب کے علمی جواہر پاروں اور تقریروں کو یکجا کر کے اور نہایت خوش سلیقگی کے ساتھ مرتب کر کے منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے۔یہ علمی کاوش ہر طرح قابل قدر ہے۔توقع ہے کہ '' آثار مجاہد'' کا یہ تحفہ ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔

حضرت قاضی صاحبؒ کی ذات گرامی اور ان کی مخلصانہ خدمات دور حاضر کے علماء کرام اور ملی، دینی اور سماجی کام کرنے والوں کے لیے مثالی نمونہ ہے کہ وہ ان کے نقوش حیات اور علمی آثار سے روشنی حاصل کریں اور اپنی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کر کے ملت کی شیرازہ بندی اور دین حق کے فروغ کے لیے فکر مند رہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ صاحب تحریر وتقریر کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، اور مرتب کی اس علمی کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور اس مجموعہ سے ملت کو پورا پورا فائدہ پہنچائے۔ آمین۔

(حضرت مولانا) **سید نظام الدین** (صاحب مدظلہ العالی)

امیر شریعت بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ، وجنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

❁❁❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب مدظلہ العالی مظفرپوری
(قاضی شریعت امارت شرعیہ سوپول، دربھنگہ، (بہار)

اکیسویں صدی کی جن شخصیات نے ہندوستان بلکہ برصغیر میں امتیازی مقام حاصل کیا ہے، اور اپنے علم وفن کی گہرائی اور فکر کی وسعت وہمہ جہتی کی وجہ سے قیادت کا فریضہ انجام دیا ہے، ان میں ایک اہم نام فقیہ العصر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ (۱۹۳۶ء پ۔ ۴؍اپریل ۲۰۰۳ء م) کا ہے، قاضی صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے تفقہ فی الدین کی دولت سے مالا مال کیا تھا، آپ زمانہ شناس فقیہ بھی تھے اور ملت کے غمخوار اور دردمند بھی، کیوں کہ اللہ نے آپ کو دل دردمند اور فکر ارجمند سے نوازا تھا، آپ نے اپنی خدمات کا دائرہ کار صرف علمی، فقہی اور تحقیقی مجلسوں میں ہی محدود نہیں رکھا، بلکہ اس سے نکل کر ملت اور معاشرہ وسوسائٹی کے مسائل پر بھی آپ کی عقابی نظر پہونچی، اور آپ نے ملی مسائل کو بھی اپنے خدمات کے دائرہ میں شامل کیا، چنانچہ آج جہاں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ میں آپ کے فیصلے، آپ کی علمی بصیرت کی روشن دلیل ہیں، وہیں آل انڈیا ملی کونسل سماجی وملی مسائل سے متعلق آپ کی دلچسپیوں کا مظہر بھی۔

مگر حضرت قاضی صاحبؒ فطری طور پر گہرے علم کے مالک شستہ وشائستہ زبان وقلم کی شہسوار اور میدان علم وعمل کے آدمی تھے، حالات اور زمانہ کی تابناکیوں نے ملی مسائل سے آپ کی دلچسپیوں کا سامان فراہم کیا، بالآخر ایسا وقت آیا کہ آپ نے ان کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت محسوس کی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطاب کا بڑا ملکہ عنایت کیا، آسان اسلوب، حسین اور قابل فہم تعبیرات کا انتخاب، اور آواز کے زیر وزبر میں آپ کی شخصیت منفرد تھی، جس کی گونج آج بھی ''نقیب'' کی قدیم فائلوں اور آپ کے چند مطبوعہ خطبات کا مجموعہ ''پیام مجاہد'' میں سنی جا سکتی ہے، ضرورت تھی کہ حضرت قاضی صاحبؒ کی ان تقریروں کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے، تاکہ فقیہ وقت کی آواز اور گونج محفوظ ہو جائے اور آپ کی وفات کے بعد بھی وہ گونج ہمیں سنائی دے، اللہ جزاء خیر دے محترم عزیز مولانا محمد رضوان القاسمی سلمہ اللہ تعالیٰ وزیدت حسناتہ کو کہ انہوں نے نہایت عرق ریزی اور حوصلہ مندی کے ساتھ حضرت قاضی صاحبؒ کے ان نادر ونایاب خطبات کا حسین گلدستہ سجادیا ہے، جس کے

لیے ''نقیب'' کی پرانی فائلیں اور دوسرے رسائل وجرائد اور مختلف لائبریریوں سے انہیں استفادہ کرنا پڑا ہے، بلکہ ایک حد تک اس راہ میں انہیں آبلہ پائی بھی کرنی پڑی ہے، پھر انہوں نے اس کی ترتیب بھی ایک عالمانہ انداز میں قائم کی ہے، جگہ جگہ ذیلی عنوانات کا اضافہ بھی کیا ہے، جو یقیناً مرتب کے اعلیٰ ذوق کی نمائندہ ہے۔

فاضل عزیز دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں، زمانہ طالب علمی سے ہی تقریر وتحریر کا ستھرا اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں، اس مجموعہ میں مرتب نے حضرت قاضی صاحبؒ کی مسلم پرسنل لاء، اسلام اور حقوق انسانی، اتحاد بین المسلمین، نظام دارالقضاء، اصلاح معاشرہ جیسی دیگر اہم تقریروں کو جمع کردیا ہے، یہ خطبات اپنے عنوان ومواد اور مضامین کے اعتبار سے نہایت معلومات افزاء بلکہ عالمانہ اور فاضلانہ رنگ کے حامل ہیں، مگر زبان وبیان کی شستگی وسادگی نے اسے عوام وعلماء دونوں کے لیے یکساں طور پر قابل استفادہ بنادیا ہے۔

یہ مجموعہ جسے فاضل عزیز نے ''آثار مجاہد'' سے موسوم کیا ہے، اس موقع سے مولانا قاری محمد احسان اللہ قاسمی وسید قطب الرحمان صاحب (مقیم متحدہ عرب امارات) یقیناً قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے اپنی توجہ خاص سے حضرت قاضی صاحبؒ کے اس بیش قیمت علمی سرمایہ کو منظر عام پر لانے کی کوششوں کو ثمر آور بنادیا، چنانچہ اب یہ کتاب ''ابوہریرہؓ اکیڈمی کی طرف سے منظر مشہود پر آرہی ہے، جزاء هم الله خيرا جزاء.

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ''آثار مجاہد'' کو مجاہد وقت کے لیے باقیات صالحات میں شامل فرمائے، انہیں جنت الفردوس نصیب ہو، اور فاضل مرتب کے لیے بھی یہ ذخیرۂ آخرت بنے اور عندالناس مقبول ہو، اور ان کا قلم تادیر تعب وتھکن سے آشنا نہ ہو، ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم.

محمد قاسم

قاضی شریعت دارالقضاء امارت شرعیہ وشیخ الحدیث مدرسہ رحمانیہ سوپول

وناظم مدرسہ طیبہ منت نگر مادھوپور، مظفرپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف تابندہ

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی

(ناظم وبانی المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

کچھ شخصیتیں اپنے زمانہ اور عہد کا حصہ ہوتی ہیں، اور کچھ شخصیتیں عہد آفریں اور زمانہ ساز ہوتی ہیں، ایسی ہی شخصیتوں میں ایک، فقیہ الامت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی شخصیت تھی، وہ اپنی ذات سے ایک انجمن تھے، ان کی زبان میں قندونبات کی مٹھاس اور دل کی گہرائیوں کو چھو لینے والا درد تھا، ان کے قلم میں غضب کی سلاست وروانی اور خوبصورتی تھی، ان کے اسلوب کی چاشنی کے لیے ان کے وہ فیصلے پڑھے جاسکتے ہیں، جو ایک خشک موضوع سے متعلق ہونے کے باوجود زبان وبیان کے اعتبار سے ایک خاص کشش رکھتے ہیں، ان کا دماغ عبقری فکر اور ذکاوت کا حامل تھا، اور ان کا دل سوز وگداز کی آگ سے اس طرح معمور تھا کہ اس کی ایک چنگاری سامعین کے دلوں کو زیروزبر کرکے رکھ دیتی تھی۔

ان آنکھوں نے جن لوگوں کو دیکھا ہے، ان میں مختلف لوگوں کو مختلف خصوصیات کا حامل پایا ہے، کسی پر عبادت وریاضت کا رنگ غالب، کوئی عجز وفروتنی کا پیکر، کسی پر اتباع سنت کا خاص رنگ، اور کسی پر علم وتحقیق کے مزاج ومذاق کا غلبہ، حضرت قاضی صاحبؒ میں دو باتیں ایسی دیکھیں، جو ان کے معاصرین میں شاید ہی اس درجہ پائی جاتی ہوں، ایک تو علم وتحقیق کا بے پناہ جذبہ اور دوسرے امت کے مسائل کے لیے گھلنا اور اس کی چوٹ اپنے سینہ پر محسوس کرنا، امت کا یہ غم ہی ان کے لیے سرمایۂ حیات تھا، جس نے بستر مرگ تک ان کی رفاقت کا حق ادا کیا، اللہ نے ان کو ایسی صلاحیت دی تھی کہ اگر وہ چاہتے تو اپنے قلم سے ایک کتب خانہ سجادیتے، اور گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر ایک سے ایک داد تحقیق دیتے، لیکن انہوں نے اپنے لیے امت کی مشکلات کے خارزار کا انتخاب کیا، زیادہ تر اسی راہ میں آبلہ پائی کی، اور اس طرح مشکل حالات میں ان کے سفینہ کو پار لگانے میں کوشاں رہے۔

اسی لیے ان کے علمی مقام کے اعتبار سے ان کی تالیفات کم ہیں، لیکن ان کے قلم سے بکھرے ہوئے بہت سے موتی ہیں، جو اخبارات ورسائل کے دفینوں میں مستور ہیں، انہیں تلاش کرنا اور منظر عام پر لانا اب ان لوگوں کی ذمہ داری ہے جنہوں نے ان سے کسب فیض کیا ہے، اور ان کے چراغ گہربار سے روشنی حاصل کی ہے، اس سلسلہ میں قاضی صاحبؒ کے فقہی مقالات کا مجموعہ "مباحث فقہیہ" کے نام سے اسلامک

فقہ اکیڈمی انڈیا دہلی نے شائع کیا ہے، اسی طرح آپ کے خطبات کا مجموعہ جناب مولانا مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی صاحب نائب ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ نے ''اذان مجاہد'' کے نام سے مرتب کررہے ہیں، اور فتاویٰ کا مجموعہ مولانا محمد امتیاز قاسمی رفیق شعبۂ علمی اسلامک فقہ اکیڈمی نے ''فتاویٰ قاضی'' کے نام سے ترتیب دی ہے، اوراس کی بھی اکیڈمی سے اشاعت عمل میں آئی ہے۔

اسی سلسلہ کی ایک اہم کاوش بلکہ نسبتاً دشوار کام محبّ عزیز مولانا محمد رضوان القاسمی زیدت حسناتکم نے ''آثار مجاہد'' کے نام سے انجام دی ہے، فاضل مرتب نے حضرت قاضی صاحبؒ کی بھولی بسری تحریروں اور خطبات کو ہفت روزہ نقیب اور مختلف رسائل وجرائد سے اکٹھا کیا ہے، اوراسے موضوعات کی فطری مناسبت کی رعایت کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے، اور یہ تحریریں، تقریریں اور بیانات ایسے مصادر سے حاصل کیے گئے ہیں، جن تک عام لوگوں کی رسائی دشوار تھی، اس سلسلہ میں مرتب عزیز ہم سب کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں، اس مجموعہ میں جہاں حضرت قاضی صاحبؒ کی بصیرت دل ودماغ کو متاثر کرتی ہے، وہیں عزیز موصوف کے حسن ترتیب نے اس کی افادیت اور خوبصورتی میں اضافہ کردیا ہے، اس مجموعہ میں بعض مقالات جیسے ''شریعت محمدیہ کی اتباع اہل کتاب کے لیے بھی ضروری ہے'' پہلی بار اتنی تفصیل کے ساتھ اس موضوع کو پیش کرتی ہے، ہمیں اس موقع پر مدرسہ اسلامیہ شکرپور، بھرواڑہ، دربھنگہ، بہار، اور اس کے ناظم عالی مقام فاضل گرامی حضرت قاری شبیر احمد صاحب زیدلطفہ کا بھی ممنون ہونا چاہئے کہ انہوں نے قاضی صاحبؒ کی ان تحریروں کو دفینہ سے سفینہ میں منتقل کرایا، اوراسے نئی زندگی عطا کی۔

حضرت قاضی صاحبؒ کے علمی متروکات میں ایک اہم چیز آپ کے فیصلے ہیں، جن میں سے تقریباً پچاس ''سہ ماہی بحث ونظر'' میں شائع ہوچکے ہیں، اورآپ کے ہزاروں فیصلے دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں محفوظ ہیں، ان میں سے منتخبات جلد سے جلد شائع ہونے چاہئیں، ان فیصلوں کی اشاعت نہ صرف اردوزبان کے فقہی لٹریچر میں گراں قدر اضافہ ہوگا، بلکہ جولوگ قضاء اور فصل خصومات کے فرائض انجام دے رہے ہیں، ان کے لیے فیصلوں کا یہ مجموعہ دلیل راہ اور خضر طریق کا کام کرے گا، خدا کرے جلد سے جلد یہ فیصلے شائع ہوکر منظر عام پر آئیں۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ سے لوگوں کو نفع پہنچائے، حضرت قاضی صاحبؒ کو بہتر سے بہتر اجر عطافرمائے، اورمرتب وناشر کے لیے بھی یہ ذخیرۂ آخرت ہو۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

خالد سیف اللہ رحمانی

(خادم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد، واسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف چند

حضرت مولانا قاری شبیر احمد صاحب مدظلہ العالی
ناظم مدرسہ اسلامیہ شکرپور، بھرواره، دربھنگہ (بہار)

الحمد لله الذی بنعمة تتم الصالحات وصلى الله تعالىٰ على سيد الكائنات واكرام المخلوقات صلوٰة تسبق الغايات وعلى جميع المؤمنين والمومنات.

قولہ تعالیٰ "فاذكروا آلاء الله ان كنتم مومنين"۔ (القرآن)

اس کائنات میں رب کائنات نے اپنے بندوں کو کن خصوصیتوں سے سرفراز فرمایا ہے، اوران کے فضل وکمال سے فیضیاب ہونے والوں نے کیسی کیسی نعمتیں پائی ہیں وہ جس کو چاہتے ہیں چن لیتے ہیں جن سے چاہتے ہیں اپنی توفیق کا بے بہا خزانہ دے کر بڑے بڑے کام لیتے ہیں، ذرہ کو نیر تاباں ومہر درخشاں بنادیتے ہیں فلله الحمد حمدا كثيرا.

نعمائے الٰہیہ میں سے ایک عظیم نعمت، نعمت حکمت ہے، یعنی کسی چیز کی تہہ تک رسائی اور حقیقت کا ادراک اور پھر اس کی بصیرت کے ساتھ تعبیر وتشریح اور بیان وتوضیح اسی حکمت کی نعمت کو خیر کثیر فرمایا گیا ہے، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب القاسمیؒ کو حق تعالیٰ کی طرف سے حکمت وبیان کی دولت کا بڑا حصہ عطا ہوا تھا، چناں چہ ان کے درس فقہ وحدیث سے ہزاروں تشنگان علوم نے کسب فیض کیا ان کے پر مغز بیانات ومؤثر خطابات سے امت مسلمہ کو ایمانی حرارت اور فکر وعمل کا پاکیزہ جذبہ ملا اور بمضمون حدیث "اذا اراد الله بعبد خيرا فقهه فى الدين وألهمه رشده" یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں، اور صحیح بات اس کے دل میں ڈال دیتے ہیں، اسی طرح حق تعالیٰ نے ان کو قضا بالعدل کے منصب پر فائز فرما کر اس حدیث کا مصداق بنا دیا کہ " لا

حسدا لا فی اثنین رجل اتاہ اللہ مالا فسلطہ علی ھلکتہ فی الحق ورجل اتاہ اللہ الحکمتہ فھو یقضی بھا یعلمھا " یعنی اگر حسد درست ہوتا تو دو شخصوں پر، ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ مال دیا اور اور وہ اسے رضاء الٰہی کے کاموں میں بے دریغ خرچ کر رہا ہو، اور دوسرے وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہو، اور اسے دوسروں کو سکھاتا ہو۔

الحمد للہ قاضی صاحب کے تحقیقی فتاوے اور ہزاروں مقدمات کے اہم فیصلے مرکزی دار القضاء میں موجود ہیں، اس کی اہمیت وافادیت اس عہد میں جب کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کی جانب سے عائلی مسائل کے شرعی فیصلے کے لیے دار القضاء کا قیام ہر جگہ عمل میں آرہا ہے، کاش ان فیصلوں کو امارت شرعیہ اور آل انڈیا فقہ اکاڈمی دہلی ترتیب دے کر اسے شائع کرانے کا اہتمام کرتی، تاکہ ایک علمی شخصیت کے علمی کارناموں کا تذکرہ جمیل آنے والی نسل کے لیے ایک بڑا علمی اور عدالتی سرمایہ ہاتھ میں ہوتا۔ ایسے کارناموں کے ذکر کی حدیث پاک میں ترغیب دی گئی ہے، یعنی "اذکروا محاسن موتاکم کفوا عن مساویھم"۔ (الحدیث)

قاضی لائبریری اور قاضی ہاسٹل:

مدرسہ اسلامیہ شکرپور بھرواڑہ ضلع دربھنگہ بہار جو الحمد للہ علوم عربیہ دینیہ کا مرکزی مستند ومعتمد ادارہ ہے، سلف کے طرز پر یہاں موقوف علیہ تک کی معیاری تعلیم ہوتی ہے، صالح وباصلاحیت اساتذہ موجود ہیں، اس ادارہ کے محسنین ومعاونین کی توجہات اور اعانتوں سے اس کا معیار روز بروز ترقی پذیر ہے، اس ادارہ کے حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ ایک عرصہ تک صدر رہے ہیں، اس کے تعلیمی وتربیتی نظام سے وہ ہر طرح مطمئن تھے، گاہے بگاہے تشریف لاکر مختلف جہت سے مشورہ دیتے رہتے تھے، حضرت قاضی صاحبؒ سے تو میرا علمی رابطہ برسہا برس سے رہا، لیکن ادارہ کے تعلق سے ان کی توجہات راشدہ وقتاً فوقتاً ملتی رہی، نیز حضرت قاضی صاحبؒ چونکہ اسی خطہ کے قصبہ جالے دربھنگہ جو یہاں سے صرف پندرہ کیلومیٹر کی دوری پر ہے وہاں کے رہنے والے تھے، اس لیے حضرت قاضی صاحبؒ کے آثر علمیہ کا احیاء مختلف جہتوں سے ضروری سمجھا گیا، چنانچہ مدرسہ اسلامیہ کی مجلس علمیہ نے یہ طے کیا کہ مدرسہ کے وسیع احاطہ

میں شمال کی جانب زیرین منزل ''قاضی ہاسٹل'' کے نام سے تعمیر ہوا اور اس کے بالائی منزل میں ایک ''قاضی لائبریری'' کی تعمیر ہو۔

قاضی لائبریری:

چوں کہ قاضی صاحبؒ جدید نافع اور قدیم صالح کے سنگم تھے، علمی ذخائر اور قیمتی مخطوطات کو منصۂ شہود پر لانے کا جذبہ رکھتے تھے، اس موضوع پر انہوں نے خود بھی تحقیقی قلم اٹھایا اور دوسروں سے کام کرایا، اس لیے قاضی لائبریری جس کی عمارت تکمیل کو پہنچ رہی ہے انشاء اللہ اس میں ہر علم وفن کی خاص طور پر عالم اسلام کی نادر مطبوعات کا اس میں ذخیرہ ہوگا تاکہ یہاں علم وتحقیق تصنیف وتالیف اور ترجمہ وتعلیق کا کام کرنے والے سکون سے کام کر سکیں، مراجع ومآخذ کی مستند کتابیں ہوں، ساتھ ہی اس میں کمپیوٹر سنٹر بھی ہو، جس کا جزوی عمل اللہ شروع ہو چکا ہے۔

آثار مجاہد:

دراصل قاضی شریعتؒ کے نصف صدی تک جو اہم خطبات اور فکر انگیز بیانات ہیں جو انہوں نے بڑے بڑے کنونشن، تعلیمی کانفرنسوں اور علمی وتحقیقی اجتماعات میں دیئے ہیں جس کی ایک ایک سطر ایمانی حرارت پیدا کرتی ہے، اور قلب کو نور وسرور بخشتی ہے، اسی طرح برادران وطن کے درمیان مرحوم نے جو دعوتی اسلوب اختیار کیا، ساتھ ہی امارت شرعیہ کی عظمت، اجتماعیت کی اہمیت، امیر کی اطاعت، عائلی مسائل کی نوعیت اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کے مختلف اجلاسوں میں اس طرح کی کلیدی موضوعات پر جو مقالات اور بصیرت افروز وفکر انگیز بیانات ہوئے ہیں، ساتھ ہی مسلمانوں کی تعلیمی واقتصادی پسماندگی کو دور کرنے کی جو عظیم فکری وعملی جدوجہد اس کے علاوہ ان کے جو بیرون ملک میں بیانات ہوئے ہیں جو اخبارات ورسائل، اور کیسٹ میں محفوظ ہیں ان کو یکجا کر کے آنے والی نسلوں کو اس کو پہنچانا یہ کام بھی ایک اہم کام تھا جو نہیں ہوا تھا۔ بلا شبہ ان کی شخصیت پر بہت سارے رسائل نے خصوصی شمارے نکالے، بلکہ اہل علم کے بڑے بڑے جامع مقالات بھی یکجا ہو گئے۔ ''حیات مجاہد'' بھی ترتیب پا گئی۔

لیکن ان کی تقریروں کے مؤثر کلمات اور فکر وعمل کے صالح جذبات پیدا کرنے والے خطبات وبیانات عہد جدید کے چیلنج کے علمی جوابات، ان کے ساتھ رہنما ہدایات اور علماء اسلام

کی موجودہ دور میں اہم ذمہ داریوں کے تعلق سے جوان کے احساسات تھے، اخبارات، رسائل، ٹیپ ریکارڈ وغیرہ کی مدد سے جمع کرنے کا اہم کام باقی تھا، جسے عزیز مکرم مولانا محمد رضوان القاسمی نے میری خواہش پر شب و روز کی محنت سے اکٹھا کیا اور موصوف نے ذیلی عنوانات کے ساتھ ترتیب و جمع کا کام کیا ہے۔

الحمدللہ مرحوم کے علمی کاموں کا یہ حسین مجموعہ اس وقت ہمارے سامنے ہے، اس طرح مدرسہ اسلامیہ نے تعمیری تذکار کے ساتھ ان کے فکر انگیز بیانات کو ''آثار مجاہد'' کے نام سے جمع کرا کر علمی تذکار کو بھی پیش کرنے کا شرف حاصل کیا ہے، اس سلسلہ میں تمام اہل علم کے ہم شکر گذار ہیں کہ جنہوں نے مختلف جہتوں سے اس کی تکمیل میں ادارہ کی نصرت و مدد فرمائی ہے۔ اس طرح ہم حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی یادگار میں یہ قاضی لائبریری اور قاضی ہاسٹل کے ساتھ ''آثار مجاہد'' کے نام سے یہ علمی تذکار پیش کر رہے ہیں۔

آخر میں ہم خصوصیت کے ساتھ جناب بھائی اشفاق واخوانہ ورفقاء واحباب کے شکر گذار ہیں کہ انہوں نے ادارہ کی تمامی ضروریات میں مخلصانہ ہر جہت کی نصرت فرمائی۔

(قاری) شبیر احمد

ناظم مدرسہ اسلامیہ شکر پور، بھرواره، دربھنگہ (بہار)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلمات خیر

جناب ڈاکٹر فیاض احمد صاحب

سکریٹری: ملت ٹیچرس ٹریننگ کالج، مدھوبنی (بہار)

فقیہ امت داعی اسلام حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ (سابق صدر مسلم پرسنل لاء بورڈ) نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی، اور یہ شہرت نہ مال و متاع کی بنیاد پر تھی اور نہ ہی تجارت و معیشت کی بنیاد پر، بلکہ صرف اور صرف پختہ علم، صالح فکر، قوم و ملت کا حقیقی درد اور جہد مسلسل کی وجہ سے تھی۔ آپ کا علم اتنا پختہ تھا کہ بڑا سے بڑا عالم و دانشور چاہے وہ اپنے وقت کا بادشاہ یا سیاستداں ہی کیوں نہ ہو، وہ حضرت قاضی صاحب کے علم کے سامنے بے بس نظر آتے تھے۔ آپ کا یہ خواب تھا کہ ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے علماء علم و تحقیق کے میدان میں نمایاں کارنامہ انجام دیں اور جدید مسائل کا حل کتاب اللہ یا سنت رسول میں تلاش کریں اور امت کی سچی رہنمائی کریں۔ جس کی بہت حد تک تعبیر آپ نے اپنی زندگی ہی میں سمینار کی شکل میں دیکھ لی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ قسم کا ذہن عطا کیا تھا اور آپ کی فکر ہر عام و خواص کے لیے برابر تھی۔ میں نے آپ کی زندگی میں یہ کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے مالدار کو غریب پر فوقیت دیا ہو، آپ نہ کسی کے مال سے کبھی مرعوب ہوتے تھے اور نہ ہی کسی کے علم سے، چونکہ آپ کا علم سب پر بھاری تھا، آپ کے ساتھ اللہ کی خاص رحمت تھی آپ کا علم وہبی اور کسبی دونوں تھا اور یہ چیز ہر انسان کو میسر نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ صدیوں بعد اس قسم کا فقیہ اور مدبر پیدا کرتا ہے، اگر یہ کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ آپ اپنے وقت کے امام اعظم ابوحنیفہؒ بھی تھے اور امام شافعیؒ بھی گویا کہ ائمہ اربعہ کی تمام خصلتیں آپ میں موجود تھیں۔

حضرت قاضی صاحبؒ کی وفات کے بعد اس کام کی ذمہ داری ان تمام علماء اسلام پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے حضرت قاضی صاحبؒ کو قریب سے دیکھا ہو یا پھر ان کی تحریروں کو پڑھا ہو۔

اس وقت مجھے بہت خوشی و مسرت ہو رہی ہے کہ حضرت قاضی صاحب کے خطبات و مقالات کا مجموعہ ''آثار مجاہد'' جو تین سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے جس کو مولانا محمد رضوان القاسمی ابن مولانا محمد ضیاء الرحمان قاسمی (پتونا، مدھوبنی) نے ترتیب دیا ہے، پوری دلجمعی کے ساتھ مطالعہ کر رہا ہوں، اس کے تمام عناوین اور حسن ترتیب قابل رشک بھی ہیں اور قابل مبارک باد بھی، کیوں کہ حضرت قاضی صاحب کی ان تمام تقریر و تحریروں کو جمع کرنا جو آج سے تقریباً پندرہ سال، بیس سال، تیس سال اور چالیس قبل کی ہو، پہاڑ کھود کر راستہ نکالنے کے مترادف ہے۔ مولانا محمد رضوان القاسمی یقیناً قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے اپنی تمام مصروفیات کے باوجود حضرت قاضی

صاحبؒ کے نایاب خطبات ومقالات کو جمع کرکے آپ تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ حضرت قاضی صاحبؒ کو جنت الفردوس میں مقام عطافرمائے اور مولانا موصوف کو علم نافع عطا کرے اور اس سے بھی اونچے اونچے کام کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین یارب العالمین۔

ڈاکٹر فیاض احمد صاحب

سکریٹری: ملت ٹیچرس ٹریننگ کالج، مدھوبنی (بہار)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف سخن

ایک دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے

یہ روز روشن کی طرح ظاہر و باہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دار فانی کو حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کی ذریت سے رونق بخشی اور پوری انسانیت کا بانی حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو قرار دیا گیا، جس کا تذکرہ خود خدا وحدہٗ لاشریک نے اپنی مقدس کتاب ''قرآن حکیم'' میں متعدد مقامات پر فرمایا۔ اس کے بعد بہت سارے مذاہب وادیان وجود میں آئے، اللہ تعالیٰ نے ان تمام اقوام کی رہبری ورہنمائی کے لیے اپنا نائب یعنی پیغمبر مبعوث فرمایا۔ بعض قوم نے اللہ کے بھیجے ہوئے رسول کی اتباع کی اور بعض نے ان کی باتوں کو ٹھکرا دیا، جس قوم نے اللہ کے بھیجے ہوئے رسول کے پیغام کو قبول کیا وہ دین ودنیا میں دونوں اعتبار سے کامیابی حاصل کی اور جس قوم نے رسول کی باتوں کو پس پشت ڈال دیا وہ قوم گمراہ وذلیل ہوئی، جس کی مثال تاریخ کی کتابوں میں واضح ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سب سے آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اندھیری وادی میں پوری کائنات کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا، جہاں ضلالت وگمراہی اور انسانیت نام کی کوئی چیز باقی نہ تھی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وفعل، حسن اخلاق اور اللہ کی واضح شریعت سے نہ صرف پوری دنیا کو اپنی طرف متوجہ کیا بلکہ بڑی بڑی طاقتیں اور بڑے بے فتنے جس سے انسانیت پناہ مانگتی تھی شرمسار ہوگئی اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے عالم میں اسلام کا ڈنکا بجنے لگا۔

شریعت محمدی کو تاقیامت باقی رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جلیل القدر اصحاب رسول، مفسر، محدث، امام اور بڑے بڑے فقیہ پیدا کئے۔ جنھوں نے اسلام کی نشر واشاعت کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کردی، انہیں میں سے ایک فقیہ امت قاضی شریعت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ تھے۔ بیسویں صدی کا یہ سورج ضلع دربھنگہ کے ایک گاؤں جالہ میں حضرت مولانا عبد الاحد کے گھر میں ۱۹۳۶ء میں طلوع ہوا، آپ کی تعلیم کا سلسلہ گھر سے شروع ہوا، آپ نے ۱۹۵۵ء میں دار العلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ آپ نے اسلام کی نشر واشاعت کا باضابطہ آغاز حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی نور اللہ مرقدہٗ جیسے جید عالم کی سرپرستی میں کیا۔ آپ کی علمی، فقہی اور فنی صلاحیت سے نہ صرف ہندوستان ہی فیضیاب ہوا بلکہ پوری دنیا نے آپ سے استفادہ کیا، اگر یوں کہا جائے تو کوئی

مبالغہ نہ ہوگا کہ آپ نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے زمانے کی یاد تازہ کردی، جو ہندوستان کے تقریباً ہر صوبے، ضلع، یہاں تک کہ قصبات میں دارالقضاء کا قیام، امارت شرعیہ پھلواری شریف کی جدید کاری، مولانا سجاد میموریل اسپتال، ٹیکنیکل، ملی کونسل اور فقہ اکیڈمی وغیرہ جیسے باوقار ادارے واضح دلیل ہیں۔ آپ نے بہت ساری کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں جو علمی، فنی اعتبار سے بے نظیر ہے۔ آپ کی ہر سانس میں قوم وملت کا درد تھا۔ آپ کی شریں کلامی کا آج بھی ہر عام وخواص میں چرچا ہے۔ ملت اسلامیہ کا یہ چمکتا ہوا سورج ۴؍اپریل ۲۰۰۲ء کو دہلی میں ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں جگہ اور ملت اسلامیہ کو نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

متحدہ عرب امارات میں ایک ''انجمن اسلامیہ بہار، جھارکھنڈ'' ہے جس کا قیام آج سے تقریباً دس سال قبل عمل میں آیا جس کا میں بھی ایک خادم ہوں، اس کی ہر نشست میں حضرت قاضی صاحبؒ کو یاد کیا جاتا ہے۔ یہ انجمن آفات سماویہ کے موقع پر امارت شرعیہ کو رقم دیتی ہے تاکہ وہ آفات سماویہ زدگان کے درمیان تقسیم کردیں اور یہ رابطہ حضرت قاضی صاحبؒ کی وجہ سے ہوا تھا۔

اس وقت مجھے بہت خوشی ومسرت ہورہی ہے کہ حضرت قاضی صاحبؒ کے نایاب خطبات ومقالات کا مجموعہ ''آثار مجاہد'' جلد اول جو تین سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے جو کو عزیزم ڈاکٹر محمد رضوان القاسمی سلمہ نے جمع وترتیب کا بہت عظیم کام انجام دیا ہے۔ میں اپنی تمام مصروفیات کے باوجود اس کے تمام عناوین اور حسن ترتیب کو پوری دلجمعی کے ساتھ دیکھا ہے۔ ماشاء اللہ کتاب کو دیکھنے کے بعد حضرت قاضی صاحب کی مجلس کی یاد تازہ ہوگئی، گویا کہ میں حضرت قاضی صاحبؒ کے سامنے بیٹھا ہوں۔ ہم تمام علماء اور دانشور کی جانب سے ڈاکٹر محمد رضوان القاسمی مبارک بادی کے لائق ہیں جنہوں نے ہندوستان ہی نہیں بلکہ علماء اسلام کی طرف سے حضرت قاضیؒ کو خراج تحسین پیش کیا ہے، اللہ تعالیٰ عزیزم کو علم نافع اور صالح فکر عطا فرمائے اور اس کتاب کو ہر عام وخواص کے مابین شرف قبولیت بخشے۔ آمین۔ یارب العالمین۔

محمد احسان اللہ قاسمی

معاون ومترجم قاضی محکمۃ کلباء الشرعیہ شارجہ (متحدہ عرب امارات)

اظہار تاثر

ثبت ہے عظمت پہ تیری مہر توثیق دوام
یہ عظیم المرتبت تربت ،فلک رفعت مزار

حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ ایک ہمہ گیر اور عہد ساز شخصیت کے مالک تھے، انہوں نے مختلف میدانوں میں اپنا ایسا نقوش ثبت کیا ہے، جسے مٹایا نہیں جاسکتا، آپ اپنے تبحر علمی، معاملہ فہمی، وسعت مطالعہ، جرأت رندانہ، اصابت رائے وغیرت دینی میں اپنے زمانے کے علماء، قومی وملی قیادت کرنے والی شخصیتوں میں نہ صرف نمایاں تھے بلکہ آپ بستر مرگ پر بھی ملی کارواں کے سرخیل تھے۔ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ سے مسائل کا استنباط آپ کی خصوصیت تھی، فقہی علوم پر آپ کو ایسی بصیرت حاصل تھی کہ مسئلہ خواہ جیسا بھی پیچیدہ ہو بڑی حسن اسلوبی کے ساتھ اس کا حل تلاش کرلیا کرتے تھے۔ آپ اتحاد ملت کے زبردست داعی تھے، ملت کے انتشار وافتراق سے تڑپ اٹھتے تھے، اتحاد ملت کے لیے آپ نے انتہائی آسان نسخہ تجویز کیا تھا کہ مسلمانوں کو صرف اور صرف کلمہ کی بنیاد پر جوڑا جائے، آپ کسی بھی مکتب فکر اور جماعت کے مخالف نہیں تھے، بلکہ دین اور ملت کے مفاد کو سب پر مقدم سمجھتے تھے۔ آپ ہندوستان اور دیگر ممالک میں نظام قضاء کا عملی نمونہ پیش کیا اور امارت شرعیہ کے ذریعہ اسلام کے نظام اجتماعی کو فروغ دیا، آپ نئی نسل کی تربیت کے لیے سینکڑوں ادارے قائم کئے اور اردو، عربی میں درجنوں سے زائد کتابیں تصنیف کیں درحقیقت آپ کی شخصیت ایک انجمن تھی۔

ویسے تو آپ کی حیات وخدمات پر کئی رسالوں کے خصوصی شمارے شائع ہوچکے ہیں لیکن آپ کے بیش بہا قیمتی، نادر ونایاب خطبات ومقالات جو مختلف رسائل وجرائد میں منتشر تھے، ضرورت تھی اس بات کی کہ سمندر سے ان موتیوں کو نکال کر کتابی شکل دی جائے، قابل مبارکباد ہیں عزیز محترم مولانا محمد رضوان القاسمی سلمہٗ (متعلم گورنمنٹ طبی کالج پٹنہ) جنہوں نے اپنی تعلیمی مصروفیات کے باوجود بڑی جانفشانی کے بعد آپ کے خطبات ومقالات کو ”آثار مجاہد“ کا نام دے کر علم وحکمت کا یہ خزانہ قارئین وناظرین کے ہاتھوں میں پیش کررہے ہیں، جہاں تک اس کتاب کے مضامین کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں کچھ عرض کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مرادف ہے، یہ مہکتا ہوا نافۂ مشک اب خود آپ کے ہاتھ میں ہے، لہٰذا اسے کسی عطا کے تعارف کی حاجت نہیں خدا مرتب کی مساعی میں اور برکت عطا فرمائے اور یہ کتاب علماء ودانشور اور ملت کے تمام افراد کے لیے رہنما ثابت ہو۔ آمین

(مفتی) محمد سلمان قاسمی

مدرس مدرسہ حسینیہ دارالعلوم پروہی، پتونا، اسراہی (مدھوبنی)

تعارف مرتب

تقریر ہو یا تحریر، یہ دونوں ہی فن قدرت کا انمول عطیہ ہے۔ خواہ وہ وہبی ہو یا کسبی؛ دونوں ہی صورت میں انسان اپنی شخصیت کا لوہا منوائے بغیر نہیں رہتا۔ تقریر کے بارے میں تو یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی عمر زیادہ نہیں ہوتی وقت کے ساتھ ساتھ وہ بھی فنا ہو جاتی ہے۔ لیکن تحریر کی عمر بہت لمبی ہوتی ہے، وہ ایک طویل عرصہ تک زندہ رہتی ہے اور اگر اسے منظم طریقہ سے محفوظ کر دیا جائے تو وہ زندہ جاوید بن جاتی ہے۔

اس دنیا میں بنی نوع انسان کی تاریخ جتنی پرانی ہے اتنی ہے پرانی تاریخ تقریر وتحریر کی ہے۔ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دنیا کو پیدا فرمایا تو دنیا والوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا تو ان سبھوں نے اپنی قوم اور امت کو تقریر کے ذریعہ دعوت دی۔ جیسے جیسے انسان ترقی کرتا گیا، ان تقریروں کو اس زمانے کے ذرائع کے مطابق جمع کرتا گیا۔ قلم، کاغذ اور پریس کے ایجاد سے پہلے پتھروں، چمڑوں، درخت کے چھالوں اور پتوں پہ جمع کرنا شروع کیا۔ اور اس طرح انبیاء سابقین کے پیغامات کسی نہ کسی شکل میں ہم تک پہنچا۔ اور یہ سلسلہ انبیاء کرام، خلفاء راشدین، ائمہ عظام وغیرہ سے ہوتا ہوا تا ہنوز جاری ہے۔

پیش نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ یہ کتاب فقیہ الامت، قائد ملت، داعی اسلام حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نور اللہ مرقدہٗ سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل بورڈ کے زبان وقلم سے نکلے ہوئے موتیوں کا مجموعہ ہے، جو ملک بھر سے نکلنے والے مختلف رسائل وجرائد کی فائلوں میں بکھری ہوئی تھیں۔ بالخصوص امارت شرعیہ کے ترجمان ہفتہ وار ''نقیب'' .... جس کے روح رواں خود حضرت قاضی صاحب تھے...... کی فائلوں کی تہوں میں دبی ہوئی تھیں، اور زبان حال سے یہ پکار رہی تھیں کہ اے اللہ کسی اہل دل اور قاضی صاحبؒ کے سچے قدرداں کو بھیج دے جو ہمیں یہاں سے نکال کر عوام کے ہاتھوں تک پہنچائے، تا کہ ہر عام وخواص اس سے روشنی حاصل کر سکیں۔ یہ ایک عجیب المیہ ہے کہ حضرت قاضی صاحبؒ کی حیات میں اخلاص ومحبت کا دم بھرنے والے حضرات قاضی صاحبؒ کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی قاضی صاحبؒ کے نام سے ہی بدکنے لگے۔ حیرت کی انتہا اس وقت بڑھ جاتی ہے کہ جس آشیانے کو حضرت قاضی صاحبؒ نے تنکہ تنکہ جمع کر کے اپنے ہاتھوں سے ترقی دی تھی، جس باغ کو اپنے خون سے سینچا تھا اسی باغ کے پھل کھانے والے اور اس آشیانے میں پناہ لینے والوں نے سب سے پہلے حضرت قاضی صاحب کے نام کو اور ان کے کارناموں کو اجاگر کرنے کے بجائے درودیوار سے کھرچ کھرچ کر مٹانا شروع کر دیا۔ احسان فراموشی کی انتہا تو یہاں تک پہنچ گئی کہ ملک بھر سے خراج عقیدت پیش کرنے والوں نے کسی نہ کسی شکل میں حضرت قاضی صاحبؒ کو خراج عقیدت پیش کیا اور خصوصی نمبروں، مضامین اور کتابوں کی شکل میں ان کے کارناموں کو اجاگر کیا، لیکن ان احسان فراموشوں نے ایک نمبر تو درکنار ضمیمہ تک نکالنا گوارہ نہ کیا۔ مشہور مثل ہے کہ جسے خدا رکھے اسے کون چکھے۔

اس عظیم کام کے لیے اللہ نے ایک ایسے بندہ کو منتخب کیا جو واقعی قاضی صاحبؒ کے حیات وکارناموں کو اجاگر

کرنے میں مخلص ہے، اس نے ان فائلوں میں دبی ہوئی تحریروں کی آواز کو سنا، اور اس عظیم کام کے لیے کمر بستہ ہو گیا، جب عزم جواں ہو، حوصلے بلند ہوں، تو راستے میں آنے والی پریشانیاں خود بخود ختم ہو جاتی ہیں۔ بہر حال رفیق محترم ڈاکٹر محمد رضوان القاسمی نے مختلف اوراق پر بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرونے کا کام شروع کیا، انہوں نے شب و روز کی جدوجہد اور انتھک محنت کے بعد اس کام کو پایۂ تکمیل پہنچایا، جو آپ حضرات کے ہاتھوں کی زینت بنی ہوئی ہے۔

ڈاکٹر محمد رضوان القاسمی نوجوان فضلاء کے حلقہ میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں، طالب علمی کے زمانے ہی سے اساتذہ کے محبوب نظر رہے۔ حلقہ احباب میں مقبولت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور آج بھی دیکھے جارہے ہیں۔ مولانا موصوف کا آبائی وطن شمالی بہار کے ضلع مدھوبنی کے بسفی بلاک میں واقع ایک گاؤں پتونا ہے، مولانا کے دادا محترم مولانا منشی عبداللطیف صاحب نور اللہ مرقدہٗ علاقہ کی مقبول ترین شخصیت تھے۔ جس زمانے میں حضرت قاضی صاحب مدرسہ محمود العلوم دملہ، مدھوبنی میں زیر تعلیم تھے، تو مولانا منشی عبداللطیف صاحبؒ وہاں ممتحن بن کر جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت قاضی صاحبؒ کا امتحان لینے کے بعد فرمایا تھا: ''یہ بچہ اپنے وقت کا بہت بڑا عالم اور فقیہ بنے گا'' اور منشی جی کی یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف ثابت ہوئی۔ اور آج جو کچھ آپ کے ہاتھوں میں ہے یہ اس تعلق کا ایک نتیجہ ہے۔ مولانا موصوف کے والد محترم مولانا محمد ضیاء الرحمٰن قاسمی صاحب ایک متحرک اور فعال آدمی ہیں، مولانا موصوف نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی اور حفظ کی تکمیل مدرسہ حسینیہ دار العلوم پروہی، پتونا واسراہی میں اپنے پھوپھا محترم الحاج حافظ مہر حسین صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے پاس کی۔ ابتدائی عربی کی تعلیم کی غرض سے مدرسہ محمود العلوم دملہ میں داخلہ لیا اور فارسی اول، دوم تک یہیں تعلیم حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لیے مدرسہ مخزن العلوم دلدانگر غازی پور، یوپی کا سفر کیا اور وہاں ایک سال رہ کر عربی اول کی کتابیں پڑھیں۔ ثانوی درجہ کی تعلیم کے لیے بہار کی مشہور درس گاہ مدرسہ اسلامیہ شکر پور، بھروارہ، دربھنگہ کے لیے رخت سفر باندھا اور عربی دوم سے لے کر جلالین شریف تک کی تعلیم یہیں مکمل کی۔ تقریر و تحریر کا ستھرا ذوق آپ نے یہیں سے حاصل کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے ایشیاء کی عظیم دینی درس گاہ دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور دو سال رہ کر موقوف علیہ اور دورۂ حدیث شریف کی تکمیل ۲۰۰۰ء میں کی۔ اختصاص کی تعلیم کے لیے علوم و فنون کے شہر حیدر آباد کا سفر کیا اور ہندوستان کے عظیم فقیہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی زیر نگرانی چلنے والے ادارہ المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد کے شعبہ دعوۃ میں داخلہ لیا، لیکن قسمت نے ساتھ نہیں دیا اور چند ہی دن کے قیام کے بعد پٹنہ تشریف لے آئے اور یہیں کے رہ گئے۔

موصوف نے اپنی محنت اور لگن کی وجہ سے طبیہ کالج میں داخلہ حاصل کیا اور تادم تحریر موصوف وہیں زیر تعلیم ہیں۔ اللہ موصوف محترم کو قوم و ملت کی خدمت کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

غفران ساجد قاسمی

چیف ایڈیٹر: ''ندائے بصیرت'' ململ، مدھوبنی

ایمان کی جڑیں گہری اور مضبوط نہیں ہوں گی تو اعمال میں بگاڑ پیدا ہوگا

فقیہ امت قاضی شریعت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے ۲۲ر اکتوبر ۱۹۶۶ء کو سرزمین بتیا میں بصیرت افروز تقریر فرمائی تھی۔

تمام اعمال کی بنیاد ایمان پر ہے، اگر ایمان میں ضعف پیدا ہوگا تو اعمال میں بھی بگاڑ پیدا ہوگا۔ ایمان کا تعلق قلب سے ہے جو حاکم ہے، اور اعمال کا تعلق جسم سے ہے جو محکوم، اس لیے جب تک خدا پر، اس کے رسول پر نازل کی ہوئی کتابوں اور یوم آخرت پر پختہ یقین نہ ہوگا، اعمال درست نہیں ہوں گے، آج ہماری معاشرتی زندگی میں جو بگاڑ نظر آتا ہے، اللہ کے احکام سے روگردانی اور باہمی حقوق کی ادائیگی میں جو کوتاہی نظر آتی ہے وہ بیماری نہیں بلکہ بیماری کی علامتیں ہیں۔ جیسے ایک مریض کا بخار اصل مرض نہیں، مرض تو وہ ہے جو پیدا ہوا اور اس کے اثرات جسم پر نمودار ہوئے، پس بنیادی مسئلہ ''ایمان ویقین'' کا ہے۔

ایمان معرفت الٰہی سے پیدا ہوتا ہے

اور ایمان ویقین کی کیفیت قلب میں اس وقت پیدا ہوگی جب کہ انسان اس کائنات میں پھیلے ہوئے مظاہر کا صحیح رخ پر مطالعہ کرے گا، انسان، اس کی تخلیق، اس کا کمال اور اس کی کمزوری اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں پر گہری نگاہ ڈالو، اور پھر اس پر غور کرو کہ عادت اللہ نے اسباب وسبب کا جو سلسلہ قائم کردیا ہے وہ کبھی کبھی اس سارے سلسلہ کو درہم برہم کردیتا ہے۔ تمہاری ساری تدبیریں اور سارے اندازے ویسے ہی رہ جاتے ہیں اور قدرت کے فیصلے نافذ ہوجاتے ہیں، تم کہتے ہو کہ ایسا کرنے سے ایسا ہوگا، اور تم نے اپنے تئیں سارے اسباب جمع کرلیے، لیکن نتیجہ حاصل نہیں ہوا اور کبھی ایسا ہوگا کہ تمہارے پاس اسباب کا فقدان ہے، لیکن نتیجہ خود بخود سامنے آجاتا ہے، معلوم ہوا کہ سارے ظاہری اسباب کے پیچھے کوئی دوسری طاقتور ذات ہے جو اسباب کے نقشے بناتی اور

بگاڑتی ہے، اگر تم اپنی زندگی کے واقعات پر اس طرح غور کرتے رہو گے تو تمہارا اعتماد ظاہری اسباب سے اٹھ کر اصل اسباب کے پیدا کرنے والے پر ہوگا، پھر تمہارا دل اس خالق حقیقی کی عظمت، اس کی قوت وقدرت کے سامنے جھکا ہوا ہوگا اور دوسری طرف اس کی عنایات اور مہربانی کو عملی زندگی میں لاؤ گے تو خدا کی بے پناہ محبت کے جذبہ سے اپنے دل کو سرشار پاؤ گے، یہیں سے اعمال کا سدھار پیدا ہوگا، یعنی تم اس مالک کی مرضیات کی طرف دوڑو گے اور اس کی ناپسندیدگی سے پناہ مانگو گے، قیامت کا تصور تمہیں اپنے اچھے برے اعمال کی نگرانی پر مجبور کرے گا، جہنم کے خیال سے تم پر لرزہ طاری ہوگا، اور جنت کا یقین تمہیں نیک اعمال کی طرف کھینچے گا، پھر دوسری طرف تمہیں خدا ہی کا خوف ہوگا، غیر اللہ کے ساز وسامان اور ان کے ظاہری اسباب و وسائل سے تم ہراساں نہیں ہو گے، اور تم امید بھی قائم کرو گے تو بس خدا سے، تمہیں دنیا کی لالچ ایمان کے تقاضوں سے دور نہیں کرے گی، تم دنیا کی اس دولت کو قبول کرو گے جو خدا کے یہاں عزت کا ذریعہ بنے، اور تم اتنے غیور ہو گے کہ دنیا کی اس دولت وثروت اور عزت کو ٹھکرا دو گے، جو آخرت کی ذلت کا نتیجہ بنے۔ یہی حاصل ہے اس شہادت کا جو تم کلمہ "اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" میں دیتے ہو۔ یعنی مالک، خالق، عزت دینے والا، ذلت دینے والا بس اللہ ہی ہے، نفع ونقصان کی کنجی بس اسی کے ہاتھ میں ہے، لو لگانے کے لائق وہی ہے، اور ڈرا جا سکتا ہے تو بس اسی سے، ایسے پختہ یقین وایمان کے رہتے ہوئے تم نفس کے پیچھے نہ چلو گے بلکہ قیامت کے دن خدا کے سامنے کھڑے ہونے کا ڈر نفس کی مکاریوں سے تمہیں نجات دیدے گا، اور قرآن نے صاف کہہ دیا ہے "جب بڑی مصیبت کا دن (قیامت کا دن) آئے گا جس دن انسان کو اپنے اعمال یاد آئیں گے، جہنم سامنے ہوگی، اس دن ان لوگوں کا ٹھکانہ جنت ہوگا، جنہوں نے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خیال کر کے اپنے نفس کو بری خواہشوں سے روکا ہوگا۔ (نازعات)

"پس اصل مسئلہ آج ایمان ویقین کا ہے اور ہم آج یہی دعوت دینے آئے ہیں۔"

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عبدیت وبندگی کی تکمیل

"آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے رحمۃ اللعالمین ہیں کہ آپ کے ذریعہ عبدیت اور بندگی کی تکمیل ہوئی جو انسان اور پوری کائنات کی تخلیق کا بنیادی مقصد ہے۔"

اس پوری کائنات میں خدا کی بے پناہ عنایتوں اور لامحدود نعمتوں کا جو سلسلہ نظر آتا ہے، اگر اس پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ساری کائنات کی تخلیق کا مقصد انسان کو راحت پہنچانا اور اس کو نقصان سے بچانا ہے، بادل، ہوا، پانی، سورج، چاند، تارے، زمین، اناج، کیڑے مکوڑے اور دوسری اشیاء یہاں تک کہ جڑی بوٹیاں سب انسان کو نفع پہنچانے میں مشغول ہیں یا اس کو نقصان سے بچاتی ہیں، اس طرح یہ انسان کائنات (عالمین) کا ''مقصد تخلیق'' قرار پاتا ہے، اور خود انسان کی پیدائش کا مقصد خدا کی عبدیت و بندگی ہے، جس کی تکمیل جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوئی، اس طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری خوبیوں کا سرچشمہ ہیں، اس طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پوری کائنات کے لیے رحمت ہیں کہ ان کے صدقہ میں کائنات کو وجود ملا اور ساری نعمتیں، اللہ کی معرفت، ایمان و یقین اور خدا کی بندگی کے اسرار و رموز ملے، جس سے خالق و مخلوق کے درمیان صحیح تعلق قائم ہوا اور اس کائنات کے کمزور انسانوں نے اس یقین کی طاقت کے بل پر ایمان کی راہ میں آنے والے ان مصائب کو برداشت کیا جن کی مثال تاریخ میں کمتر ملتی ہے۔

صحابہ کرام کی راہ پر چلو

دوستو! آج دو ماہ بعد میں بتیا میں حاضر ہوا ہوں اور خدا کے فضل سے جو انقلاب بتیا کی سرزمین پر برپا ہو رہا ہے اس سے ہمیں بیحد مسرت ہوئی ہے، میری آنکھیں یہ دیکھ رہی ہیں کہ مسجدیں خدا کو یاد کرنے والوں سے بھری ہوئی ہیں، ہر مجلس میں اللہ کا نام لیا جاتا ہے، شہر کی عام زندگی میں دین و ایمان کی باتوں کا چرچا ہے، نوجوانوں، طالب علموں اور کاروباری لوگوں کو جب دین کی محنت میں لگا ہوا اور اس کی فکر میں گھلتا ہوا دیکھتا ہوں تو میرا یقین اس پر اور زیادہ پختہ تر ہو جاتا ہے کہ اسلام انشاء اللہ کبھی نہیں مٹے گا اور خدا اپنے دین کی حفاظت کے لیے نئے نئے لوگوں کو اٹھاتا رہے گا، لیکن دوستو! یاد رکھو کہ یہ راہ جس پر تم چل رہے ہو خار دار وادیوں سے ہو کر گذرتی ہے، کہیں دنیاوی زندگی کی رونق اور کبھی فقر و فاقہ کا خوف، کبھی تجارت کے ضائع ہو جانے کا خطرہ اور کبھی سماج کی نگاہوں میں ذلیل ہو جانے کا خیال، کانٹا بن کر راہ روکتا ہے، لیکن اللہ کے بندے ایثار و قربانی، خشیت الٰہی اور اعتماد علی اللہ کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر جب اس راہ میں نکلتے ہیں تو یہ مشکلات ان کا راستہ نہیں روک پاتیں۔ صحابہ کی زندگی کو نمونہ بناؤ، وہ جب ایمان و یقین کا کام لے کر چلے تو آج

سے زیادہ مشکل حالات سے انہیں دوچار ہونا پڑا، لیکن ان کا ایمان مصائب کی بھٹی سے تابندہ تر ہو کر نکلا۔ آج تم بھی انہیں کی راہ پر چل کر خدا کی رضامندی حاصل کر سکتے ہو۔

دوستو! یہ بھی یاد رکھو کہ اس راہ میں استقلال اور تسلسل بنیادی حیثیت رکھتا ہے، اگر یہ محنت مستقل اور مسلسل نہ کی گئی تو سخت نقصان کا خطرہ ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ آنے والی سردیاں تمہاری دعوت کی آگ کو سرد کر دیں۔ ایمان کو مضبوط کرو کہ یہ محنت اور عمل خیر کے لیے تمہارے دلوں میں کشمکش پیدا کرے گا۔

آج امارت شرعیہ کی طرف سے ہم آپ کو یہی دعوت دینے آئے ہیں، اور ہمیں یقین ہے کہ آپ اس پکار پر لبیک کہیں گے۔

۞۞۞

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے پیغام کی اصل بنیاد توحید الٰہی ہے، اللہ کی ان قدرتوں کو بانٹو مت، اللہ کی ان صفات میں کسی کو شریک مت کرو، کچھ لوگوں کو ان کے ساتھ ساجھی اور شریک نہ بناؤ، ہر اس چیز سے بچ کر رہو جس سے اللہ کی قدرت اور اس کے کمال میں ساجھے داری پیدا ہوتی ہو، اس کی ذات اور اس کی صفات میں کسی اور کو شریک کرنے کا سوال ہی نہیں ہے، اللہ کی وحدانیت پر ایمان بنیاد ہے، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام "قولوا لاالٰہ الااللہ تفلحوا" اس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ کی وحدانیت پر ایمان لاؤ، تم فلاح پا جاؤ گے، جو نبی پہلے آتے رہے ان نبیوں نے بھی یہی بات کہی، چاہے وہ دنیا کے کسی کونے میں بھیجے گئے، سب نے تنہا یہی پیغام دیا۔

وحدت رسالت

اب آپ ایک بات پر غور کر لیجئے! سیدنا موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور ان کے بعد سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آئے، یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام کو مانا اور عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا، اس کے بعد جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا۔ مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا، جب تک کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان نہ لائے۔ عیسیٰؑ پر بھی، موسیٰؑ پر بھی، ابراہیمؑ پر بھی، یونسؑ پر بھی، غرض ان تمام لوگوں پر جو اللہ کا پیغام لے کر دنیا کے کسی حصہ میں آئے ہوں، جب تک ان سب پر ایمان نہ لائے، مسلمان نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ ان کا نام جانے نہ جانے سبھوں پر ایمان لانا ضروری ہے، پس اسلام کی بنیادی روح ہے، اللہ کی وحدانیت اور تمام انبیاء کرام پر ایمان خواہ وہ کائنات کے کسی حصہ میں کبھی اور کسی قوم میں آئے ہوں، جیسے اللہ کی وحدت پر ہم ایمان

لائے ہیں، اسی طرح رسالت کی وحدت کے بھی ہم قائل ہیں، یعنی ہر رسول دوسرے رسول کا حصہ ہے، سب کی بنیادیں ایک ہیں سب کا پیغام ایک ہے، اسلام کہتا ہے کہ: ''لانفرق بین احد من رسلہ'' ہم اللہ کے رسولوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے، اللہ بھی ایک اور اللہ کا پیغام لانے والے بھی سب ایک۔

وحدت انسانی اور اگلی منزل یہ ہے کہ انسان بھی ایک، اسی اعتقاد سے یہ اعتقاد بھی پیدا ہوتا ہے کہ انسان بھی ایک ہے، کوئی شخص نسلی برتری کا شکار ہے، تو غلط، ملک کے نام پر فخر کرتا ہے تو غلط، دوسروں کو اپنے سے حقیر سمجھتا ہے تو غلط، رنگ کے اعتبار سے فخر کرتا ہے تو غلط اور زبانوں کے نام پر فخر کرتا ہے تو غلط، کوئی زبان بولتے ہو، کوئی سا رنگ رکھتے ہو اور کسی ملک کے باشندے ہو، تم سب صرف انسان ہو اور کچھ نہیں۔ یہ میں ان بنیادوں کی طرف لے جا رہا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی عالمگیریت کی طرف راستہ دکھاتی ہے، قرآن نے کتنے صاف الفاظ میں بتادیا کہ لوگو! تمہاری زبانوں کا فرق کہ یہ تمل ہے، یہ اڑیا، یہ اردو، یہ فارسی، یہ عربی، دنیا کی جونسی زبان آدمی بولتا ہو، اس سے عزت وذلت کا تعلق نہیں، رنگ چاہے جون سا ہو ایرانیوں کی طرح مت کہنا کہ ہم تو گورے ہیں اور ہندوستانی اور حبشی کوے ہیں، یہ رنگوں اور زبانوں کا فرق اللہ کی آیتوں میں سے ایک آیت اور اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، اس کو تم اپنے درمیان وجہ فضیلت مت سمجھنا۔

اسلام نے عورت کو عزت دی

ایک زمانہ میں انسانوں کے درمیان جنس کی بنیاد پر بھی فرق کیا جاتا تھا کہ عورت میں نفس انسانی ہی نہیں ہے، وہ عورت کو آدمی جاننے کو تیار نہیں تھے، عورت کے بارے میں پتہ نہیں کیا کیا تخیلات تھے، مرد نے اپنی فضیلت اور برتری کے لئے عورتوں کو ایسی ذلت کے گڑھے میں ڈالا تھا کہ وہ سامان استراحت تو تھی مگر خود انسانی حیثیت سے ان کا کوئی مقام اور وقار نہیں تھا، قرآن نے کیا کہا، جس کو ہم نکاح کے خطبہ میں روز سنتے ہیں: ''یاایھاالناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساء'' (النساء:۱)

اے لوگو! اے انسانو! تم سب جان لینا، ڈرتے رہنا اپنے رب سے کہ ہم نے تم کو ایک نفس سے بنایا، انہیں سے ان کا جوڑا بنایا، اور ان ہی دونوں سے مل کر مرد وعورت پیدا کیا، اور دونوں

ایک دوسرے کے لئے ایسا حصہ ہیں کہ ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا، سیدھے لفظوں میں عورت انسانیت سے باہر کی کوئی شئی نہیں ہے بلکہ انسانوں کا ایک حصہ اور انسانوں کی ایک قسم ہے، اور مرد و عورت مل کر انسانیت کی تکمیل کرتے ہیں، اس طرح قرآن نے اس تصور کو ختم کیا جو عورتوں کو ذلیل اور ان کو انسانیت سے گرادینے کے لیے پچھلی تمام قوموں میں رائج تھا، چاہے اہل یونان ہوں یا اہل ہندوستان یا عرب کی قوم ہو، اسی لیے عربوں کے ہاں سوتیلی ماں بھی وراثت میں تقسیم ہوتی تھیں، جیسے باپ کے ترکہ میں دولت آتی تھی اسی طرح ان کی بیوی بھی وراثت میں تقسیم ہوا کرتی تھیں، آپ کو آج یہ بات سمجھ میں نہیں آئے گی، لیکن آج سے چودہ سو سال پہلے کی دنیا پر جو افکار آدمیوں کے بنائے ہوئے مسلط تھے ان کی روشنی میں قرآن کے اس انقلابی بیان کو پڑھئے کہ اے تمام انسانو! ''تم کسی نسل کے ہو، چاہے مرد ہو یا عورت، تم سب ایک ماں باپ کی اولاد ہو، ایک جزسے نکلے ہو، اور ماں باپ بھی ایسے کہ باپ کا ٹکڑا اور ان کے جز کی حیثیت سے ماں بھی تھی، دونوں کے وجود سے یہ پوری کائنات بنی ہے، پس انسانوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی جاسکتی''۔

اس لیے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی کبھی بھی اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو شریک نہیں کرسکتا، کسی نبی کی نبوت کا انکار نہیں کرسکتا، اور کسی انسان کو دوسرے انسان سے پیدائشی طور پر چھوٹا اور بڑا اقرار نہیں دے سکتا۔ یہ ہے دراصل بنیاد اور اس کی سخت ضرورت تھی، اس لیے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا جو دور ہے وہ علم کی روشنی کا دور ہے، دنیا کو سمٹ کر ایک محلّہ بن جانا تھا۔ کبھی ایک گاؤں کا باشندہ دوسرے گاؤں کو نہیں جانتا تھا، کبھی دریا کے اس کنارہ پر رہنے والے دریا کے اس کنارہ کو نہیں جانتے تھے۔ لیکن حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے ہے، دنیا کو سمٹ کر چھوٹا ہو جانا تھا، اس میں ایسا کوئی مذہب دنیا کی رہنمائی کے لائق نہیں ہوسکتا جو انسانوں کو ایک نہ مانے جو سب ہی نبیوں پر ایمان نہ لائے اور اللہ کی وحدانیت پر یقین نہ کرے، اس عظیم الشان پھیلی ہوئی دنیا کو ایک محلّہ میں منتقل کردینے والا پہلا پیغام حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے پوری کائنات انسانی ایک چھوٹا سا محلّہ ہے۔

وحدت قانون......... یہیں سے چوتھی بات نکلتی ہے، قانون کے وحدت کی، قانون الٰہی

ہندوستان کا الگ، امریکہ کا الگ، اور سعودی عرب کا الگ نہیں ہوسکتا ہے، قانون انسانی میں تو فرق ہوسکتا ہے، اس لیے کہ عقل انسانی الگ الگ بھٹک سکتی ہے، لیکن قانون الٰہی اپنے سارے بندوں کو ایک نظر سے دیکھتا ہے، دیکھنے والا خدا اپنے سب بندوں کے لیے یکساں قانون اور قانون کی بنیادیں دیتا ہے، وہ یکساں قانون دنیا کی ساری انسانیت کو اور دنیا کے سارے ممالک کو جوڑ کر ایک بناتا ہے، لوگو! اس طرح اللہ کی وحدانیت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحدت اور انسانوں کی وحدت کے ساتھ قانون کی وحدت پیدا ہوتی ہے۔

❁❁❁

شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع

اہل کتاب کے لیے بھی ضروری ہے

بہار شریف کے ایک صاحب ہیں، جن کا عقیدہ ہے کہ ''اہل کتاب کے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر محض نظری طور پر ایمان لے آنا کافی ہے، آپ کی لائی ہوئی شریعت کی اتباع ضروری نہیں ہے، بلکہ انجیل و توراۃ ہی کی اتباع کافی ہے''............اس سلسلہ میں حضرت مولانا منظور صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ مدیر ''الفرقان'' سے استفتاء کیا گیا تھا، انہوں نے مستفتی کو حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا، قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر مفصل اور مدلل گفتگو فرمائی ہے اور اس بات کا بطور خاص اہتمام کیا ہے کہ دلائل خود قرآن سے پیش کیے جائیں تاکہ فرار کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے ....واضح رہے کہ یہ جواب حضرت قاضی صاحبؒ نے ۱۹۷۸ء میں دیا تھا۔

استفتاء میں مذکور ابوالمجاہد انوار عالم صاحب کا عقیدہ اور اس عقیدہ پر ان کے دلائل کا میں نے بغور جائزہ لیا، نیز موصوف نے ''تشریح اور ضروری'' کے عنوان سے جو کچھ تحریر فرمایا ہے، اسے بھی میں نے پڑھا، موصوف کے عقائد کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد بنی نوع انسان تین حصوں میں تقسیم ہو گئے۔

(الف) وہ لوگ جو پوری طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائے اور عمل بھی مطابق شریعت محمدی کیا، ان کا نام مومن و مسلم ہے۔

(ب) وہ اہل کتاب جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، عمل صالح کرتے ہیں، اور حضورؐ کے نبی برحق اور قرآن کو کتاب الٰہی مان کر بھی شریعت محمدیؐ پر عمل نہیں کرتے بلکہ شریعت موسویؑ یا عیسویؑ وغیرہ پر عمل کرتے ہیں۔

(ج) وہ لوگ جو کفر و شرک یا نفاق میں مبتلا ہیں، اور اسی طرح وہ اہل کتاب جو اللہ اور

قیامت پر ایمان نہیں رکھتے یا ان دونوں چیزوں پر ایمان تو رکھتے ہیں مگر حضور کو رسول برحق اور قرآن کو کتاب الٰہی نہیں مانتے۔

موصوف ان تینوں طبقوں کے لیے علاحدہ علاحدہ حکم بتاتے ہیں، پہلے طبقہ کو جنت میں بلند ترین مدارج اور انعامات الٰہیہ کا مستحق قرار دیتے ہیں، موصوف کے نزدیک دوسرا طبقہ خصوصی انعامات سے تو محروم ہوگا لیکن آخرت میں نجات کا مستحق ہوگا، اور تیسرا طبقہ مستحق جہنم ہوگا۔

(۲) بعد بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم توریت وانجیل اور دوسری آسمانی کتابوں پر عمل کرنا یہودیوں، نصرانیوں اور عیسائیوں کے حق میں منسوخ نہیں ہیں۔

(۳) حضرت محمد رسول اللہ علیہ وسلم اگر چہ سارے عالم کے لیے اللہ کے رسول ہیں اور قرآن سارے عالم کے لیے مشعل ہدایات ہے، اور شریعت محمدیؐ سارے انسانوں کے لیے واجب العمل خدائی قانون ہے، لیکن اہل کتاب اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، شریعت محمدیؐ ان کے لیے واجب العمل نہیں، قوانین قرآنی کے وہ پابند نہیں اور رسالت محمدیؐ کے ذریعہ جس شریعت پر عمل کا مطالبہ کیا گیا ہے، اہل کتاب اس کے مخاطب نہیں ہیں۔

موصوف نے اپنے ان دعاوی اور عقائد کے ثبوت میں قرآن کریم کی متعدد آیات پیش کی ہیں۔

پہلی اور دوسری آیت:

"ان الذین آمنوا والذین ھادو." الایہ (بقرہ:۶۲)

یہ آیت سورہ مائدہ میں بھی مذکور ہے۔ (آیت:۶۹) دونوں جگہ اتنا فرق ہے کہ سورہ بقرہ میں "صائبین" سے پہلے نصاریٰ کا ذکر ہے اور سورہ مائدہ میں "صائبین" کا تذکرہ پہلے اور نصاریٰ کا بعد کو، دوسرا فرق یہ ہے کہ سورہ بقرہ میں "صائبین" حالت نصب میں استعمال ہوا ہے اور سورہ مائدہ میں "صائبون" حالت رفع میں۔ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل ایمان یہودی، نصرانی اور صابی ان میں سے جو بھی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لے آیا اور جس نے نیک عمل کیا ان کو خدا کے یہاں اجر ملے گا اور ہر طرح کے خوف وغم سے وہ نجات پا جائیں گے۔

تیسری آیت

"وقالوا لن یدخل الجنة الا من کان هوداً او نصارىٰ ."(بقرہ:۱۱۱)

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل کتاب ایسا کہتے ہیں کہ جنت میں صرف یہودی داخل ہوں گے، یا صرف نصرانی داخل ہوں گے، اس طرح کے دعوے محض دل کو بہلانے والی آرزوئیں ہیں، جن کی سچائی پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس شخص نے اخلاص اور سچائی کے ساتھ اپنی ذات کو اللہ کے حوالے کردیا، ایسے لوگوں کو اللہ کے یہاں اجر ملے گا، اور وہ خوف وحزن سے نجات بھی پاجائیں گے۔

چوتھی آیت

"لیس بامانیکم ولا امانی اهل الکتاب ."الآیہ(نساء:۱۲۳)

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ نہ تمہاری آرزوؤں اور دل بہلانے والے خیالات سے کچھ ہوگا اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں سے کچھ کام چلے گا، جو برا کام کرے گا اس کو اس کا بدلہ ملے گا اور جو مرد یا عورت ایمان کے ساتھ عمل صالح کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

پانچویں آیت

"لیسوا سواء من اهل الکتٰب ."الآیہ(آل عمران:۱۱۳)

اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ سبھی اہل کتاب برابر نہیں ہیں، اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی راتیں اللہ کی عبادت، تلاوت اور سجود میں گذارتے ہیں، اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نیک کاموں کا حکم کرتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں، اچھے کاموں میں سبقت کرتے ہیں، ایسے لوگ صالحین میں سے ہیں، جو بھی نیک کام یہ لوگ کریں گے، اس کے اجر سے محروم نہیں کیئے جائیں گے۔ اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔

چھٹی آیت

"کنتم خیر امة ۔الآیہ(آل عمران:۱۱۰)

اس آیت میں مسلمانوں کو خیر امت قرار دیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ وہ معروف کا حکم

کرتے ہیں، منکر سے روکتے ہیں، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اور اسی آیت میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے اچھا ہوتا۔

ساتویں آیت

ولیحکم اهل الانجیل بما انز ل الله فیه "۔(مائدہ:۴۷)

اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اہل انجیل کو انجیل میں اتاری ہوئی آیتوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا چاہئے اور جو اللہ کے نازل کئے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ فاسق ہیں۔

آٹھویں آیت

"قل یااهل الکتاب لستم علی شیٔ حتی تقیموا التوراة ۔" الآیہ (مائدہ:۶۸)

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اہل کتاب کسی معتد بہ مذہب پر اس وقت تک نہیں مانے جائیں گے جب تک تورات وانجیل کو صحیح صحیح قائم نہ کریں۔

اب ہم جواب کے پہلے حصہ میں ان دلائل کا جائزہ لیں گے جو ابوالمجاہد انوار عالم صاحب نے پیش کئے ہیں اور دوسرے حصہ میں مسئلہ کی وضاحت کتاب وسنت کی روشنی میں مثبت طور پر کی جائے گی۔

پہلا حصہ

پہلا اور دوسرا استدلال

موصوف کا دعویٰ یہ ہے کہ "عام لوگوں کے لیے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر پوری طرح ایمان لانا ضروری ہے، لیکن اہل کتاب کے ساتھ اس معاملہ میں اتنی رعایت ہے کہ ان کے لیے نظری طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا نبی مان لینا کافی ہے، اور ان کی نجات کے لیے شریعت محمدی کی اتباع ضروری نہیں ہے، بشرطیکہ وہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہوں، نیز عمل کرتے ہوں۔

بطور دلیل انہوں نے زیر بحث آیت "ان الذین آمنوا والذین ھادوا" پیش کی ہے جس میں صرف ایمان باللہ، ایمان بالآخرۃ اور عمل صالح کو مدار نجات قرار دیا گیا ہے، موصوف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس آیت میں جن چیزوں کو مدار نجات قرار دیا گیا ہے۔ ان میں شریعت محمدیؐ کا اتباع داخل نہیں ہے، اس لیے اہل کتاب اپنی نجات کے لیے شریعت محمدیؐ کی اتباع کے پابند نہیں ہے۔

لیکن موصوف کے دعویٰ اور دلیل میں مطابقت نہیں ہے۔ اس لیے کہ بیشک اس آیت میں صراحۃً "ایمان بالرسالۃ" کا ذکر نہیں ہے تو اس کا تقاضہ یہ ہونا چاہئے کہ اہل کتاب میں سے کوئی اللہ کے رسولؐ پر ایمان نہ بھی لائے تو اسے نجات مل جانا چاہئے، لیکن موصوف کا دعویٰ تو یہ ہے کہ نفس "ایمان بالرسالۃ" تو اہل کتاب کے لیے بھی ضروری ہے، البتہ کامل ایمان یعنی اتباع شریعت محمدیؐ ضروری نہیں، اس طرح موصوف کی تشریح کے مطابق یہ آیت مطلقاً "ایمان بالرسالۃ" کو غیر ضروری قرار دیتی ہے، اور موصوف ایمان بالرسالۃ کے ایک خاص درجہ کو بہر حال ضروری قرار دیتے ہیں، تو اس طرح یہ آیت خود موصوف کے دعویٰ کو رد کر دیتی ہے۔

دوسری یہ کہ اگر اس آیت کا یہی مطلب لیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل ایمان کے بغیر بھی نجات مل جائے گی تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ موصوف اہل کتاب کے ساتھ ہی اس حکم کو کیوں خاص کرتے ہیں، جبکہ اس آیت میں یہود و نصاریٰ اور صائبین کے ساتھ مسلمانوں کا بھی تذکرہ ہے، پھر کیوں نہیں وہ مسلمانوں کو بھی اجازت دیتے ہیں کہ وہ جس شریعت پر چاہیں عمل کریں، صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق مان لیں اتنا کافی ہے۔ پس لازمی طور پر موصوف کو یہ ماننا پڑے گا کہ دوسری دلیل سے رسالت پر ایمان کی قید کا اضافہ کیا جائے گا اور اگر کسی خاص مصلحت اور دلیل سے اس آیت کے ظاہری مفہوم نبی کو برحق ماننے کی قید کا اضافہ کیا جائے گا تو کیوں نہیں کسی مصلحت اور دلیل سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر پورے پورے ایمان کی قید بڑھائی جا سکتی ہے۔

یعنی اگر موصوف اس کے قائل ہوتے کہ نجات کے لیے "ایمان بالرسالۃ" ضروری نہیں ہے محض "ایمان باللہ"، ایمان بالآخرۃ" اور "عمل صالح" کافی ہے، تب اس آیت کے سیاق و سباق اور قرآن کی دوسری آیت سے قطع نظر کر کے یہ آیت ان کے دعویٰ کا مستدل بن سکتی تھی، لیکن

موصوف ''ایمان بالرسالۃ'' کو بھی نجات کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں، البتہ اس کے دو درجے قرار دیتے ہیں، ایک درجہ رسول کو محض نظری طور پر برحق مان لینا اور دوسرا درجہ رسول کی اتباع کا بھی ضروری ہونا، موصوف ''نجات'' کے لیے ''ایمان بالرسالۃ'' کے پہلے درجہ کو ضروری قرار دیتے ہیں، تو ظاہر ہے کہ ''ایمان بالرسالۃ'' کے دونوں درجوں میں سے کسی بھی درجہ کا تذکرہ اس آیت میں موجود نہیں ہے، ایسی صورت میں ''ایمان بالرسالۃ'' کے پہلے درجہ کا ضروری قرار دیا جانا اس آیت پر ایک قید کا اضافہ ہے اور ظاہر ہے کہ اس اضافہ کے لیے دلیل چاہئے، وہ دلیل شاید قرآن پاک کی وہ آیتیں ہوں گی جن میں رسولؐ پر ایمان کو بھی نجات کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ان آیات میں مطلق ''ایمان بالرسالۃ'' کا تذکرہ ہے، محض نظری طور پر نبی برحق ماننے کا کوئی ذکر نہیں، پھر اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ''رسالت پر مکمل ایمان'' کو نجات کے لیے ضروری قرار نہ دے کر محض ''نظریاتی طور پر برحق ماننا کافی قرار دیا جائے''، لہٰذا کم از کم آیت زیر بحث موصوف کے دعویٰ کے ثبوت کے لیے کافی نہیں ہے۔

تیسرا اور چوتھا استدلال

آیت: ''لن یدخل الجنة الا من کان هوداً او نصاریٰ. ''الخ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ محض یہودی یا نصرانی ہونا جنت میں داخل ہونے کے لیے کافی نہیں ہے، جیسا کہ اہل کتاب دعویٰ کرتے ہیں، اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو دلیل لائیں''۔ اس طرح چوتھی آیت کا حاصل بھی یہی ہے کہ ''کسی کی محض آرزو سے جنت نہیں ملے گی، بلکہ جنت کے حصول کے لیے ایمان اور عمل صالح ضروری ہے، ظاہر ہے کہ ان ہر دو آیتوں سے یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ کسی بھی جماعت یا طبقہ کی آرزوئیں اور ان کے اپنے خیالی اندازے نجات اور حصول جنت کے لیے کافی نہیں ہیں اور کوئی بھی طبقہ محض اپنے اعلیٰ انتساب کی بنیاد پر اگر اس دھوکے میں پڑ جائے کہ وہ اپنے برے اعمال کا بدلہ نہیں پائے گا تو یہ غلط ہے جو بھی برائی کرے گا اسے اس کی سزا بھگتنی ہوگی، رہا سوال اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر پانے کا، خوف وحزن سے نجات پانے کا، اور نیک اعمال کی قبولیت کا تو اس کے لیے مومن اور مسلم ہونا ضروری ہے، جیسا کہ خود قرآن پاک کی زیر بحث آیات کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے

پہلی آیت: "وقالوا لن یدخل الجنة" الآیہ۔ پہلے کی چند آیتوں اور بعد کی چند آیتوں پر غور کیجیے، مسلمانوں کو مخاطب کر کے قرآن کہتا ہے

"بہت سے اہل کتاب تمہارے ایمان لانے کے بعد بھی تم کو کافر دیکھنا پسند کرتے ہیں، حالانکہ ان پر حق واضح ہو چکا ہے، پھر بھی وہ حسد کے مرض میں مبتلا ہیں، تم اللہ کے قطعی فیصلہ کا دن آنے تک عفو ودرگذر سے کام لو، بیشک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور جو اچھا کام بھی تم پہلے سے اپنے لیے کیے رہو گے اس کا بدلہ اللہ کے یہاں پاؤ گے، بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ (بقرہ: ۱۰۹، ۱۱۰)

یاد رکھیے کہ اس سے پہلے اہل کتاب اور مشرکین کی اس ذہنیت کی نشاندہی بھی کی ہے کہ "انہیں یہ بات ذرا بھی پسند نہیں کہ تمہارے رب کی طرف سے کوئی خیر تم پر نازل ہو۔"

اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ "وہ اپنی رحمت جس کے ساتھ چاہے خاص کر دے وہ تو فضل عظیم والا ہے" اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بات بھی صاف فرما دی کہ "وہ جب کسی آیت کو منسوخ کرتا ہے، یا لوگوں کے حافظہ سے بھلا دیتا ہے تو اس سے بہتر یا اس جیسی دوسری آیت نازل بھی فرماتا ہے۔"

اور پھر اس بات کی طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ "اللہ کی رحمت کا خصوصی طور پر کسی شخص یا جماعت پر نزول اور اس کی طرف سے کسی آیت کا منسوخ کرنے اور کسی آیت کو بھلا دینے اور اس سے آیت نازل فرما دینے کا انکار دراصل اللہ تعالیٰ کی قدرت کو چیلنج ہے۔" (بقرہ: ۱۰۵، ۱۰۶)

ان آیات کی روشنی میں اہل کتاب کی اس حاسدانہ ذہنیت کا تجزیہ کیا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ مشرک عربوں کے درمیان وحی الٰہی پر مبنی ایک کتاب پر ایمان رکھنے والی امت کی حیثیت سے "اندھوں میں کانا راجہ" کا درجہ رکھتے تھے، اچانک انہیں مشرک عربوں میں وہ کتاب اتاری اور وہ رسول بھیجا جو پچھلی تمام کتابوں کے بھولے ہوئے اسباق کو یاد دلانے والا اور بدلے ہوئے حالات میں انسانی آبادی کے لیے نئی شریعت لے کر ان محرف کتابوں پر خط تنسیخ کھینچنے والا وہ نبی اہل کتاب کی حسد کا شکار ہوا، چاہیے تو یہ تھا کہ حق وایمان کی یہ دعوت جو ان کے گھر کی چیز تھی اسے وہ کلیجہ سے لگاتے، لیکن برا ہو حسد کی آگ کا، وہ مشرکین عرب میں پیدا ہونے والے اس نبی کو کیسے تسلیم کرتے، جنہیں وہ ہمیشہ جاہل کہتے رہے؟ اس لیے وہ یہ آرزو کرتے تھے کہ کسی طرح یہ لوگ دوبارہ کاہل ہو جائیں۔ اللہ

تعالیٰ نے فیصلہ کے دن کا انتظار کرنے کی ہدایت دی اور عفوودرگذر کا حکم دیا۔

اب اس پس منظر میں یہودیوں اور عیسائیوں کے اس دعویٰ کو پڑھئے کہ جنت میں تو بس یہودی یا نصرانی داخل ہوں گے، قرآن کہتا ہے کہ ''اے اہل کتاب! یہ محض تمہارے خیالی اندازے ہیں، اگر تم سچے ہو تو دلیل لاؤ۔'' اس کے بعد قرآن کہتا ہے کہ خوف وحزن سے نجات اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر تو اس کو ملے گا جس نے اپنی ذات کو اللہ کے تابع وفرمان بنا دیا اور اچھا کام کرتا رہا۔''

قرآن پاک نے آیت کے اس ٹکڑے میں ''من اسلم وجهه لله وهو محسن'' کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ظاہری اور باطنی تسلیم وخود سپردگی اور حسن عمل سے نجات ملے گی اور دراصل یہ یہودیوں اور عیسائیوں کی اس حاسدانہ ذہنیت کا جواب ہے جس کا اظہار انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ظاہر ہو جانے کے بعد اپنے قول وعمل کے ذریعہ کیا، وہ جنت کو یہودیت یا نصرانیت کی میراث کہتے تھے۔ قرآن پاک اس کو اعتقاد وعمل پر مبنی ٹھہراتا ہے، کسی ذات برادری اور طبقہ کے لیے اس کو مخصوص قرار دینے کی فاسد ذہنیت کو غلط قرار دیتا ہے۔

اسی طرح اگلے ٹکڑے میں یہود ونصاریٰ اور مشرکین عرب کی طرف سے ایک دوسرے کی تکفیر وتفسیق کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''اس کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا'' چند آیتوں کے بعد قرآن پاک نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ یہود ونصاریٰ اسی وقت آپؐ سے خوش ہو سکتے ہیں جبکہ آپؐ ان کے ملت کی پیروی کریں۔'' حالانکہ اصل ہدایت وہی ہے جو آپؐ کے پاس اللہ کی طرف سے آئی ہے، اس لیے ان کی خواہشات کی پیروی کی آپؐ کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔''

اور اس سارے مضمون کے بیان کرنے کے بعد اہل کتاب کے بارے میں واضح فیصلہ قرآن پاک نے ان الفاظ میں کر دیا:

''الذین اٰتینا هم الکتٰب یتلونه حق تلاوته اولٰئک یؤمنون به ومن یکفر به فاولٰئک هم الخٰسرون ''(بقرہ:۱۲۱)

یعنی ''اہل کتاب میں سے جو اپنی کتابوں کی تلاوت اس طرح کرتے ہیں جیسا تلاوت کا حق ہے وہی لوگ آپ کی پیش کی ہوئی ہدایت پر ایمان لاتے ہیں، اور جو اس کا انکار کرتے ہیں وہی گھاٹے اور نقصان میں ہیں۔''

خلاصہ یہ کہ اہل کتاب کا وہ طبقہ جو اپنی نفسانی خواہشات، حاسدانہ ذہنیت اور اپنے مفروضہ خیالات سے بالاتر ہو کر تورات وانجیل کا مطالعہ کرے گا وہ قرآن پاک کی پیش کی ہوئی ہدایت پر ایمان لانے پر مجبور ہوگا، اور جو تورات وانجیل کی آیتوں کی اپنی من مانی خواہشات کے سانچے میں ڈھالنا چاہے گا وہ کفر میں مبتلا ہوگا، اور گھاٹے اور نقصان میں پڑے گا۔

اگر ان تمام آیات پر نگاہ رکھی جائے تو کسی طرح اس کی گنجائش نہیں نکلتی کہ اہل کتاب کے لیے اتباع محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضروری نہیں ہے، بلکہ یہ آیات تو اہل کتاب کی حاسدانہ ذہنیت کی نشان دہی کر کے ایمان کامل اور عمل صالح کی دعوت دیتی ہیں، اور خود اہل کتاب کو یہ بتاتی ہیں کہ تمہاری کتابوں کا ہی غیر جانبدارانہ مطالعہ تمہیں حق اور ہدایت کی اس راہ پر لے آئے گا، جس کی دعوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔

اور سورہ نساء کی آیت: "لیس بامانیکم ولا امانی اهل الکتاب" میں بھی یہی بات فرمائی گئی ہے کہ "تمہاری اور اہل کتاب کی مفروضہ تمناؤں سے کام نہیں چلے گا، جو بھی بُرا عمل کرے گا اس کی سزا پائے گا اور اللہ کو چھوڑ کر دوست اور مددگار بھی نہیں ہوگا، اور جو مرد یا عورت نیک عمل کرے گا وہ جنت میں جائے گا، بشرطیکہ مومن ہو"۔ اور اس کے بعد آیت: ۱۲۴ میں پھر پچھلی بات کو زیادہ وضاحت اور تعین کے ساتھ ان الفاظ میں دہرایا گیا: ومن احسن دینا ممن اسلم وجهه لله وهو محسن واتبع ملة ابراهیم حنیفاً"

"یعنی اس سے بہتر کس کا دین ہو سکتا ہے جس نے اپنی ذات کو اللہ کے سامنے جھکا دیا اور اچھے کاموں میں لگا رہا اور ملت ابراہیمی کی پیروی کی۔"

یعنی ملت محمدیؐ جو در اصل ملت ابراہیمی ہے، جس کی رُوح اسلام اور احسان ہے اس کے مقابلے میں کون سا دین پیش کیا جا سکتا ہے؟ بات صاف ہوگئی کہ آخرت کی نجات کے لیے اور اجر کے استحقاق کے لیے ایمان اور اسلام ضروری ہے، بس ان آیات سے نتیجہ نکالنا کہ اہل کتاب کے لیے بعثت محمدیؐ ضروری نہیں کسی طرح درست نہیں۔

پانچواں استدلال

موصوف کا خیال یہ ہے کہ اہل کتاب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد دو

طبقوں میں تقسیم ہو گئے۔ کچھ تو وہ تھے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور کچھ وہ تھے جو نبوت کو نظری طور پر حق مانتے تھے، لیکن اتباع اپنی سابق شریعت کی کرتے تھے، موصوف اپنے اس دعویٰ کے لیے بطور دلیل سورۂ آل عمران کی آیت ۱۱۳۔۱۱۴۔۱۱۵ پیش کرتے ہیں، آیت کے الفاظ یہ ہیں:

"لیسوا سواء من اهل الکتٰب امة قائمة یتلون ایات الله اناء اللیل وهم یسجدون ٥ یومنون بالله والیوم الآخر ویامرون بالمعروف وینهون عن المنکر ویسارعون فی الخیرات واولٰئک من الصالحین ٥ مایفعلون من خیر فلن یکفروه والله علیم بالمتقین ٥ (سورہ آل عمران: ۱۱۳۔۱۱۴۔۱۱۵)

ترجمہ:۔ وہ سب (اہل کتاب) برابر نہیں، اہل کتاب میں ایک فرقہ ہے سیدھی راہ پر، پڑھتے ہیں اللہ کی آیتیں راتوں کے وقت اور وہ سجدے کرتے ہیں، ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور حکم کرتے ہیں اچھی بات کا اور منع کرتے ہیں بُرے کاموں سے اور دوڑتے ہیں نیک کاموں پر اور وہی لوگ نیک بخت ہیں، اور وہ لوگ جو کچھ کریں گے نیک کام ہرگز اس کی ناقدری نہ ہوگی اور اللہ کو خبر ہے پرہیز گاروں کی۔

بلاشبہ اس آیت سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سبھی اہل کتاب ایک جیسے نہیں ہیں، ان میں کچھ نیکوکار لوگ بھی ہیں، لیکن موصوف کے دعویٰ کے لیے یہ آیت مفید نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ اور اس طرح کی دوسری آیات میں جہاں یہ بات بتائی گئی ہے کہ اہل کتاب سب کے سب ایک طرح کے نہیں ہیں، ان میں کچھ صالح اور سعید روحیں بھی ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی، وہاں اس طرح کی کوئی بات ان آیات سے ثابت نہیں ہوئی کہ "اہل کتاب میں کچھ لوگ تو وہ ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو برحق جانتے ہوئے بھی اپنی سابقہ شریعت پر عمل پیرا ہیں اور کچھ لوگ وہ ہیں جو سرے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ہی انکار کرتے ہیں۔"

اور جب تک اس طرح کی تقسیم موصوف ثابت نہیں کرتے ان کا عقیدہ دلیل اور برہان خالی رہتا ہے۔

بلکہ آیت مذکورہ کے سیاق وسباق سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اہل کتاب کے جس طبقہ کا اس آیت میں تذکرہ کیا گیا ہے اور جنہیں صالح قرار دیا گیا ہے، یہ دراصل وہ اہل کتاب ہیں جو اسلام قبول کر چکے تھے اور ان اعمال میں مشغول ہو چکے تھے جو خیر امت یعنی امت محمدیہ علی صاحبہا

الصلوٰۃ والسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ اسی رکوع کا ابتدائی حصہ پڑھیے:

"کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ" (آل عمران: ۱۱۰)

ترجمہ:۔ اے مسلمانو! تم سب امتوں سے بہتر امت ہو جو بھیجی گئی ہو انسانوں کے فائدہ کے لیے، حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو بُرے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔" اگلا حصہ پڑھیے!

"ولو امن اھل الکتٰب لکان خیرلھم منھم المومنون واکثرھم الفاسقون O (آل عمران: ۱۱۰)

ترجمہ:۔ "اگر ایمان لے آتے اہل کتاب تو ان کے لیے اچھا ہوتا۔ کچھ تو ان میں سے مومن ہیں اور اکثر ان میں سے نافرمان فاسق ہیں۔"

اس آیت کے بعد قرآن پاک یہ بتاتا ہے کہ "یہ نافرمان اہل کتاب سوائے ستانے کے تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اگر جنگ کا موقعہ ہوا تو پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے، ذلت ان پر مسلط ہے، اللہ کا غضب انہوں نے کھا رکھا ہے۔ مسکنت کی مار ان پر پڑ چکی ہے، اللہ کی آیتوں کا انکار، نبیوں کا ناحق قتل کرنا، نافرمانی اور سرکشی ان کا شعار ہے۔" اس طرح فاسق اور نافرمان اہل کتاب کے حالات کی تفصیل بتانے کے بعد اب قرآن پاک یہ کہتا ہے کہ "سبھی اہل کتاب کا ایک حال نہیں ہے" جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ ان میں سے کچھ مومن بھی ہیں اور "مومن اہل کتاب" کے اعمال اور مشاغل کی تفصیل میں جو "صفتیں" ذکر کی گئی ہیں بعینہٖ وہی صفتیں ہیں جو "خیر امت" کے لیے ذکر کی گئی ہیں۔ یعنی اللہ اور آخرت پر ایمان، امر بالمعروف، نہی عن المنکر وغیرہ۔ اگر اپنے ذہن کو قرآن پاک کے تابع بنا دیا جائے اور اپنے طے کردہ نظریات کو ذہن سے نکال کر قرآن پاک کا مطالعہ کیا جائے اور اس آیت کا مطالعہ قرآن پاک کے اس سیاق اور اس تاریخی واقعہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے کیا جائے کہ اہل کتاب کا ایک طبقہ جس میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ جیسے دوسرے صحابہؓ ہیں جو مشرف باسلام ہو کر خیر امت میں داخل ہو چکے ہیں اور ہر انصاف پسند یہ سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ یہ تذکرہ ان لوگوں کا ہے جو اہل کتاب تھے، اور انہوں نے اسلام قبول کیا تھا، اور خیر امت میں شامل ہو چکے تھے۔ نہ یہ کہ یہ ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو محض نظری طور پر نبی برحق مانتے رہے، لیکن ان کی شریعت سے زندگی

پھر روگردانی کرتے رہے، اس موقعہ پر تاریخ کی اس ناقابل انکار حقیقت کو بھی نگاہ میں رکھنا ہوگا کہ نزول قرآن کے وقت اہل کتاب میں بس دو ہی قسم کے لوگ تھے، یا مسلم یا کافر (یا پھر ایک طبقہ منافقین کا تھا جو حقیقتاً کافر تھے) ایسے کسی درمیانی طبقہ کا پتہ نہیں چلتا جو نظری طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق مان کر ان کی شریعت سے روگردانی کر رہا ہو۔ ظاہر ہے کہ جب ایسی صورت حال موجود تھی تو پھر آیات قرآنی کی بیان کردہ کسی تاریخی حقیقت کو ایک ''اختراع اور مفروضہ جماعت'' پر منطبق کرنے کی گنجائش کیوں کر نکل سکتی ہے؟ اس لیے موصوف کو پوری ایمانداری کے ساتھ اپنے اس عقیدہ پر نظر ثانی کرنی چاہئے۔ اس لیے کہ قرآن پاک جن چیزوں کو بحیثیت ایک واقعہ کے ذکر کر رہا ہے اس کا مصداق وہی لوگ قرار دئے جا سکتے ہیں جو نزول قرآن کے زمانہ میں موجود رہے ہیں۔ محض اپنے ذہنی اختراع اور فرضی نظریات کے پیش نظر قرآن پاک کی بیان کردہ ایک واقعاتی حقیقت کا مصداق متعین کرنا کس طرح درست ہوگا اور کس طرح اس طرح کی آیات کو جس میں واقعات بیان کئے گئے ان کے زمانہ نزول اور ماحول سے بے تعلق کیا جا سکتا ہے؟

چھٹا استدلال

آیت: ''کنتم خیر امة'' کے آخری ٹکڑے ''ولو امن اهل الکتٰب لکان خیر لهم'' کا موصوف یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ

اہل کتاب اگر پوری طرح ایمان لے آتے یعنی شریعت محمدیؐ پر عمل پیرا ہو جاتے تو ان کے لیے سب سے اچھا ہوتا، لیکن اگر وہ پوری طرح ایمان نہیں لائے اور شریعت محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر عمل پیرا نہیں ہوئے تو یہ بھی کچھ بُرا نہیں ہوا اور اس میں بھی کچھ مضائقہ اور حرج نہیں، اس لیے کہ نفس نجات کے لیے محض نظری طور پر رسول کو برحق مان لینا اہل کتاب کے لیے کافی ہے۔''

افسوس ہے کہ قرآن پاک کی اس آیت کو سمجھنے میں موصوف یا تو خود سخت مغالطہ کا شکار ہو گئے ہیں یا جان بوجھ کر دوسروں کو مغالطہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں، یہ آیت ان کے دعویٰ کے ثبوت کے لیے کسی طرح مفید نہیں ہے۔ دراصل مغالطہ کی بنیاد لفظ ''خیر'' کے مفہوم کی تعیین ہے، لفظ ''خیر''

کا استعمال قرآن پاک میں ١٧٦ ارجگہ ہوا ہے۔ اگر ان تمام آیتوں پر نگاہ ہو تو محسوس ہوگا کہ یہ لفظ قرآن پاک میں مختلف مفاہیم میں استعمال ہوا ہے۔ کہیں یہ خیر ''شر'' کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے اور کہیں پر ''ضرر'' کے مقابلہ میں، کہیں بحیثیت اسم استعمال کیا گیا ہے اور کہیں بہ معنی ''وصفی'' یعنی ''افضلیت'' کے اظہار کے لیے استعمال ہوا ہے۔

موصوف نے اس آیت میں لفظ ''خیر'' کو ''افضل'' کے معنی میں لے لیا ہے اور دوسری طرف ایمان کو ''مکمل ایمان'' کے معنی میں لے لیا اور پھر یہ ترجمہ کر دیا کہ ''اگر اہل کتاب پوری طرح ایمان لے آتے یعنی شریعت محمدیؐ پر عمل پیرا ہو جاتے تو ان کے لیے سب سے اچھا ہوتا۔'' اور اس سے نتیجہ یہ نکالا کہ افضل صورت تو یہی ہے کہ اگر پوری طرح ایمان نہ لاویں تو بھی کام چل سکتا ہے، اور نجات مل سکتی ہے۔

اب سب سے پہلے اس طرح کی دوسری آیات پر غور کیجئے!

پہلی آیت:

''وزنوا باالقسطاس المستقیم ذالک خیر واحسن تاویلا٥ (اسرا آیت ٣٥)

''یعنی ٹھیک ترازو سے تولنا ہی خیر ہے''۔ اگر کوئی اس کا یہ مطلب لے کہ ''اگر غلط ترازو سے تولا جائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن سب سے اچھا یہ ہے کہ ٹھیک ترازو سے تولا جائے۔ تو آپ اسے کیا کہیں گے؟

دوسری آیت:

''ومن یعظم حرمات اللہ فھو خیر لھم .'' (الحج ٣٠)

یعنی جو اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرتا ہے تو یہ اس کے لیے خیر ہے۔ کیا اس کا یہ مطلب لیا جا سکتا ہے کہ اللہ کی حرمتوں کی تعظیم نہ کرنا کوئی مضائقہ کی بات نہیں؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔

تیسری آیت:

''یآیھا الناس قدجاء کم الرسول بالحق من ربکم فاٰمنوا خیر الکم .'' (نساء ١٧٠)

اے لوگو! تمہارے پاس "رسول" اپنے رب کی طرف سے "حق" لے کر آ گئے ہیں، پس ایمان لے آؤ یہ تمہارے لیے "خیر" ہے۔ تو کیا اس آیت کا یہ مطلب لیا جا سکتا ہے کہ ایمان نہ لانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ البتہ لوگ ایمان لے آئیں تو اچھا ہوگا، درست ہو سکتا ہے؟

چوتھی آیت:

"ولا تقولوا ثلاثة انتھوا خیراً لکم انما اللہ الٰہ واحد."

خدا کو تین نہ کہو! ایسے قول سے باز آ جاؤ، تمہارے لیے یہی بھلا ہے۔ بس اللہ تو اکیلا معبود ہے۔ کیا اس آیت کا یہ مفہوم لینا درست ہوگا کہ "اے عیسائیو! تم جو تین خدا کے قائل ہو اس سے باز آ جاؤ تو سب سے اچھا ہے اور اگر نہ بھی باز آؤ اور تین خدا کے قائل رہو تو بھی کوئی حرج کی بات نہیں"

غرض یہ کہ اس طرح کی بہت سی آیتیں مذکور ہیں جن میں خیر بمقابلہ شر استعمال کیا گیا ہے اور علماء لغت نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ (مختار الصحاح: ۱۷۹)

دراصل آیت زیر بحث کا بھی مفہوم یہی ہے کہ اہل کتاب کا ایمان لے آنا ان کے لیے خیر ہے، اور ایمان نہ لانا ان کے لیے شر ہے اور اس لئے قرآن پاک نے آیت زیر بحث میں ایمان کو اہل کتاب کے لیے خیر بتاتے ہوئے اہل کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، کچھ تو وہ لوگ جو ایمان لے آئے ان کو "مومن" کہا گیا اور اکثریت جو ایمان نہ لائی ان کو فاسق کہا گیا۔ اگر موصوف کے بیان کے مطابق "لو اٰمن اھل الکتٰب" میں "آمن" سے مراد مکمل ایمان اور شریعت محمدیؐ پر عمل پیرا ہونا لیا جائے تو لازمی طور پر "منھم المومنون" میں وہی لوگ داخل ہوں گے جو پورے طور پر ایمان لانے والے اور شریعت محمدیؐ پر عمل پیرا ہونے والے اہل کتاب تھے، اور ان کے علاوہ جو لوگ بھی ہوں چاہے وہ سرے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر ہوں یا نظری طور پر حق مان کر شریعت محمدیؐ سے روگردانی کرنے والے ہوں سب "اکثرھم الفاسقون" میں داخل ہوں گے، اور ظاہر ہے کہ فسق و نافرمانی قرآن پاک کی اصطلاح میں ان لوگوں کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا جو محض ترک افضل کے مرتکب ہوں، اس لیے قرآن کریم نے دوسرے مقام پر اہل کتاب کے تذکرے کے ذیل میں ہی یہ فرمایا کہ "اجر والے اہل کتاب وہ ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے

ہیں اوراس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں جو آپ پر نازل ہوئی اوران کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں جوان کی طرف اتاری گئی تھی۔“

”وان من اهل الکتٰب لن یومن باللہ وما انزل الیکم وماانزل الیھم خاشعین للہ لا یشترون باٰیات اللہ ثمنا قلیلاً ؕ اولئک لھم اجرھم عند ربھم

”اور بیشک اہل کتاب میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اوراس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں جوتم لوگوں کی طرف اتاری گئی ہے،اوران کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں جوان لوگوں کی طرف اتاری گئی تھیں۔اللہ سے ڈرتے ہوئے،اللہ کی آیتوں کوتھوڑے سے دام لے کرفروخت نہیں کرتے،ان ہی لوگوں کے لیےان کے رب کے پاس اجر ہے۔“

اور یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے سارے انسانوں کے لیے یہ بات صاف الفاظ میں واضح فرمادی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق لے کرآئے ہیں،تم ان پر ایمان لاؤ،اسی میں تمہاری بھلائی ہے،اگرتم ایمان نہیں لاتے اور کفر کا راستہ اختیار کروگے تو اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی بے نیاز ہے،وہ آسمان وزمین سب کا مالک ہے،تمہارا کفر اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاسکتا۔یہاں بھی ایمان کو”خیر“ قرار دیا گیا اوراس کے مقابلہ میں ”کفر“ .... معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان سارے انسانوں کے لیے ”خیر“ ہےاوراس سے گریز ”شر“،جسے کفر کا درجہ حاصل ہے۔اس میں ”اہل کتاب“ یا ”خیراہل کتاب“ کی کوئی تفریق نہیں ہے۔

”یٰایھاالناس قدجاء کم الرسول بالحق من ربکم فاٰمنوا خیر الکم وان تکفروا فان للہ ما فی السمٰوٰت والارض وکان اللہ علیما حکیماo“ (سورہ نساء:۱۷۰)

اے لوگو!تمہارے پاس رسول تمہارے رب کی طرف سے حق لے کرآگئے ہیں،پس ایمان لے آؤ۔یہ تمہارے لیے ”خیر“ ہےاوراگر کفر کروگے تو بیشک اللہ کی ملکیت میں ہے آسمان وزمین کی سب چیز،اوراللہ علیم وحکیم ہے۔

ساتواں استدلال

ابوالمجاہد انوار عالم صاحب نے اپنے اس دعویٰ کی دلیل میں کہ ”اہل کتاب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد بھی اپنی کتابوں میں نازل شریعت پر عمل کرنے میں آزاد ہیں“ حسب ذیل آیت پیش کی ہے:

"وليحكم اهل الانجيل بما انزل الله فيه"

''اور فیصلہ کریں اہل انجیل مطابق ان احکام کے جو نازل کیے اللہ نے انجیل میں''۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ''اہل انجیل'' یعنی عیسائیوں کو انجیل پر عمل کرنے کی آزادی اس کے بعد بھی ہے۔ بظاہر موصوف کا یہ استدلال بہت قوی معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمام سلف کے مسلمہ فیصلوں سے روگردانی کر کے اور قرآن پاک کی دوسری آیتوں کو نظر انداز کر کے اپنی رائے کے مطابق قرآنی آیات کو ڈھالنے کی کوشش ہی فکر کی وہ بنیادی خامی ہے جس نے موصوف کو غلط راہ پر ڈال دیا ہے۔

قرآن کریم کی یہ آیت ایک خاص مضمون کے ذیل میں آئی ہے۔ صورت حال یہ تھی کہ اکثر مدینہ منورہ کے یہودی اپنے باہمی معاملات اور نزاعات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فیصلہ کے لیے لے کر آتے تھے۔ اور یہودی علماء کا طریقہ یہ تھا کہ وہ ایک طرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلہ کے لیے بھیج دیتے اور دوسری طرف وہ یہ بھی کہہ دیتے تھے کہ اگر مطلب کی بات ہو تو ماننا نہیں تو انکار کر دینا۔ چنانچہ ایک بار ایسا ہوا کہ یہودیوں میں سے کسی معزز گھرانے کے افراد ''زنا'' جیسے گناہ میں ملوث ہوئے، زنا کی سزا تورات میں بھی ''سنگسار کرنا'' ہی لکھا ہوا ہے۔ اب مجرم جو سوسائٹی کے معزز لوگ تھے، کا مقدمہ علماء یہود نے ''جو بھاری رشوتوں کے'' عادی تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں بھیج دیا تاکہ ''رجم'' کی سزا سے یہ معزز افراد بچ جائیں، اور اس طرح تورات کی ثابت اور قطعی آیات کو چھپانے کی کوشش کی۔

"سمعون للكذب سمعون بقوم اخرين لم ياتوك يحرفون الكلم من بعد مواضعه يقولون ان اوتيتم هذا فخذوه وان لم توتوه فاحذروه". (مائدہ:۴۱)

(یہ یہودی لوگ) غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں، آپ کی باتیں دوسری قوموں کی خاطر سے کان دھر دھر کر سنتے ہیں، جس قوم کی یہ حالت ہے کہ وہ خود آپ کے پاس نہیں آئے۔ کلام کو بعد اس کے کہ موقع پر ہوتا ہے، بدلتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ حکم ملے تو اس کو قبول کر لینا اور اگر تم کو یہ حکم نہ ملے تو اس سے بچنا۔

ایسے لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن پاک نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دی کہ یہ لوگ جب معاملات لے کر آئیں تو آپ کو اختیار ہے، چاہے فیصلہ فرمائیے یا اعراض فرمائیے۔

پھر قرآن پاک ان یہودیوں پر حیرت کا اظہار کرتا ہے کہ ایک طرف تو وہ قرآن کا انکار کرتے ہیں، دوسری طرف خود کو صاحب کتاب تصور کرتے ہیں، پھر کیسے آپؐ کے پاس فیصلہ کرانے آتے ہیں، اور دوسرا لطیفہ یہ ہے کہ ایک طرف آپؐ سے فیصلہ چاہتے ہیں، دوسری طرف اس فیصلہ سے روگردانی کرتے ہیں۔ قرآن پاک نے ایسے لوگوں کے بارے میں فیصلہ کردیا ہے کہ وہ مومن نہیں ہیں۔ "وما اولئک بالمومنین" اور ایسے لوگ ایمان والے نہیں ہیں۔

پھر قرآن کریم ترتیب وار تین کتابوں کا ذکر فرماتا ہے۔ پہلے تورات کا۔ پھر انجیل کا۔ پھر قرآن کریم کا اور یہ بتاتا ہے کہ تورات ہدایت اور نور لے کر آئی۔ انبیاء علیہم السلام اور علماء واحبار اس کتاب میں نازل قوانین کے ذریعہ یہودیوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے رہے، تورات کے نزول کے بعد عیسیٰؑ ابن مریم آئے، جن کے ہاتھوں میں انجیل دی گئی، وہ بھی تورات کی تصدیق کرتے ہوئے آئے اور ہدایت وموعظت کا سامان لے کر آئے۔ یہ کتاب انجیل صرف ہدایت وموعظت کی کتاب نہیں تھی، بلکہ ایسے قوانین الٰہی کا مجموعہ تھی جن کی روشنی میں اہل انجیل کو اپنے باہمی معاملات کے فیصلہ کا حکم دیا گیا تھا۔ اور آخر میں اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید نازل ہوئی جو پچھلی تمام کتابوں کی تصدیق کرنے والی اور ان کے مضامین کی محافظ اور نگہبان ہے، پس اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی اس کتاب کے مطابق معاملات کا فیصلہ ہونا چاہئے اور یہود ونصاریٰ کی پیروی کرکے حق کے راستے سے ہٹنا نہیں چاہئے۔ پھر قرآن پاک نے اس بات کو بھی صاف کردیا کہ ہر زمانہ اور ہر دور کی شریعت میں جزوی فرق کو دیکھ کر کوئی یہ نہ سوچے کہ کسی طرح توراۃ کی تصدیق انجیل نے کی، انجیل کی تصدیق قرآن پاک نے کی کہ دراصل بنیاد ان تینوں کی کتابوں کی ایک ہی ہے، شرائع کے جزوی قانون کا ....فرق اپنے اپنے دور، زمانہ اور اس دور کی مختلف اقوام کے مزاج کے اعتبار سے تھا۔

خلاصہ یہ کہ شریعت محمدیؐ وہ آخری شریعت ہے جس کی پابندی اور جس پر عمل کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتادیا ہے کہ توراۃ وانجیل بھی اپنے اپنے زمانہ میں احکام الٰہی کے مجموعہ کے اعتبار سے اپنے ماننے والوں کے درمیان نسخۂ عمل رہ چکی ہیں، چنانچہ مولانا

ابوالکلام آزادؒ ان آیتوں کی تشریح کرتے ہوئے اپنے تفسیری نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں:

''تورات میں زانی کے لیے سنگ سار کرنے کا، اور قاتل کے لیے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن جب کسی بڑے آدمی سے یہ جرائم سرزد ہوجائیں تو یہودیوں کے دنیا پرست علماء انہیں سزا سے بچانے کے لیے بے جا تاویل کرنے لگتے، وہ طرح طرح کے شرعی حیلے نکالتے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا، علماء یہود نے خیال کیا کہ انہیں تورات کے احکام کی خبر نہیں ہے اور اگر خبر ہے بھی تو یہ ایک نئی دعوت لے کر آئے ہیں، تورات والا حکم کیوں دینے لگے، پس بہتر ہے کہ معاملہ ان کے سامنے پیش کردیا جائے۔ مجرم سزا سے بچ جائیں گے، اور ذمہ داری بھی ہمارے سر نہ پڑے گی، چنانچہ معاملہ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا، انہوں نے تورات کے حکم کا ان سے اقرار کیا اور اسی کے مطابق فیصلہ کردیا، یہاں اسی معاملہ کی طرف اشارہ کیا ہے، فرمایا جب ان کے پاس تورات موجود ہے تو کیوں اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے اور کیوں تمہارے پاس فیصلہ کے لیے آتے ہیں، اس لیے کہ دولت مند غریبوں سے رشوت لے کر یا ان کی طاقت سے مرعوب ہوکر انہیں سزا سے بچانا چاہتے ہیں، پس معلوم ہوا کہ یہ لوگ کتاب الٰہی پر ایمان ہی نہیں رکھتے ہیں، اگر ایمان رکھتے تو راست بازی کے ساتھ اس کے احکام کا اعلان کرتے۔ اس کے بعد فرمایا: ''ہم نے پہلے تورات نازل کی، پھر انجیل نازل کی اور اسی طرح اب قرآن پاک نازل ہوا ہے۔ انجیل تورات کی مصدق تھی اور قرآن پاک تمام پچھلی صداقتوں کا مصداق اور ان پر نگہبان ہے۔ نگہبان ہونے سے مقصود یہ ہے کہ اس کے مقاصد کی حفاظت کرنے والا ہے، اگر وہ نازل نہ ہوتا تو پچھلی تمام صداقتیں تحریف وضلالت کی تاریکیوں میں گم ہوگئی تھیں۔ (ترجمان القرآن: ۱/ ۳۹۵-۳۹۶)

پس آیت زیر بحث میں نزول قرآن اور بعثت محمدیؐ کے بعد عیسائیوں کو انجیل پر عمل پیرا ہونے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، بلکہ اس مقصد کا تذکرہ کیا گیا ہے جس کی خاطر انجیل کا نزول ہوا تھا، اور اس حکم کی حکایت کی گئی ہے جو نزول انجیل کے وقت اہل انجیل کو دی گئی تھی، ورنہ اگر اس آیت کا یہ مطلب لیا جائے کہ اہل انجیل کو احکام انجیل ہی پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو ایسی صورت میں عیسائیوں کے لیے غیر انجیل پر عمل کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، اس لئے کہ امر کا صیغہ وجوب کے لیے آتا ہے اور یہاں پر کوئی قرینہ ایسا موجود نہیں ہے کہ اس امر کو محض اباحت کے لیے لیا جائے۔ درآں حالیکہ خود انوار عالم صاحب صرف اباحت کے قائل ہیں، وجوب کے نہیں اس طرح

جو دلیل انہوں نے جواز کے لیے دی ہے وہ وجوب کو بتاتی ہے۔

اب آیئے! آیات قرآنی کے الفاظ پر غور کیا جائے "**ولیحکم اهل الانجیل بما انزل الله فیه**"۔

پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہے یا سابق سے مربوط ہے، یعنی لفظی طور پر علاحدہ اور مستقل جملہ ہے، یا ترکیب نحوی کے اعتبار سے اس کا سابق جملہ سے کوئی ربط ہے...... اگر اسے جملہ مستانفہ مانیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اہل انجیل کو احکام انجیل پر عمل کرنے کی ہدایت کی گئی ہے، پھر اس میں دو احتمال ہیں، صیغۂ امر، حال یا استقبال پر دلالت کرتا ہے، ایسی صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نزول قرآن پاک کے وقت اہل انجیل کو انجیل کے قوانین پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا، یعنی جیسا کہ انوار عالم صاحب فرماتے ہیں، کہ یہ آیت نزول قرآن کے بعد بھی عیسائیوں کے لیے قانون انجیل پر عمل کی گنجائش (بلکہ وجوب) پر دلالت کرے گی۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ اسے "حکایت حال، ماضی" قرار دیا جائے، یعنی جیسا کہ قرآن پاک کا اکثر مقامات پر دستور ہے کہ گذرے ہوئے واقعہ کو ایسے صیغہ میں ظاہر کرتا ہے، جو حال پر دلالت کرتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے انجیل کو نازل کیا اور اہل انجیل کو یہ ہدایت کی تھی کہ وہ قوانین انجیل کے مطابق فیصلے کیا کریں...... مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اس آیت کا یہی مطلب سمجھا ہے اور حسب ذیل ترجمہ کیا ہے۔

"اور (ہم نے انجیل میں بھی یہی حکم دیا تھا کہ) انجیل والے اسی کے مطابق حکم دیں جو کچھ انجیل میں خدا تعالی نے نازل کیا ہے، اور جو کوئی خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہ دے گا تو ایسے ہی لوگ ہیں جو فاسق ہیں۔"

مشہور مفسر علامہ ابوحیان اندلسی اپنی "تفسیر البحر المحیط" میں تحریر فرماتے ہیں:

"**امر تعالیٰ اهل الانجیل ان یحکموا بما انزل الله فیه من الاحکام وقلنا لهم حکموا ای حین اعطاء ہ عیسیٰ امرناهم بالحکم فیه**" (البحر المحیط: ۷/۵۰۰)

"اللہ تعالیٰ نے اہل انجیل کو حکم فرمایا کہ وہ انجیل میں نازل احکام کے مطابق فیصلے کیا کریں اور یہ حکم پچھلے واقعہ کی حکایت کے طور پر ہے، گویا مطلب یہ ہے کہ ہم نے انہیں انجیل دی، عیسیٰؑ کو انجیل دیتے وقت، ہم نے اہل انجیل کو حکم دیا کہ قوانین انجیل کے مطابق فیصلے کیا کریں۔

تفسیر خازن میں ہے:

"ان یکون المعنی وقلنا فلیحکم اهل الانجیل فیکون هذا اخباراً عسافرض علیهم فی وقت انزاله علیهم بالحکم بما تضمنه الانجیل ثم حذف القول لان ماقبله من قوله و کتبنا و قفینا یدل علیه وحذف القول کثیر" (تفسیر خازن:۷/۴۹)

"مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان سے یہ کہا کہ اہلِ انجیل، انجیل کے مطابق فیصلے کیا کریں.....پس قوانین انجیل کے مطابق فیصلہ کرنے کا جو حکم انجیل کے نزول کے وقت دیا گیا تھا۔ دراصل یہ اس حکم کی خبر دی جارہی ہے، اور لفظ قول کا محذوف ہونا قرآن پاک کے اسلوب میں کثرت سے واقع ہے، اور یہاں پر "کتبنا" اور "قفینا" وغیرہ ماضی کے مختلف صیغوں کا ذکر اس جملہ کے "حکایت حال ماضی" ہونے پر دلیل ہے۔"

غرض یہ کہ "ولیحکم" صیغۂ امر میں اہل انجیل کو قوانین انجیل پر عمل کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے، یہ حکم دراصل اس وقت کا ہے جب کہ انجیل نازل ہوئی تھی (یعنی بعثت عیسیٰؑ کے وقت) اس طرح اس آیت میں نزول قرآن کے بعد اہل انجیل کیا کریں اس بارے میں کوئی ہدایت موجود نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں ایک خاص نکتہ اور قابل توجہ ہے، وہ یہ کہ اس آیت میں تین قرأتیں نقل کی گئی ہیں، ایک قرأت تو جمہور کی ہے، جس میں "لام" لام امر ہے اور "ولیحکم" صیغۂ امر جو حال یا استقبال پر دلالت کرتا ہے، اب اگر اس کو اپنے ظاہری مفہوم میں رکھا جائے تو اس سے وہ مطلب نکل سکتا ہے جو انوار عالم صاحب نے لیا ہے اور اگر اسے حکایت حال ماضی پر محمول کیا جائے تو اس کا تعلق سابق سے ہوگا اور مفہوم یہ ہوگا کہ ہم نے انجیل اتارتے وقت اہل انجیل کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ بمطابق قوانین انجیل فیصلے کیا کریں، اس طرح آیت دو مفہوم کا احتمال رکھتی ہے۔ یہ طے شدہ اصول ہے کہ قرآن پاک کی بعض آیتیں بعض آیتوں کی تفسیر کرتی ہیں اور ان کے مفہوم کو متعین کرنے میں مدد دیتی ہیں، اس طرح اگر کسی آیت میں قرأتیں مختلف ہوں تو ایک قرأت دوسری قرأت کے لیے مفسر بن جاتی ہے، اور اس کے ابہام اور احتمال کو دور کرتی ہے۔

غرض یہ کہ قرآن پاک کی تمام آیتیں ایک دوسرے سے مرتبط ہیں اور اسی طرح تمام قرأتیں جو متواتر ہیں قرآن ہی کا درجہ رکھتی ہیں، کسی آیت کا مفہوم متعین کرتے وقت دوسری آیت اور قرأت سے مدد لینی چاہئے، جہاں تک قرآن کی دوسری آیتوں کا تعلق ہے جس میں اہل کتاب کو بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم کیا گیا ہے، ہم آگے چل کر اس کا ذکر کریں گے،

یہاں، ہم صرف قرأتوں کے اختلاف کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

امام قرأۃ حمزہ اس آیت کو "ولیحکم" یعنی فعل مضارع جس پر لام "کے" داخل ہو) پڑھتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوگا کہ لفظ مفعول لہٗ کے محل میں ہوکر "هدیً وموعظة" پر معطوف ہوگا اور "هدیً وموعظة" بھی ظاہر یہی ہے کہ مفعول لہٗ ہونے کی بنیاد پر منصوب ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ "هدیً وموعظةً" پر لام داخل نہیں کیا گیا ہے اور یہاں داخل کیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ "هدیً وموعظةً" کا فاعل انجیل ہے، اور حکم کا فاعل "اہل انجیل" اس طرح فاعل کے مختلف ہو جانے کی وجہ سے "حکم" کو متعدی باللام کردیا گیا، جیسے "ضربت ابنی تادیباً ولخوف زید منه" میں، اب آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہم نے انجیل نازل کی ہدایت کے لیے، موعظت کے لیے اور اس لیے تاکہ اہل انجیل اس کے مطابق فیصلے کریں، لہٰذا اس کا زمانہ حال یا استقبال سے کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ (البحر المحیط لابی حیان اندلسی)

اور اُبی کی قرأت میں لفظ "اَن" کا اضافہ ہے، یعنی "وان لیحکم" ایسی صورت میں یہی مفہوم ہوگا، پس ان ہر دو قرأتوں کی روشنی میں جمہور کی قرأت میں مذکور صیغۂ امر "حکایت حال ماضی" پر محمول کیا جائے ورنہ آیت کا مفہوم باہم متعارض اور متناقض ہوگا اور احادیث میں جو اصول تفسیر مذکور ہیں ان سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن پاک کی آیتیں باہم متعارض نہیں بلکہ ایک دوسرے کی مفسر اور مصدق ہیں، چنانچہ ابن ماجہ اور مسند احمد بن حنبل میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہٖ کی سند سے یہ روایت مذکور ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگوں کو قرآن پاک کے بارے میں ایک دوسرے سے مباحثہ کرتے ہوئے سنا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے پہلے لوگ بھی اسی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ انہوں نے کتاب اللہ کی بعض آیتوں کو بعض آیتوں سے ٹکرادیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اس طرح نازل ہوئی ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تصدیق کرتا ہے۔ لہٰذا بعض روایات سے بعض آیت قرآن کو نہ جھٹلاؤ، پس جو بات تمہاری سمجھ میں آجائے اور اصل کا علم حاصل ہوجائے تو اسے بولو اور جو تم نہ جان سکو اسے جاننے والے کے سپرد کردو۔ (مشکوۃ شریف)

پس جبکہ قرأت متواتر ہے اور بلاشبہ وہ قرآن ہے، ایک کو غلط اور دوسرے کو صحیح کہنا قطعی

نادرست ہے، تولازمی طور پراس قرأت کو جس میں دو معنی کا احتمال ہے اس قرأت پر محمول کرنا ہوگا جس کا مفہوم متعین قطعی اور غیر محتمل ہے، اس سلسلے میں امام سیوطیؒ کی مندرجہ ذیل بحث بھی نگاہ میں رکھنی چاہیے۔

(۱) "تنوع القرأت بمنزلة الأيات"

قرأتوں کا تنوع مختلف آیات کے درجہ میں ہے (یعنی ہر قرأت گویا ایک آیت کا درجہ رکھتی ہے)۔ (الاتقان:۱/۸۴)

(۲) ومنها ان بعض القرأة يبين مالعله مجمل فى القرأت والاخرىٰ فقرأة "يطهرون" بالتشديد مبينة لمعنى قرأة التخفيف وقرأةفامضوا الىٰ ذكر الله تبين ، ان المراد بقرأة "اسعوا" الذهاب لاالمشى السريع "(الاتقان:۱/۸۴)

بعض قرأتیں دوسری قرأت میں جو "مجمل ہے" اس کے لیے "بیان" اور وضاحت کا درجہ رکھتی ہیں، مثلاً حائضہ عورت کے بارے میں جو آیت نازل ہے اس میں "حتى يطهرن" ایک قرأت اور دوسری قرأت "يطهرن" ہے پہلی قرأت پر مطلق طہارت وضو اور غسل دونوں کا احتمال رکھتی ہے، دوسری قرأت "غسل" کو متعین کر دیتی ہے، اسی طرح آیت جمعہ میں "فاسعوا" ایک قرأت اور "فامضوا الى ذكر الله" دوسری قرأت ہے، سعی کا الفاظ دوڑ اور محض چلنا" دونوں کا احتمال رکھتا ہے، امضوا کے لفظ نے مفہوم متعین کر دیا کہ "چلنا" مراد ہے "دوڑنا" نہیں۔

(۳) قال ابو عبيدؒ فضائل القرآنؒ اما قصدؒ من القرأة الشاذة تفسير القرأة المشهورة وتبين معانيها كقرأة عائشة وحفصةؓ "صلوٰة الوسطى صلوٰة العصر "....... مثال همزه الحروف وماشا كلها قد صارت مفسرة للقرآن وقد كان يروى مثل هذا عن التابعين فى التفسير فيستحسن فكيف اذاروى عن كبار الصحابة ثم صار عن نفس القرأة فكانوا اكثر من التفسير واقوىٰ فادنىٰ ما يستنبط من هذه الحروف معرفة صحة التاويل ." (ایضاً)

"امام ابوعبیدؒ نے فضائل القرآن میں لکھا ہے کہ قرأۃ شاذہ کا مقصد قرأت مشہور کی تفسیر اور اس کے معانی کی توضیح ہے، جیسے حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما" والصلوٰة الوسطى " کے ساتھ "صلوٰة العصر " بھی پڑھا ہے، تو اس طرح "صلوٰة وسطى" کا احتمال "صلوٰة العصر " سے دور ہوا، اور مفہوم متعین ہو گیا، پس یہ اور اس طرح کے حروف

قرآن کی تفسیر کرنے والے ہیں، اس طرح کی وضاحتیں جو آیات کی تفسیر میں تابعین سے مروی ہیں، انہیں مستحسن قرار دیا جاتا ہے، تو ان چیزوں کو جو کبار صحابہؓ سے مروی ہے کیسے مستحسن قرار نہ دیا جائے، خصوصیت کے ساتھ جب کہ یہ حروف ان اکابر صحابہؓ سے نفس قرأۃ میں مروی ہیں۔ لہٰذا ان کا درجہ تو تفسیری الفاظ سے بڑھ کر اور زیادہ قوی ہے، پس کم سے کم بات یہ ہے کہ ان شاذ قرأتوں میں مذکور حروف کے ذریعہ آیات قرآنی کے صحیح مراد کی تعیین، اور اس کی معرفت ان سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

آٹھواں استدلال

قرآن کریم میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

"قل یا اھل الکتٰب لستم علی شئی حتی تقیموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیکم من ربکم ولیزیدن کثیراً منھم ما اُنزل الیک من ربک طغیاناً و کفراً فلا تأس علی القوم الکافرین ○" (المائدہ:۶۸)

"آپ فرمادیجئے کہ اے اہل کتاب! تم کسی قابل اعتبار مسلک اور دین پر نہیں ہو، یہاں تک کہ قائم کرو تورات اور انجیل کو اور اس کتاب کو جو تم لوگوں کی طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے، اور اہل کتاب میں سے اکثر کی سرکشی اور کفر میں ہر اس آیت کے نزول سے اضافہ ہوجاتا ہے جو آپؐ کے پاس آپؐ کے رب کی طرف سے اتاری جاتی ہے، پس ان کافر لوگوں پر آپؐ افسوس نہ کیجئے۔"

انوار عالم صاحب نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے، اور وہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے لیے تورات وانجیل پر عمل کرنا ضروری ہے، حالانکہ اس آیت میں صرف تورات وانجیل ہی کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ قرآن پاک کی اقامت کا حکم بھی اہل کتاب کو دیا گیا ہے، اس لیے "ما انزل الیکم من ربکم" سے مراد قرآن شریف ہے، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا:

"وما انزل الیکم من ربکم . ای القران المجید"

"اور جو تم لوگوں کے رب کی طرف سے اتارا گیا۔ یعنی قرآن مجید" (روح المعانی)

اور آیت:

"ولو انھم اقاموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیھم من ربھم" کے ذیل میں

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

"وماانزل الیھم من ربھم من القرآن المجید المصدق " مابین یدیه کما روی عن ابن عباسؓ واختاره الجبائی وغیره "

"اور جو لوگوں کی طرف ان کے رب کی طرف سے اتارا گیا۔ یعنی قرآن مجید جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کیا گیا ہے اور جسے جبائی وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔"

رہا سوال کہ قرآن "اہل کتاب کی طرف اتاری ہوئی کتاب" کہا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اس کے لیے قرآن کریم کی وہ آیتیں جن میں اہل کتاب کو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا مخاطب قرار دیا گیا کافی ہیں۔

"یا اھل الکتٰب قدجاء کم رسولنا یبین لکم علی فترۃ من الرسل "۔ (المائدہ:۱۹)

"اے اہل کتاب! رسولوں کا سلسلہ ایک مدت تک منقطع ہونے کے بعد تمہارے پاس ہمارے رسول آ گئے ہیں جو تمہارے سامنے بیان کر رہے ہیں":

"یا اھل الکتٰب قدجاء کم رسولنا یبین لکم کثیراً مما کنتم تخفون من الکتٰب ویعفوا عن کثیر قدجاء کم من اللہ نور و کتاب مبین O" (المائدہ:۵)

"اے اہل کتاب! تمہارے پاس آ گئے ہیں ہمارے رسولؐ جو تمہارے سامنے کتاب اللہ کی بہت سی ان باتوں کو بیان کر رہے ہیں جن کو تم چھپائے ہوئے تھے، اور بہتیری باتوں سے درگذر فرماتے ہیں، بیشک اللہ کی طرف سے روشن اور کھلی ہوئی کتاب آ چکی ہے"۔

بہر حال! اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل کتاب بھی رسالت محمدیؐ اور قرآن کریم کے مخاطب ہیں، اس لیے "توراۃ وانجیل" کی طرح قرآن پاک بھی وہ کتاب ہے جو ان کی طرف اتاری گئی ہے، رہا یہ سوال کہ توارۃ وانجیل کا تذکرہ نام لے کر کیا گیا اور قرآن پاک کو نام لے کر نہیں بلکہ "ماانزل الیکم من ربکم " کے عنوان سے ذکر کیا گیا تو دراصل قرآن کی بلاغت کا یہ بھی ایک نمونہ ہے، صورت حال یہ تھی کہ اہل کتاب میں سے یہودی تورات کو اپنی کتاب اور عیسائی انجیل کو اپنی کتاب سمجھتے تھے "قرآن" کا مخاطب وہ اپنے کو سمجھتے ہی نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں قرآن کو نام لے کر نہیں، بلکہ اس عنوان سے ذکر کیا کہ "وہ کتاب جو تمہاری طرف نازل کی گئی تمہارے رب کی جانب سے"۔ اس طرح ایک تو ان کے فاسد عقیدہ کی جڑ کاٹ دی گئی کہ قرآن پاک ہمارے

لیے نہیں نازل ہوا ہے اور دوسری طرف ان کے ذہنوں میں قرآن پاک سے جو اجنبیت اور دوری تھی اسے بھی دور کیا گیا کہ یہ کتاب تو تمہارے رب نے نازل کی ہے۔ اس کتاب سے غیروں جیسا برتاؤ کیوں کرتے ہو۔ چنانچہ خود اس آیت کے نزول کے سلسلے میں جو شان نزول کتب تفسیر میں مروی ہے اسے ملاحظہ کیا جائے تو بات اور صاف ہو جاتی ہے۔

"قد اخرج ابن اسحٰق وابنِ جریر وغیرهما عن ابن عباس رضی الله عنهما قال جاء رافع بنِ حارثه وسلام بن مشکم ومالک بن السیف ورافع بن حریملة فقالوا یا محمدؐ الست تزعم انک علی ملة ابراهیم ودینه وتومن بما عندنا من التوراة وتشهد انها من الله حق ؟ فقال النبی صلی الله علیه وسلم بلی ولکنکم احد ثتم وقدتم مافیها مما اخذ الیکم من المیثاق و کتمتم منها مامرتم ان تبینوا للناس فبرئت من احداثکم . قالوا فانا فاخذبما فی ایدینا فنحن علی الهدیٰ والحق ولا تومن بک ولا نتبعک فانزل الله تعالیٰ فیهم "قل یا اهل الکتٰب لستم علی شئی ". (روح المعانی، البحر المحیط)

"ابن اسحٰق، ابن جریر وغیرہ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رافع ابن حارثہ سلام ابن مشکم، مالک بن سیف وغیرہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: اے محمدؐ! کیا آپ کا ایسا خیال نہیں ہے کہ آپ ملت ابراہیمی اور دین ابراہیمی پر ہیں، اور آپ تو ہماری کتاب توراۃ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے اللہ کی طرف سے حق ہونے کی گواہی دیتے ہیں، حضورؐ نے فرمایا کیوں نہیں، لیکن تم لوگوں نے اپنے جی سے نئی نئی باتیں پیدا کر لیں، اور توارت میں جو تم سے معاہدہ لیا گیا تھا اس سے انکار کر بیٹھے، اور توراۃ کے جن احکام کو لوگوں کے سامنے بیان کرنے کا تم کو حکم دیا گیا تھا تم اسے چھپا بیٹھے، تو تمہاری ان جدتوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے، تو ان لوگوں نے کہا کہ پھر ہم تو اسی کتاب پر قایم رہیں گے جو ہمارے پاس ہے، اس لیے کہ ہم لوگ ہدایت اور حق پر ہیں، ہم نہ آپ پر ایمان لائیں گے اور نہ آپ کی پیروی کریں گے، تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں یہ آیت اتاری کہ "اے اہل کتاب! جب تک تم توراۃ وانجیل اور قرآن یعنی اللہ کی طرف تمام اتاری ہوئی کتابوں کا حق ادا نہیں کرو گے تم کسی معتبر دین پر قائم نہیں مانے جاؤ گے۔

غرض یہ کہ آیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک پر ایمان اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کی پیروی کا حکم دینے آئی ہے، نہ کہ اطاعت محمدیؐ اور اتباع قرآن سے

اہل کتاب کو آزاد کرائے۔

دوسرا حصہ

ابھی تک جو کچھ تحریر کیا گیا وہ ان دلائل کا جواب تھا جو ابوالمجاہد انوار عالم صاحب نے پیش کیے ہیں، میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اصل مسئلہ کی وضاحت کتاب وسنت کی روشنی میں ہونی چاہئے۔ تاکہ جو گرہیں ذہن میں پڑی ہوئی ہیں وہ کھل جائیں۔

کیا ایمان باللہ کافی ہے؟

اگر کوئی شخص اللہ کے وجود، اس کے علم، اس کی قدرت، یعنی اس کی ذات اور اس کی تمام صفات پر ایمان کا اظہار کرے، لیکن رسولوں کی رسالت کا انکار کرے تو کیا وہ مومن اور مسلم کہلائے گا؟ اور کیا وہ نجات اور فلاح اخروی پائے گا؟ قرآن پاک اس سوال کا جواب نفی میں دیتا ہے۔ قرآن اسے برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے کہ اللہ پر ایمان لایا جائے اور رسول کا انکار کیا جائے۔ اسی طرح وہ رسول پر نازل کی ہوئی کتاب پر، فرشتوں پر اور آخرت کے دن پر بھی ایمان کا مطالبہ کرتا ہے۔

"یایھا الذین امنوا امنوا باللہ ورسولہ والکتب الذی نزل علی رسولہ والکتب الذی انزل من قبل ومن یکفر باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر فقد ضل ضلالا بعیداO" (نساء:۱۳۶)

> "اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے رسول پر نازل کی ہے اور اس کتاب پر جسے اللہ نے اس سے پہلے اتارا ہے، اور جس نے اللہ کا اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا، اس کے رسولوں کا اور آخرت کے دن کا انکار کیا وہ سخت گمراہی میں پڑ گیا۔"

اور سورہ نساء ہی میں دوسری جگہ فرمایا گیا:

ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلاط اولئک ھم الکفرون حقاً واعتدنا للکفرین عذابا مھینا Oوالذین امنوا باللہ ورسلہ ولم یفرقوا بین احد منھم اولئک سوف یؤتیھم اجورھم وکان اللہ

غفوراً رحیماًO" (نساء: ۵۲-۵۱-۵۰)

"جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور یوں چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان میں فرق رکھیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعضوں پر ایمان لائے ہیں اور بعضوں کے منکر ہیں، اور یوں چاہتے ہیں کہ بین بین ایک راہ تجویز کریں۔ ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں، اور کافروں کے لیے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے سب رسولوں پر بھی اور ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے، ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ضرور ان کا ثواب دیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت اور رحمت والے ہیں۔"

معلوم ہوا کہ نجات کے لیے اللہ تعالیٰ پر ایمان کے ساتھ ساتھ اس کے تمام ہی رسولوں پر ایمان ضروری ہے اور دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ رسولوں میں سے کسی پر ایمان لانا اور کسی کا انکار کرنا کفر ہے۔ قرآن کریم کی متعدد صریح آیتوں سے یہ حکم قطعی طور پر ثابت ہے۔ اسی طرح احادیث میں بھی ایمان کے متعدد اجزاء کا ذکر واضح الفاظ میں کیا گیا ہے۔ مشہور حدیث، حدیث جبرئیلؑ میں ایمان کی تشریح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمائی ہے:

"ان تؤمن باللہ وملئکتہ ورسلہ وکتبہ والیوم الاٰخر وتومن بالقدر خیرہ وشرہ" (بخاری ومسلم)

"ایمان لانا اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور بھلی بری تقدیر پر ایمان رکھنا۔

اللہ اور رسول کی اطاعت

جس طرح اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح اللہ اور رسول دونوں کی اطاعت بھی ضروری ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ رسول کا کوئی حکم اللہ کی پسند کے خلاف نہیں ہوتا۔ اس لیے اللہ کی فرمانبرداری میں رسول کی اطاعت اور رسول کی فرمانبرداری میں اللہ کی اطاعت ہے، اسی لیے قرآن کریم میں متعدد جگہ اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم ساتھ ساتھ دیا گیا۔

(۱) "قل اطیعوا اللہ والرسول"۔ (آل عمران: ۳۲)

آپ کہہ دیجئے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی۔

(۲) "واطیعوا اللہ والرسول لعلکم ترحمون O" (آل عمران: ۱۳۲)

اور اطاعت کرو اللہ ورسول کی تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

(۳) "اطیعو االله و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم "(نساء:۶۹)

اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اولوالامر کی۔

(۴) "ومن یطع الله والرسول فاولئک مع الذین انعم الله علیهم "۔(نساء:۶۹)

جو اللہ ورسول کی اطاعت کرتے ہیں وہی ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا۔

(۵) "ومن یطع الرسول فقد اطا ع الله "۔(نساء:۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی تو بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

(۶) "و اطیعوا الله و اطیعوا الرسول "۔(مائدہ:۹۲)

اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی

(۷) "قل اطیعو االله و اطیعو الرسول ".(نور:۵۴)

آپ کہہ دیجئے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی

(۸) "و اطیعو االرسول لعلکم ترحمون ○"(نور:۵۶)

اور اطاعت کرو رسول کی تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

(۹) "و اطیعو االله و اطیعو الرسول و لاتبطلو ااعمالکم"۔(محمد:۳۳)

اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے کئے دھرے کو برباد مت کرو۔

(۱۰) "اطیعو االله و اطیعو الرسول "۔(تغابن:۱۲)

اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی

رسول کی اطاعت سے انکار

اس طرح کی متعدد آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے رسولؐ کی اطاعت کو ضروری اور اس کی اطاعت میں اپنی اطاعت کو مضمر قرار دیا ہے، بلکہ رسولؐ کی نافرمانی پر امتیں سخت عذاب میں گرفتار ہوئی ہیں۔

(۱) "فعصوا رسول ربهم فاخذهم اخذة رابية ."(الحاقہ:۱۰)

انہوں نے اپنے رب کے رسول کا کہنا نہ مانا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سخت پکڑا۔

(۲) ''فعصیٰ فرعون الرسول فاخذناه اخذاو بیلاo'' (مزمل:١٦)

پھر فرعون نے ان رسولوں کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اس کو سخت پکڑنا پکڑا۔

(۳) ''ومن یعص الله ورسوله ویتعدحدوده یدخله ناراً خالداً فیها ''۔(نساء:١٤)

اور جو نافرمانی کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی اور اس کے حدود سے تجاوز کرے گا، اللہ اسے جہنم میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

(۴) ''ومن یعص الله ورسوله فقد ضل ضلالاً مبینا o'' (احزاب:٣٦)

اور جس نے اللہ ورسول کی نافرمانی کی وہ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑ گیا۔

(۵) ''ومن یعص الله ورسوله فان له نار جهنم خالدین فیها ابداً.'' (جن:٢٣)

اور جو نافرمانی کرے اللہ ورسول کی تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

غرض یہ کہ رسول کی اطاعت سے انکار دراصل اسے جھٹلانے کے مرادف ہے، اسی لیے ''کفر'' ہے اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب کا باعث ہے اور ایسے لوگ جہنم کے مستحق ہیں۔ ہاں! جو لوگ رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ بے شک ہدایت پر ہیں اور نجات پانے والے لوگ ہیں۔

(۱) ''وان تطیعوه تهتدوا''. (نور:٥٤)

اور اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔

(۲) ''ومن یطع الله ورسولهٗ فقد فاز فوزاً عظیماo'' (احزاب:٧١)

اور جو اللہ ورسول کی اطاعت کرے گا تو بڑی کامیابی حاصل کرے گا۔

(۳) ومن یطع الله ورسولهٗ یدخله جنٰت تجری من تحتها الانهار ''۔(فتح:١٧)

اور جو اللہ ورسول کی اطاعت کرے گا تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا، جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ رسولؐ جو دیں اسے لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔

''ما اتاکم الرسول فخذوه ومانهٰکم عنه فانتهوا ''۔(حشر:٧)

اور رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو، اور جن چیزوں سے تم کو روک دے تم رک جایا کر جاؤ۔

منصب رسالت کالازمی تقاضہ

اور حقیقت یہ ہے کہ منصب رسالت کالازمی تقاضہ یہ ہے کہ اس کی بات مانی جائے ورنہ کسی رسولؐ کی رسالت پر ایمان اور پھر اس کی اطاعت سے انکار، یہ ایمان وتصدیق نہیں بلکہ انکار وتکذیب ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے تو رسول اسی لیے بھیجا ہے کہ اس کی بات مانی جائے۔

"وماارسلنا من رسول الا لیطاع باذن الله"۔(نساء:٦٤)

اور ہم نے کوئی بھی رسول اسی لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے ان کی اطاعت کی جائے۔

اور ایمان کا تقاضہ کیا ہے؟ اسے قرآن پاک نے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔

"انما کان قول المؤمنین اذا دعوا الی الله ورسوله لیحکم بینهم ان یقولوا سمعنا واطعنا"۔(نور:٥١)

"جب اہل ایمان کو اللہ ورسول کی طرف بلایا جائے تا کہ وہ ان کے مابین فیصلہ کردے تو اہل ایمان کا بول تو یہ ہوتا ہے کہ ہم نے سنا اور ہم نے بات مان لی"۔

رسولؐ کی اطاعت سے گریز حبط عمل کا ذریعہ

اور یہ بھی واضح فرمادیا گیا کہ رسولؐ کی اطاعت سے انکار تمہارے کیے ہوئے اچھے اعمال کو بھی برباد کردینے والی چیز ہے، یعنی عمل صالح کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا، اور رسولؐ کی اطاعت سے ہٹ کر جو عمل بھی کیا جائے گا وہ باطل اور ضائع قرار پائے گا۔ پس معلوم ہوا کہ عمل وہی صالح ہے جو احکام رسولؐ کے مطابق ہو، ورنہ رسول کی اطاعت سے انکار کر کے اس خوش فہمی میں مبتلا رہنا کہ ہم عمل صالح کر رہے ہیں بڑے دھوکہ کی بات ہے۔

"ان الذین کفروا وصدوا عن سبیل الله وشاقوا الرسول من بعد ما تبین لهم الهدیٰ لن یضروا الله شیئاؕ وسیحبط اعمالهم ○ یٰآیها الذین اٰمنوا اطیعوا الله واطیعوا الرسول ولاتبطلوا اعمالکم"۔(محمد:٣٢۔٣٣)

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، اور اللہ کے راستہ سے روکا اور رسولؐ کے خلاف کیا، اس کے بعد کہ ان کے سامنے ہدایت واضح ہو چکی ہے، وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اللہ ان کے سارے اعمال کو ضائع کر دے گا۔ اے ایمان والو! تم اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔

رسالت پر ایمان کا تقاضہ

جیسا کہ معلوم ومعروف ہے ''ایمان'' کے معنی دل سے کسی بات کو سچا ماننے کے ہیں اور اس قلبی تصدیق کے نتیجہ میں زبان سے اس صداقت کا اعتراف بھی ہونا چاہئے، اور اس صداقت کے تقاضوں کو اعمال میں بھی نمایاں ہونا چاہئے۔ پس رسولؐ کی رسالت پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسے دل سے اللہ کا پیغمبر مانتا ہے، وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ رسول کے منہہ سے نکلی ہوئی ہر بات سچی ہے۔ اس کا ہر حکم واجب الاطاعت ہے۔ اس کی لائی ہوئی شریعت حق ہے، جس چیز کو وہ ذریعہ نجات بتائے وہ ذریعۂ نجات ہے، اور جس چیز کو وہ ذریعۂ عذاب بتائے وہ ذریعۂ عذاب ہے۔

پس رسولؐ کی تمام باتوں کو دل سے سچا تسلیم کرنا، زبان سے اس سچائی کا اعتراف کرنا اور عملاً اس کے احکام کی اطاعت وفرماں برداری کو ضروری جاننا، یہ ہے رسولؐ پر ایمان۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی یہ کہے کہ میں آپؐ کو ''رسول برحق'' تو مانتا ہوں، لیکن آپؐ کی فرماں برداری کو ضروری نہیں جانتا، اور آپؐ کی شریعت میں نازل احکام سے میں مستثنیٰ ہوں، اگر کوئی ایسا کہے تو دراصل وہ رسالت کا ہی منکر ہے، اور ایسے لوگوں کو صاحب ایمان نہیں کہا جا سکتا۔ چنانچہ قرآن پاک نے اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ کوئی ہزار زبان سے اللہ ورسولؐ پر ایمان کا اعتراف کرے، لیکن اگر وہ اطاعت سے انکار کرے گا تو مومن نہ رہے گا۔

''ویقولون اٰمنا باللہ وبالرسول واطعنا ثم یتولیٰ فریق منھم من بعد ذالک وما اولٰئک بالمؤمنینO'' (نور:۴۷)

''اور کہتے ہیں یہ لوگ کہ ہم اللہ پر اور رسولؐ پر ایمان لے آئے اور ہم نے بات مان لی، پھر ان میں سے کچھ لوگ اس اقرار کے بعد اطاعت سے منہہ موڑتے ہیں اور ایسے لوگ ایمان والے نہیں ہیں۔''

اور اسی طرح ایسے لوگوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو برأت کا اظہار کرنے کا حکم دیا

گیا۔ جو حضور کی اتباع سے انکار کریں اور آپ کی نافرمانی کا ارتکاب کریں۔

"واخفض جناحک لمن اتبعک من المؤمنین فان عصوک فقل انی بریٔ مما تعملونo" (الشعراء:۲۱۶)

"اور آپ ان لوگوں کے ساتھ (مشفقانہ) فروتنی کے ساتھ پیش آیئے جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلیں، اور اگر یہ لوگ آپ کا کہنا نہ مانیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے افعال سے بیزار ہوں۔

اور اسی لیے قرآن کریم نے "نجات" کے لیے منجملہ اور باتوں کے رسول کی اطاعت کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔

"ومن یطع الله ورسوله ویخش الله ویتقه فاولٰئک هم الفائزونo" (نور:۵۲)

اور جو اطاعت کریں اللہ ورسول کی اور ڈریں اللہ سے اور تقویٰ اختیار کریں۔ پس ایسے لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

اور ہدایت بھی نبی کی اطاعت اور ان کی اتباع پر ہی موقوف ہے۔

"وان تطیعوه تهتدوا". (نور:۱۴)

اور اگر تم اس کی (رسول کی) اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔

یاابت قدجاء نی من العلم مالم یاتک فاتبعنی اهدک صراطاً سویّاًo" (مریم:۴۳)

(ابراہیم علیہ السلام اپنے والد سے کہتے ہیں) ابا جان! میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا ہے۔ پس میری اتباع کیجئے میں آپ کو سیدھی راہ دکھاؤں گا۔

بہر حال مذکورہ بالا آیات کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ ایمان اور اتباع واطاعت رسول ایک دوسرے کے ساتھ ایسا گہرا تعلق رکھتے ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے کبھی علاحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لیے علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں بعض بزرگوں سے یہ قول نقل کیا ہے کہ:

"قال بعض الاجلة الاتباع والایمان تؤمان". (جلد:۱۹/۱۳۶)

بعض بڑوں نے کہا ہے کہ "اتباع" اور "ایمان" جوڑواں بھائی ہیں۔

یعنی اتباع اور ایمان دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم ہیں۔ پس ہر مومن کے لیے اتباع رسول ضروری ہے۔ اطاعت اور اتباع سے انکار کے بعد ایمان باقی نہیں رہ سکتا۔

نبوت اور ختم نبوت

کائنات کے ہر گوشہ میں، ہر قرن، ہر ملک اور ہر قوم میں اللہ کی طرف سے نبی اور رسول آتے رہیں، ہر ایک نے اپنی قوم اور امت کو ہدایت کا راستہ دکھلایا اور تبلیغ کا فریضہ انجام دیا، کچھ نے ان کو مانا اور کچھ نے انکار کیا۔ اللہ کے یہ سارے پیغمبر ایک ہی پیغام لے کر آئے تھے اور وہ تھا ''توحید کا پیغام'' اللہ کی خالقیت اور اس کی حاکمیت کا اعلان اور وہ یہ کہ اس کی پسند اور اس کی مرضی کے مطابق زندگی گذار کر ہی انسان نجات پا سکتا ہے، ہر انسان خدا کے سامنے جواب دہ ہے، یوم آخرت حساب کا دن ہوگا جہاں انسان اپنے اچھے برے کاموں کی جوابدہی کرے گا اور ثواب یا عقاب کا مستحق ہوگا۔ ہر رسول نے یہ اور اس طرح کی دوسری بنیادی حقیقتوں کی طرف دعوت دی، اور ساتھ ہی ساتھ ہر دور کے انسانوں سے اپنی رسالت اور جب بھی اللہ کی طرف سے کوئی رسول آئے تو اس کی رسالت پر ایمان کا مطالبہ کیا۔ یہ وہ بنیادی حقائق ہیں جو تمام ہی انبیاءؑ کے پیغام میں مشترک ہیں۔ البتہ ان میں جو ''صاحب شریعت'' رسول گذرے ہیں ان کی لائی ہوئی شریعتوں کے احکام میں مختلف دور اور مخصوص تقاضوں کی بنا پر کچھ نہ کچھ فرق بھی رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر دور کے مناسب حال احکام اپنے رسولوں پر نازل فرمائے۔

انبیاء کے ذریعہ جو پیغام امت کو ملتا رہا اس میں ان کو عصبیت جاہلیہ اور ایسی گروہ بندی سے ہمیشہ روکا جاتا رہا، جس میں کوئی قوم اپنی شریعت کے مخصوص احکام پر محض اس لیے ضد کرے کہ یہ تو ہمارے باپ دادا کا مذہب ہے، نبی اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ یہ دیکھو کہ جو احکام آج تمہیں دیئے جا رہے ہیں وہ تمہارے رب کی طرف سے آئے ہوئے برحق احکام ہیں یا نہیں۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی سابق نبی پر اس دور کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کسی چیز کو حلال اور کسی چیز کو حرام قرار دیا ہو اور آج کا نبی جو شریعت لے کر آرہا ہے اس میں خدا کی حکمت بالغہ نے پچھلے حلال کو حرام یا پچھلے حرام کو حلال قرار دیا ہو۔ پس محض اس لیے کہ میرے باپ دادا کے دین میں ایسا حکم نہیں ہے، ہم نہیں مانیں گے۔ صحیح طریقہ نہیں ہے، اسے ضرور جانچو اور پرکھو کہ دعوت دینے والا سچا نبی ہے یا نہیں۔ اس کی نبوت اور رسالت جب تمہارے نزدیک صحیح ثابت ہوئی تو اب تمہارے لیے محض اس لیے کہ اس کی شریعت کے احکام کچھ سابق شریعت سے بدلے ہوئے ہیں، اس کی شریعت سے انکار

کی کوئی گنجائش نہیں۔

ہاں! آخر میں ایک ایسا پیغمبر آیا جو مکمل دین کا حامل ہے اور جس کی شریعت بھی کامل اور جامع ہے، جو تمام پچھلی کتابوں اور پچھلے نبیوں کی تصدیق کرتا ہے، ان کا خلاصہ اور عطر ہے، پچھلی کتابوں کا محافظ ہے، وہ ایسی کامل شریعت لے کر آیا ہے جس کے بنیادی قواعد واصول ہر عہد، ہر قرن، ہر امت اور ہر قوم کے مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اسی لیے پچھلی تمام نبوتیں اپنے حلقۂ کار اور زمانے کے اعتبار سے محدود تھیں، لیکن اب جو نبی آیا ہے، وہ اپنی جامع شریعت اور مکمل پیغام کے ذریعہ پورے عالم کو مخاطب کرتے آیا ہے، کائنات انسانی کا ہر فرد اور اس کے نزول کے زمانے سے قیامت تک ہر قرن اور ہر عہد کے لیے اس کی دعوت عام ہے، اسی لئے اب اس کے آنے کے بعد عرب ہوں یا عجم، ایشیاء کے لوگ ہوں یا یورپ کے بنو اسرائیل ہوں یا بنو اسماعیل، سامی نسل کے لوگ ہوں یا غیر سامی نسل کے، سبھی اس کی امت میں داخل ہیں اور سبھی اس کی دعوت کے مخاطب ہیں، کسی کے لیے اس پر ایمان لائے بغیر اور اس کی لائی ہوئی شریعت پر چلے بغیر نجات کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا.........

............یہ کوئی تعصب اور تنگ نظری کی بات نہیں ہے، اس لیے کہ وہ تو تمام نبیوں کی تصدیق کرتا ہے، پہلی قوموں اور مختلف انبیاء پر ایمان رکھنے والی امتوں نے اپنے نبیوں کی شریعت اور ان کے لائے ہوئے دین کو اپنی خواہشات نفس اور تحریف وتبدیل کا نشانہ بنا کر جس طرح انبیاء کی حقیقی تعلیمات کو ضائع کر دیا تھا۔ اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ انسانیت کی اس گم شدہ پونجی اور اس کے ضائع کیے ہوئے اس سرمایہ کو دوبارہ انسانوں کے ہاتھوں میں واپس کرنے کے لیے پھر کوئی رسول آئے۔ چنانچہ یہ رسول آئے اور انہوں نے دنیا کے سارے انسانوں کو وہ قیمتی متاع پورے احتیاط کے ساتھ واپس فرمائی جسے انہوں نے اپنی بدعملی سے ضائع کر دیا تھا، اور یہ رسولؐ بلاشبہ ایک نئی مگر کامل شریعت لے کر آئے جس میں پچھلے نبیوں کی لائی ہوئی شریعت کے بہت سے احکام بعینہٖ باقی رکھے گئے ہیں اور بعض وہ احکام جو پچھلی شریعتوں میں عارضی حالات کی بنیاد پر مشروع کیے گئے تھے، اس ابدی شریعت میں ان کی جگہ نئے احکام دیئے گئے ہیں، اور یہ احکام بھی اسی خدا نے دیئے ہیں جس نے پہلے احکام دیئے تھے۔ پس اس کامل شریعت کی طرف دعوت،

تعصب اور تنگ نظری نہیں، بلکہ ''حق'' کی طرف دعوت ہے۔ ہاں! اس رسولؐ کے آجانے کے بعد بھی اپنی ان محرف شریعتوں پر (جنہیں دین موسیٰؑ یا دین عیسیٰؑ کہنا بھی ممکن نہیں ہے) محض اس لیے اڑے رہنا اور اس ''کامل شریعت'' پر محض اس لیے ایمان نہ لانا کہ عرب کے بدوؤں کے درمیان پیدا ہونے والے بکری کے چرواہے اور اسماعیلؑ کی اولاد پر ہم کیسے اسلام لے آئیں؟ کہ ہم تو ہمیشہ سے انبیاءؑ کی اولاد اور اللہ کے خاص فضل وکرم کا مورد رہے ہیں۔ یہ ہے حقیقت میں تعصب، نسل پرستی اور ضد و عناد جسے قرآن پاک نے بار بار برا کہا ہے۔

ہاں! تو یہ رسول جو سب کے آخر میں آیا اور جامع و کامل شریعت لے کر آیا، اسے خاتم النبین قرار دیا گیا کہ ''اکمال دین'' اور ''اکمال شریعت'' اور ''اتمام نعمت'' کے بعد .... اب کسی نئے نبی کی ضرورت ہی باقی نہ رہی، اسی لیے وہ شخص جو اس رسولؐ سے پہلے آنے والے کسی رسول کا انکار کرے وہ کافر ہے اور اسی طرح جو اس رسول کے آجانے کے بعد کسی ''مدعی نبوت'' کو رسولؐ مانے وہ بھی کافر ہے، یہی وجہ ہے کہ پچھلے تمام نبیوں سے آنے والے نبی پر ایمان لانے اور اس کی نصرت کرنے کا عہد لیا گیا اور اس آخری نبی کی امت سے اس نبی پر اور اس سے پہلے کے انبیاء پر ایمان لانے کو ضروری قرار دیا گیا۔

قرآن پاک ابنیاء سے لیے گئے اس معاہدہ کا ذکر کرتا ہے جس میں ان سے آنے والے رسول پر ایمان لانے اور ان کی نصرت کرنے کا وعدہ لیا گیا ہے اور اس رسولؐ کی خاص علامت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ پچھلے نبیوں کے لائے ہوئے دین کی تصدیق کرے گا۔

''واذاخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتمو کم من کتاب وحکمۃ ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتومنن بہ ولتنصرنہٗ قال أاقررتم واخذتم علیٰ ذالکم اصری قالوا اقررنا قال فاشھدوا وانا معکم من الشاھدین O'' (آل عمران:۸۱)

''اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے عہد لیا انبیاء سے کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور علم دوں، پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو مصدق ہو اس کا جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس پر اعتقاد بھی لانا اور اس کی طرف داری بھی کرنا۔ فرمایا کہ کیا تم نے اقرار کیا؟ اور اس پر میرا عہد قبول کیا؟ وہ بولے ہم نے اقرار کیا۔ ارشاد فرمایا تو گواہ رہنا، اور میں اس پر تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔''

اور ظاہر ہے کہ انبیاءؑ سے آنے والے رسولؐ کی تصدیق کا وعدہ لینا دراصل ان انبیاء کی

امتوں سے وعدہ لینا ہے، جیسا کہ قرآن کریم کا عام اسلوب ہے۔اس لیے حقیقۃً مفہوم اس معاہدہ کا یہ ہے کہ خود نبی یا اس کی امت میں سے جو کوئی بھی آنے والے نبی کا زمانہ پائے اسے اس پر ایمان لانا چاہئے۔ یہ ہے وہ معاہدہ جو پچھلی تمام امتوں میں آنے والے پیغمبروں سے لے لیا گیا تھا۔اب اگر کوئی (چاہے وہ کسی نبی کی امت کا فرد ہو) اس آنے والے نبی پر ایمان لانے سے انکار کرے تو وہ نافرمانی کہلائے گا۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"فمن تولیٰ بعد ذالک فاولئک هم الفاسقون O" (آل عمران:۸۲)

"پس جو اس معاہدہ کے بعد منہ پھیرے تو یہی لوگ فاسق اور نافرمان ہیں۔"

بلکہ اس نبی کے آجانے کے بعد اس پر ایمان نہ لانا اور اس کے دین پر نہ چلنا دراصل خدا کے دین سے انکار کے مرادف ہے۔اس لیے کہ اب تو اللہ کا دین وہی ہے جس کو یہ رسول لے کر آیا ہے، اور جسے وہ اللہ کا دین بتاتا ہے۔اسی لیے آگے فرمایا گیا ہے:

"افغیر دین اللہ یبغون ولہٗ اسلم من فی السمٰوٰت والارض طوعاو کرھاوالیہ یرجعون O" (آل عمران:۸۳)

"تو (اس طرح روگردانی کرکے) کیا وہ اللہ کے دین کے علاوہ کسی دوسرے دین کے متلاشی ہیں، حالاں کہ اس خدا کے سامنے آسمان وزمین کی ہر چیز "طوعاو کرہا" سرنگوں ہے، اور اسی کی طرف سب لوگ لوٹائے جائیں گے۔"

اور اس آیت کے بعد اس رسول کی زبان سے، پھر اس حقیقت کا اظہار کرایا گیا کہ ہم جو دین لے کر آئے ہیں اس کی بنیاد نسلی، علاقائی، یا لسانی عصبیت پر نہیں، بلکہ ہمارا ایمان اللہ کے بھیجے ہوئے اس عالمگیر پیغام پر ہے جو مختلف عہد میں دنیا کے ہر گوشہ میں اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نبیوں پر نازل ہوا، اور ہم خدا تعالیٰ کے فرمان بردار بندے ہیں۔

"قل اٰمنا باللہ وما اُنزل علینا وماانزل علیٰ ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ والنبیون من ربھم لا نفرق بین احدمنھم ونحن لہٗ مسلمونO" (آل عمران:۸۴)

"آپ فرمادیجئے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور اس پر جو ابراہیم واسمٰعیل، اسحٰق ویعقوبؑ اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور اس پر ایمان لائے جو موسیٰ، عیسیٰ اور دوسرے انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا۔

ہم ان کے مابین کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم تو اس خدا کے فرمانبردار بندے ہیں۔"

یعنی بنو اسمٰعیل یا بنو اسرائیل کے جھگڑوں سے بلند تر حق و صداقت پر مشتمل دین کی دعوت لے کر ہم آئے ہیں اور اس دین کا نام اسلام ہے۔ اب جو کوئی اس اسلام کو چھوڑ کر کسی اور دین کی تلاش کرے گا، وہ ہرگز خدا کے یہاں قبول نہیں کیا جائے گا۔

"ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منه وهو فی الأخرة من الخاسرین O"

"اور جو اسلام کو چھوڑ کر کسی اور دین کو طلب کرے گا تو وہ ہرگز اس سے قبول نہیں کیا جائے، اور وہ آخرت میں خسارہ والوں میں سے ہوگا۔"

رسالت محمدیؐ کا عموم

پس ہر سابق نبی سے آنے والے نبی پر ایمان کا عہد لے کر یہ بات واضح کردی گئی کہ یہ آخری رسول جو آئے ہیں یہ وہ ہیں جن پر ایمان لانے کا وعدہ ہر زمانہ اور ہر ملک میں ہر امت اور ہر قوم سے ان کے نبیوں کی معرفت لیا جاچکا ہے۔ اب جو یہ آخری نبیؐ آئے ہیں یہ کسی ایک کے لیے خاص نہیں سب کے لیے آئے ہیں۔ قرآن پاک کہتا ہے۔

"وارسلنک للناس رسولاً وکفی باللہ شھیداً O" (نساء:۷۹)

اور ہم نے آپ کو سارے انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا اور اللہ کی شہادت کافی ہے۔"

دوسری جگہ فرمایا گیا: "آپ سارے انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجے گئے ہیں، جس میں کسی ملت، کسی قوم اور کسی عہد کا استثنٰی نہیں ہے

"وماارسلنک الا کآفة للناس بشیراً ونذیراً"۔ (سبا:۲۸)

اور ہم نے تو آپ کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

اور دوسری جگہ تو یہ فرمایا گیا کہ "جس طرح اللہ تعالیٰ کی ربوبیت تمام عالم اور پوری کائنات کے لیے عام ہے۔ اسی طرح اس رسول کی رحمت اور آپ کی دعوت و تبلیغ کا میدان بھی تمام عالم اور پوری کائنات کو شامل ہے۔"

"وما ارسلنک الا رحمة للعالمین O" (انبیاء:۱۰۷)

اور ہم نے تو آپ کو تمام عالم (اور پوری کائنات) کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

"تبارک الذی نزل الفرقان علی عبده لیکون للعالمین نذیراً o" (فرقان:۱)

"برکت والی ہے وہ ذات جس نے حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب (قرآن مبین) نازل کیا، تا کہ وہ تمام عالم کے لیے "نذیر" ہو۔

اور زبانِ رسالت سے یہ اعلان کرایا گیا:

قل یآ یھاالناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً "۔ (اعراف:۱۵)

"آپ فرما دیجئے کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں"۔

"قل یا ایھاالناس انی لکم نذیر مبین o" (حج)

"آپ فرما دیجئے کہ اے انسانو! میں تم لوگوں کے لیے کھلا ہوا "نذیر" ہوں۔"

پس یہ آخری دستور کسی خاص نسل، روپ یا رنگ کا دستور نہیں، پوری عالم انسانیت کی مشترکہ پونجی ہے، کسی کا ذاتی اثاثہ نہیں ہے اور ہدایت اور نجات کے لیے اس کتاب پر حقیقی ایمان اور اس دین خداوندی کے بتائے ہوئے "اعمال صالحہ" بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، ہر طرح کی نسلی اور علاقائی برتری کا تصور مہمل اور بیکار ہے۔

"لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتٰب "

"نہ تمہاری آرزوؤں سے کچھ ہوگا اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں سے۔"

یعنی کسی کی آرزوؤں اور مفروضہ خیالات سے کام نہیں چلے گا۔ قرآن پاک نے یہودیوں اور عیسائیوں کی اس نسل پرستی اور گروہ پرستی کو رد کرتے ہوئے متعدد جگہ پر ایمان اور عمل صالح کو نجات کی بنیاد قرار دیا ہے اور اسی لیے کہ اس آخری نبی پر ایمان کا حکم پچھلی تمام کتابوں میں دیا گیا ہے، اہل کتاب کو اللہ تعالیٰ نے بار بار تورات و انجیل کو کماحقہٗ پڑھنے، اس کی ہدایت پر عمل کرنے اور اس کے حکم کو نہ چھپانے کی ہدایت فرمائی کہ یہ لوگ جان بوجھ کر اس آخری نبیؐ کے دین کا انکار کر رہے تھے۔

ان آیتوں سے یہ سمجھنا کہ قرآن کریم نے رسالت محمدیؐ پر ایمان کو ضروری نہیں قرار دیا، یا یہ کہ اس آخری نبیؐ کے آنے کے بعد بھی اہل کتاب کو اس شریعت کی اتباع کے حکم سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے، ایسا سمجھنا پورے قرآن پاک میں پھیلی ہوئی تعلیماتِ الٰہی کے انکار کے مرادف ہے۔

نسخ کا مسئلہ

کوئی یہ سمجھتا ہو کہ آنے والی شریعت نے پچھلی شریعت کو منسوخ نہیں کیا اور کلام الٰہی میں نسخ کو ناجائز و نادرست سمجھتا ہو تو یہ شخص دراصل یہودیوں کی تائید کرتا ہے، جو سرے سے نسخ کے جواز کا انکار کرتے ہیں، دراصل یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اور پھر اللہ کے آخری پیغمبر کی شریعت کا انکار کر کے جس عظیم جرم کا ارتکاب کر چکے ہیں اس کے لیے وہ یہ کمزور سا بہانہ تلاش کرتے ہیں کہ نسخ کلام الٰہی میں اگر تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کے علم میں نقص تسلیم کیا جائے گا اور اسے ایسی ذات مانا جائے جو اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے آئندہ حالات پر نگاہ نہیں رکھتی اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں اللہ کی ذات سے بعید ہیں، اس لیے ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک شریعت میں کوئی ایک حکم دے اور پھر دوسری شریعت کے بعد اس کو بدل ڈالے۔ یا ایک ہی نبی کے ذریعہ پہلے کوئی ایک حکم دے اور پھر اس حکم کو بدل کر دوسرا حکم دیدے۔ یعنی نہ ایک شریعت کا دوسری شریعت سے نسخ جائز ہے اور نہ ایک شریعت میں ایک حکم منسوخ کر کے دوسرا حکم دینا جائز ہے۔ یہ ہے یہودیوں کا مسلک۔

جہاں تک علمائے اسلام کا تعلق ہے ان کا اس بات پر اجماع ہے کہ نسخ جائز اور درست ہے۔ ایک شریعت کا دوسری شریعت کے ذریعہ ہو یا ایک شریعت میں ایک حکم کی جگہ دوسرے حکم کا نازل ہونا، بلکہ علماء اسلام کا آج تک ہر دور میں اس بات پر اجماعی عقیدہ رہا ہے کہ پچھلی شریعتیں آنے والے نبی کے ذریعہ منسوخ ہوتی رہی ہیں، اور ''شریعت محمدیؐ'' شرائع سابقہ کے لیے ناسخ ہے، رہا یہودیوں کا یہ کہنا کہ نسخ اور احکام کی تبدیلی تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی ذات میں ناعاقبت اندیشی اور کوتاہ علمی کا عیب تسلیم کیا جائے تو ظاہر ہے کہ یہ ایک بڑا مغالطہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی وقت کسی امت کے مخصوص مزاج کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی حکمت بالغہ کے تقاضوں کے مطابق ایک حکم دیتا ہے اور وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ حکم کب تک قائم اور باقی رہے گا۔ اس کے علم میں جو مدت اس حکم کے باقی رہنے کی مقرر ہے جب وہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو وہ ایک نیا حکم دے کر اور پچھلے حکم کو منسوخ فرما کر یہ ظاہر فرما دیتا ہے کہ پہلے حکم کی مدت ختم ہو چکی۔ پس نسخ انسانوں کے لیے تو بے شک حکم کی تبدیلی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے علم کے اعتبار سے یہ محض کسی حکم

کے نفاذ کی مدت ختم ہو جانے کا اعلان ہے، نہ اللہ تعالیٰ کے علوم میں اس کی وجہ سے کوئی خامی پیدا ہوتی ہے اور نہ (العیاذ باللہ) اس کی ذات پر کوتاہ بینی اور ناعاقبت اندیشی کا الزام دھرا جاسکتا ہے۔ بلکہ یہ اس کی حکمت بالغہ کے انتہائی کمال کا ثبوت ہے۔

شریعت آدم کا نسخ

اور جیسا کہ عرض کیا گیا نہ صرف یہ کہ نسخ جائز و درست ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی مختلف شریعتوں میں یہ واقعہ موجود بھی ہے، مثلاً خود یہود و نصاریٰ اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بھائی کا نکاح حقیقی بہن سے جائز تھا، تاکہ خود اپنے جزو سے انتفاع کی مثال حضرت حوّا سے حضرت آدم علیہ السلام کے ازدواجی تعلق کی شکل میں موجود ہے، لیکن شریعت نوحؑ میں یہ حکم بدل دیا گیا، یعنی اب بھائی کے لیے اپنی بہن سے نکاح درست نہیں رہا۔ اس طرح شریعت نوح علیہ السلام نے شریعت آدم علیہ السلام کو منسوخ کیا۔

شریعت ابراہیمیؑ کا نسخ شریعت یعقوبؑ میں

اس طرح شریعت ابراہیمی میں اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ حلال تھا، لیکن حضرت یعقوبؑ کی ایک نذر کی وجہ سے یہ بنو اسرائیل پر حرام ہو گیا۔

(روایت حاکم وغیرہ بسند صحیح عن ابن عباسؓ بحوالہ روح المعانی، ترمذی فی تفسیر سورۃ الرعد مرفوعاً)

پس بحکم شریعت یعقوبؑ کی یہ نذر بنو اسرائیل پر تحریم کا ذریعہ بن گئی، اس طرح شریعت یعقوب میں یہ حرام ٹھہرا۔ قرآن کہتا ہے۔

کل الطعام کان حلالبنی اسرائیل الا ما حرم اسرائیل علی نفسہ من قبل ان تنزل التوراۃ قل فاتوا بالتورۃ فاتلوھا ان کنتم صادقین O" (آل عمران:۹۳)

(یہ) سارے ہی کھانے بنو اسرائیل کے لیے حلال تھے، سوائے اس کے جسے اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، تورات کے نزول سے پہلے۔ آپ فرما دیجئے کہ لاؤ تورات، پس اس کی تلاوت کرو اگر تم سچے ہو۔

سابق شریعت کا نسخ شریعت موسیٰ کے ذریعہ

پھر یہودیوں کی بے احتیاطی، بے اعتدالی اور جائز و مباح چیزوں کے غلط استعمال اور اس طرح ظلم کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے نزول تورات کے ذریعہ بہت سی ایسی چیزوں کو بھی ان پر حرام قرار دیا جو پہلے سے حلال تھیں۔

"وعلی الذین ھادوا حرمنا کل ذی ظفر ومن البقر والغنم حرمنا علیھم شحومھما الا ما حملت ظھورھما او الحوایا او ما اختلط بعظم ذالک جزینا ھم ببغیھم وانا لصادقون o" (انعام: ۱۴۷)

"اور یہود پر ہم نے ناخن والے جانور حرام کردیئے تھے اور گائے اور بکری (کے اجزاء) میں سے ان دونوں کی چربیاں ان پر ہم نے حرام کردی تھیں مگر وہ جو ان کی پیٹھ پر ہو اور انتڑیوں میں لگی ہو یا جو ہڈی سے ملی ہو، ان کی شرارت کے سبب ہم نے ان کو یہ سزا دی تھی، اور ہم یقیناً سچے ہیں"۔

اس طرح بہت سی طیبات (پاکیزہ چیزیں) حکمت الٰہی کے مطابق یہود پر حرام کی گئیں جو پہلے سے ان کے لیے حلال تھیں اور اس طرح ایک شریعت دوسری شریعت کے ذریعہ منسوخ ہوئی۔

"فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم طیبٰت احلت لھم"۔ (نساء: ۱۶۰)

"پس یہود کے ظلم (اور ان کی بے اعتدالیوں) کی وجہ سے ہم نے ان پر کچھ پاکیزہ چیزیں حرام کردیں، جو ان کے لیے حلال تھیں"۔

شریعت عیسیٰ کے ذریعہ شریعت موسیٰ کا نسخ

اس طرح "شریعت موسیٰ" شریعت سابقہ کے لیے ناسخ ٹھہری، حضرت موسیٰ کے بعد سیدنا حضرت عیسیٰ تشریف لاتے ہیں اور وہ شریعت موسوی کے بعض احکام کو منسوخ کرنے والی شریعت لے کر آتے ہیں، لیکن یہودی اپنی قدیم عادت کے مطابق ان پر ایمان لانے کے بجائے ان کی جان کے درپے ہوجاتے ہیں۔ سورہ آل عمران میں جہاں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کا تذکرہ ہے وہاں ان کی زبان سے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے معجزات کا اعلان کرایا گیا ہے، اور پھر ان کی اس شان کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ تورات کی تصدیق کرنے والے ہیں، اسے جھٹلانے والے نہیں، اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہ اے بنو اسرائیل! بعض وہ چیزیں جو تم پر حرام کی گئی تھیں، میں خدا

کا رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں اسے حلال قرار دینے کے لیے آیا ہوں۔

"ومصدقا لما بین یدی من التوراۃ ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم وجئتکم بایۃ من ربکم"۔ (آل عمران)

"اور میں تصدیق کرنے والا بن کر آیا ہوں، اپنے سامنے کی کتاب تورات کا اور اس لیے (آیا ہوں) کہ حلال کردوں تمہارے لیے بعض ان چیزوں کو جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں اور لایا ہوں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آیت۔"

اور اس اعلان کے بعد بنو اسرائیل سے مطالبہ یہ ہے کہ اب تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے، اور میری اطاعت کرنی چاہئے یعنی اب انسانوں کے لیے "نسخۂ نجات"، "شریعت انجیل" ہے جو تورات کی بنیادی صداقت کی گواہی دے رہی ہے اور اپنے عہد کے لیے نئی شریعت لے کر آئی ہے اس طرح "شریعت تورات" کے بعض احکام کا "شریعت عیسوی" سے منسوخ ہونا صریح آیت قرآنی سے ثابت ہے۔

شرائع سابقہ کا نسخ شریعت محمدیؐ کے ذریعہ

اور ان سب کے بعد آخر میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں، وہ تورات وانجیل اور دوسری تمام پچھلی کتابوں، ابراہیم علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور پچھلے تمام انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرتے ہیں، اور پچھلی کتابوں کے تمام بنیادی حقائق پر ایمان کی دعوت ساری کائنات کو دیتے ہیں، ساتھ ہی ساتھ وہ ایک ایسی جامع اور کامل شریعت بھی لے کر آئے ہیں جس میں سابق شریعتوں کے بعض احکام بدلے گئے ہیں۔ وہ طیبات اور پاکیزہ چیزیں جو کسی مصلحت عارضی کی بنیاد پر کسی امت کے لیے حرام کی گئی تھیں، اس شریعت کے ذریعہ حلال کر دی گئیں اور تمام خبائث کو اس شریعت کے ذریعہ آخری طور پر حرام قرار دیدیا گیا اور پچھلی امتوں پر جو بہت سی پابندیاں عائد تھیں، چاہے وہ ان کی مخصوص حالت کے پیش نظر کسی نبی کے ذریعہ ان پر عائد کی گئی ہوں یا انہوں نے بطور خود گڑھ کر اپنے اوپر عائد کیا ہو، یہ آنے والے رسول تمام پابندیوں، بیڑیوں اور بوجھ سے آزادی کا اعلان کرتے ہیں اور یہ حرمت، یا حلت تمام ہی انسانوں کے لیے ہے، صرف ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جو غیر اہل کتاب ہیں، اہل کتاب اس سے ہرگز مستثنیٰ نہیں ہیں، بلکہ

قرآن پاک نے اولاً خصوصیت کے ساتھ ان اہل کتاب کا تذکرہ کیا ہے جو تورات وانجیل میں حضور اکرم خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اور ان کی علامتیں موجود پاتے ہیں، اور یہ لوگ اس رسول کو محض نظریاتی طور پر برحق تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس کی اتباع بھی کرتے ہیں۔ قرآن پاک صاف الفاظ میں ''رسالت محمدیؐ'' پر ایمان، رسولؐ کا اکرام، اس کی نصرت اور اس کی لائی ہوئی شریعت کی اتباع ہی کو اہل کتاب کے لیے ''فلاح اور نجات کا ذریعہ'' بتاتا ہے، نہ کہ صرف اسے برحق رسول مان لینا اور اس کی اتباع کو ضروری نہ جاننا۔

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہٗ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل یامرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر ویحل لھم الطیبٰت ویحرم علیھم الخبائث ویضع عنھم اصرھم والاغلٰل التی کانت علیھم فالذین اٰمنوا بہٖ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولٰئک ھم المفلحون''O (اعراف:۱۵۷)

''وہ لوگ جو اتباع کرتے ہیں اس رسول اور نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی جس کا تذکرہ وہ اپنے تورات اور انجیل میں موجود پاتے ہیں جو انہیں نیک کاموں کا حکم کرتا ہے، انہیں برائیوں سے روکتا ہے اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتا ہے اور ان پر ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے اور......ان پر سے ان پابندیوں......اور بیڑیوں کو اتارتا ہے جو ان پر پہلے سے عائد تھیں۔ پس جو لوگ اس رسول پر ایمان لائے......اور اس کی تعظیم کی اور اس کی مدد کی اور اس روشنی کی اتباع کی جو اس کے ساتھ اتاری گئی ہے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

اس آیت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس آخری پیغمبر کی شریعت (جو ظاہر ہے کہ معروف ومنکر کے بیان، طیبات واحلت، خبائث کی حرمت وغیرہ پر مشتمل ہے) شریعت موسوی اور شریعت عیسوی کے لیے ناسخ ہے۔ بہت سی طیبات سابق شریعت میں حرام تھیں، شریعت محمدیؐ نے اسے حلال قرار دیا اور بہت سی سابق پابندیوں کو دور کیا، اور یہ بھی واضح ہے کہ اہل کتاب یہود ونصاریٰ کے لیے فلاح کا راستہ اب اسی شریعت کی اتباع میں مضمر ہے جو اس آخری رسول کے ساتھ نازل کی گئی ہے، اور نہ صرف یہ کہ اہل کتاب رسالت محمدیؐ پر ایمان یا ان کی شریعت کی اتباع سے مستثنیٰ نہیں بلکہ ان پر تو یہ ایمان، احترام رسول، نصرت اور اتباع شریعت محمدیؐ خصوصیت کے ساتھ ضروری ہے کہ وہ تو ان لوگوں میں سے ہیں جو اس رسول کے بارے میں پہلے سے باخبر ہیں اور تورات وانجیل میں اس کا تذکرہ موجود پاتے ہیں اور ٹھیک اسی آیت کے بعد (جو خصوصیت کے ساتھ اہل کتاب کا

ذکر کرتی ہے) پوری کائنات انسانی پر اس آخری رسول پر ایمان اور اس کی اتباع کو فرض قرار دیا گیا ہے۔

"قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک السموٰت والارض لا الہ الا ھو یحی ویمیت فامنوا باللہ ورسولہ النبی الامی الذی یؤمن باللہ وکلمتہ واتبعوہ لعلکم تھتدون ہ" (اعراف:۱۵۸)

"آپ فرما دیجئے کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا رسولؐ ہوں جس کے لیے آسمان وزمین کی ملکیت ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے، پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس کی باتوں پر اور ان کی پیروی کرو تا کہ ہدایت پا سکو۔"

اس طرح شریعت محمدیؐ کا سابق شریعتوں کے لیے ناسخ ہونا اور بشمول اہل کتاب تمام انسانوں کے لیے اس کا واجب العمل ہونا ثابت ہے۔

رسالت محمدیؐ پر ایمان اور شریعت محمدیؐ کی اتباع

ابھی سورہ اعراف کی جو دو آیتیں گذری ہیں ان پر غور کیجئے تو باتیں واضح ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت بلا استثنا، تمام انسانوں کے لیے ہے، جو لوگ عربی زبان کے اسلوب سے واقف ہیں وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے یہ کہنا کہ میں تم لوگوں کے لیے پیغام بر بن کر آیا ہوں۔"یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم "۔اور صرف اسی پر اکتفانہ کرنا بلکہ "جمیعا" کے لفظ سے اس عموم کی تاکید کا مطلب ہی یہی ہے کہ "امت محمدیؐ" (جو دعوت محمدیؐ کے مخاطب ہیں) میں بلا کسی استثناء کے سارے کے سارے انسان داخل ہیں، کسی تاویل کی گنجائش کو ختم کرنے کے لیے ہی "جمیعا" کے لفظ سے اس کی تائید کی گئی ہے۔۔پس یہ آیت واضح الفاظ میں "رسالت محمدیؐ" کے عموم پر دلالت کرتی ہے،اور ساتھ ساتھ بھی انسانوں سے چند باتوں کا مطالبہ کرتی ہے۔ایک تو یہ کہ "اللہ پر ایمان لاؤ" اور دوسرے یہ کہ اس نبی امی پر ایمان لاؤ جو خود اللہ پر اور اس کی باتوں پر ایمان رکھنے والا ہے اور تیسری بات یہ کہ "سبھی اس رسول کی اتباع بھی کرو" اور ان تینوں باتوں کے نتیجہ میں تمہیں ہدایت ملے گی، پس معلوم ہوا کہ راہ ہدایت "بعثت محمدیؐ" کے بعد ایمان باللہ اور رسالت محمدیؐ پر ایمان، نیز شریعت محمدیؐ کی اتباع سے ہی مل سکتی ہے۔

مزید یہ کہ اس سے پہلی آیت میں تورات وانجیل پر ایمان رکھنے والے اہل کتاب میں سے انہی کو کامیاب اور نجات یافتہ قرار دیا گیا ہے جو اس نبی امیؐ پر ایمان رکھتے ہیں، اس کا احترام کرتے ہیں، اس کی نصرت کرتے ہیں اور اس کی لائی ہوئی شریعت کی پیروی کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اتباع شریعت محمدیؐ اہل کتاب کے لیے بھی ضروری ہے۔ اس کے بغیر ان کے لیے نجات کا کوئی راستہ نہیں ہے، اس لیے قرآن پاک بار بار ان کو متنبہ کرتا ہے کہ اے اہل کتاب! یہ رسول تمہارے لیے بھی اللہ کا پیغام لے کر آئے ہیں اور ان کا آنا تم پر حجت تمام کر دینے کے مرادف ہے کہ اب خدا کے پاس تمہارے لیے کسی عذر کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

"یااھل الکتٰب قدجاء کم رسولنا یبین لکم علیٰ فترة من الرسل ان تقولوا ماجآء نا من بشیرولا نذیر فقد جآء کم بشیر ونذیر واللہ علیٰ کل شئ قدیرO" (مائدہ:۱۹)

"اے اہل کتاب! سلسلۂ نبوت کے انقطاع کو ایک مدت گذرنے کے بعد تمہارے پاس ہمارے رسول آگئے، جو تمہارے سامنے (اللہ کا دین) بیان کرتے ہیں، تا کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس بشیر و نذیر نہیں آئے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

دوسری جگہ اہل کتاب کو مخاطب کر کے یہ کہا گیا کہ یہ جو رسول تمہارے پاس آئے ہیں یہ بہت سی ان باتوں کو ظاہر کرتے رہے ہیں جن کو تم لوگوں نے چھپا رکھا ہے، اور ان کے آنے سے اللہ کی طرف سے روشن اور واضح کتاب آچکی ہے، اب ہدایت سیدھے راستہ کی انہیں لوگوں کو مل سکتی ہے، جو سلامتی کے ان راستوں پر چلیں جو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہے۔

"یٰا ھل الکتٰب قد جآء کم رسولنا یبین لکم کثیراً مما کنتم تخفون من الکتٰب ویعفوا عن کثیر ط قدجآء کم من اللہ نور و کتٰب مبین Oیھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلٰم ویخرجھم من الظلمٰت الی النور باذنہ ویھدیھم الی صراط مستقیمO" (مائدہ:۱۵۔۱۶)

"اے اہل کتاب! تمہارے سامنے، بہت سی ان کتابوں کو ظاہر کر رہے ہیں جنہیں تم چھپاتے ہو اور بہت سی باتوں سے درگذر فرماتے ہیں۔ بے شک اللہ کی طرف سے روشنی اور کھلی ہوئی کتاب آچکی۔ اللہ اس کے ذریعہ ان لوگوں کو ہدایت دے گا۔ اس کی خوشنودی یعنی سلامتی کے راستوں پر چلیں، اور اللہ انہیں اپنے حکم سے تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے گا اور انہیں سیدھے راستہ پر چلائے گا"۔

قرآن پاک ہی اس بات کو بھی واضح کرتا ہے کہ یہ آخری رسول شریعت حق لے کر آئے ہیں تا کہ وہ انسانوں کے درمیان فیصلہ کریں۔

"انا انزلنا علیک الکتٰب بالحق لتحکم بین الناس بما ارک الله"۔(نساء:۱۰۶)

"ہم نے نازل کیا آپؐ پر کتاب "حق" کے ساتھ تا کہ آپ لوگوں کے مابین فیصلہ کریں جس طرح آپؐ کو اللہ دکھایا ہے۔

اور پھر جو فیصلہ رسولؐ کردیں اس فیصلہ کو خوش دلی سے قبول کئے بغیر ایمان کا دعویٰ بھی نہیں کیا جاسکتا۔

"فلاوربک لا یومنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیماo"

"(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ کے رب کی قسم، یہ لوگ ایمان والے نہیں ہوسکتے جب تک آپؐ کو اپنے جھگڑوں میں حکم نہ مان لیں۔ پھر آپ کے فیصلہ کے بارے میں دل میں ذرا بھی تنگی نہ پائیں اور خوش دلی کے ساتھ اسے قبول کریں۔

اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر اہل کتاب رسول پر اتارے گئے احکام پر ایمان نہیں لاتے تو اللہ کی طرف سے سخت عذاب اور لعنت کا شکار ہوں گے۔

"یاَیها الذین اوتوا الکتٰب امنوا بما نزلنا مصدقالما معکم من قبل ان نطمس وجوها فنردها علیٰ ادبارها او نلعنهم کما لعنا اصحاب السبت و کان امر الله مفعولاo" (نساء:۴۷)

"اے اہل کتاب! تم اس کتاب پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے نازل کیا ہے، اس حال میں کہ وہ سچ بتاتی ہے، اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے، اس سے پہلے کہ ہم چہروں کو بدل ڈالیں اور ان کو ان کی الٹی جانب کی طرف بنادیں، یا ان پر ہم ایسی لعنت کریں کہ جیسی لعنت "اصحاب سبت" پر کی تھی، اور اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو کر ہی رہتا ہے۔

اور یہ بھی فرمادیا گیا کہ اہل کتاب پوری طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا رسولؐ برحق ہونا جانتے ہیں، لیکن ایمان نہ لاکر گھاٹے اور خسارے میں پڑے ہیں۔

"الذین اٰتینا هم الکتٰب یعرفونه کما یعرفون ابناء هم الذین خسروا علی انفسهم فهم لا یومنون o" (انعام:۲۰)

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دے دی ہیں وہ ان کو اس طرح سے پہچانتے ہیں
جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں، جن لوگوں نے اپنے نفس کا گھاٹا کیا
وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ ''ایمان بالآخرت'' کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ قرآن پاک پر ایمان لایا جائے۔ پس نہیں ہو سکتا کہ کوئی یہ تو کہے کہ میں آخرت پر ایمان رکھتا ہوں، لیکن وہ قرآن پاک پر ایمان سے انکار کرے۔

"الذین یومنون بالاٰخرۃ یومنون بہ." (انعام:۹۲)

''جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔

اور یہ بھی قرآن پاک نے واضح کر دیا کہ اللہ پر ایمان رکھنے والوں اور آخرت کی فکر کرنے والوں کے لیے نمونہ اور سانچہ جس پر انہیں اپنی زندگی کو ڈھالنا ہے وہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہے۔

"لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الاٰخر "

''بلاشبہ تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بہترین نمونہ ہے۔ ان کے لیے
جو اللہ اور آخرت کے دن سے ڈرتے ہیں۔''

اور جن لوگوں کا ایمان اللہ پر ہے لازمی طور پر ان کے دل میں اللہ کی محبت بھی ہونی چاہئے۔ قرآن ہی میں کہا گیا ہے:

"والذین اٰمنوا اشد حباللہ "۔ (بقرہ)

''جو ایمان والے ہیں وہ اللہ سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہیں۔''

اور اللہ کی محبت کے بعد لازم ہو جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی جائے۔ تبھی اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت کرے گا، اور ان کے گناہ بھی بخش دے گا۔

"قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ."

''آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا۔''

اور آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور آخرت پر ایمان اور رسول پر ایمان بے معنی ہے اگر اس رسول کی اطاعت نہیں کی جائے جو ان کے پاس اللہ کا پیغام لے کر آیا ہے، لہٰذا شریعت محمدیؐ

کی اتباع اہل کتاب کے لیے بھی اسی طرح ضروری ہے جیسے دوسرے لوگوں کے لیے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مسلم شریف کی ایک صحیح حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام یہودیوں اور نصرانیوں کو مستحق جہنم قرار دیا ہے جو ان کی دعوت کو سن کر بھی یہ ان کے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مر جائیں۔ اور یہ بات ماقبل میں بیان کی جاچکی ہے کہ ایمان کا لازمی تقاضہ ہے کہ رسول کی اتباع کو ضروری جاننا۔ پس جو زبان سے یہ تو کہے کہ ہم رسول کو برحق جانتے ہیں، لیکن ان کے لائے ہوئے دین پر چلنا ضروری نہ جانے بلکہ اپنی پچھلی منسوخ شریعت پر ہی اڑا رہے تو بلاشبہ ایسا شخص اس وعید کا مستحق ہوگا۔ اس لیے کہ ایمان اور اتباع کو ایک دوسرے سے علاحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ حدیث شریف کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

"والذی نفس محمد بیده لا یسمع بی احد من هذه الامة یهودی ولا نصرانی ثم یموت ولا یومن بالذی ارسلت به الا کان من اصحاب النار." (رواہ مسلم)

"اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، اس امت کا کوئی فرد یہودی ہو یا نصرانی میری دعوت کا حال سن کر میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مر گیا تو وہ جہنمی ہوگا۔"

اور قرآن پاک میں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے الگ راہ بنانے والوں کے لیے جہنم کا عذاب مقرر کیا گیا ہے۔

"ومن یشاقق الرسول من بعدماتبین له الهدی ویتبع غیر سبیل المومنین نوله ماتولی ونصله جهنم وساء ت مصیراً ○" (نساء:۱۱۵)

جو رسول کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس کے سامنے ہدایت واضح ہو چکی اور مومنین کے راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرے تو ہم اس کو ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھر گیا ہے، اور اسے جہنم میں جھونک دیں گے اور جہنم برا ٹھکانہ ہے۔

بہر حال ان تمام دلائل پر جو شخص بھی غیر جانبدارانہ نظر ڈالے گا خود قرآن اس کو یہ سمجھانے کے لیے کافی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد یہودی اور نصرانی ہوں یا کوئی اور سب ان کی امت میں ہیں، سب کے لیے ان پر ایمان لانا اور ان کی لائی ہوئی شریعت کو اپنے لیے راہ عمل بنانا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں کسی استثنا کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اب اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ "وہ کسی نہ کسی نبی کی شریعت ہی پر تو عمل کر رہے ہیں" تو یہ کہنا

درست نہیں ہوگا، اس لیے کہ اولاً تو جو کچھ اور جیسا کچھ بھی ان اہل کتاب کے پاس آج موجود ہے، اسے ہم یقین کے ساتھ ان نبیوں پر اترا ہوا دین قرار دینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں، جتنے قسم کی تحریفات ان کتابوں میں ہو چکی ہیں۔ انہوں نے حقیقت کو تاریکیوں میں اس طرح گم کر دیا ہے کہ اب ان کتابوں میں صرف اس جزو کو چھوڑ کر جس کی تصدیق قرآن کرتا ہے، ہم باقی اجزاء کے بارے میں قطعی فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ بلکہ یوں کہیے کہ تورات وانجیل میں جو کچھ آج موجود ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) وہ باتیں جن کی تائید قرآن پاک سے ہوتی ہے۔

(۲) وہ باتیں جنہیں قرآن پاک غلط قرار دے رہا ہے۔

(۳) اور وہ باتیں جن کے صحیح اور غلط ہونے پر قرآن خاموش ہے۔

پہلی بات صحیح مانی جائے گی، اس لیے کہ اس کی صداقت قرآن کی کسوٹی پر کھری اتری ہے، اور دوسری بات اس لیے غلط سمجھی جائے گی کہ قرآن اسے غلط قرار دیتا ہے، اور تیسرا حصہ جس کے بارے میں قرآن خاموش ہے، ان کو نہ ہم صحیح کہہ سکتے ہیں نہ غلط۔ اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''لا تصدقوا اهل الكتب ولا تكذبوه.''

''اہل کتاب (کی بیان کردہ باتوں) کو نہ سچا مانو اور نہ جھوٹا۔''

پس کون ہے جو ہمیں بتا سکے کہ کیا ہے شریعت موسیٰؑ اور کیا ہے شریعت عیسیٰؑ؟ اور جب اس نام کی چیزیں موجود نہیں تو اب ایک واضح روشن اور تابناک شریعت کو چھوڑ کر اس گم کردہ حقیقت کے نام پر فرضی اور خیالی شریعت پر عمل کیا۔ ''دن کی روشنی'' کو چھوڑ کر ''رات کی تاریکیوں'' میں بھٹکنا نہیں کہا جائے گا؟

اور اگر فرض کیجئے کہ یہ شریعتیں واقعۃً موجود بھی ہیں تو اولاً اس میں آج کے انسانی مسائل کو حل کرنے کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ ثانیاً ان شرائع کے منسوخ ہونے پر پوری امت کا اجماعی عقیدہ ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان منسوخ شریعتوں پر عمل کی اجازت دی جائے؟ اور جو شخص اسے اہل کتاب کے حق میں منسوخ نہیں مانتا در اصل وہ رسالت محمدیؐ کے عموم کا انکار کرتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ شریعت محمدیؐ صرف غیر اہل کتاب کے لیے نازل ہوئی ہے اور یہ بعینہٖ یہودیوں کے ایک قدیم فرقہ

''عیسویہ'' کا فاسد عقیدہ ہے، جو کہتے تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول تو بے شک ہیں، لیکن ان کی آمد ہمارے لیے نہیں بلکہ غیر اہل کتاب کے لیے ہے، اس طرح وہ قرآن پاک کی ان صریح آیات کا انکار کررہے تھے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو انسانوں کے لیے عام بتاتی ہیں۔اسی لیے تمام ہی علمائے اسلام نے اس فاسد عقیدہ کو رد فرمادیا۔

تمہید ا''ابی الشکور سالمی'' نے یہودیوں کے اسی طبقہ کا عقیدہ ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''منهم من قال ابن محمداً صلى الله عليه وسلم صاحب الشريعة للعرب والعجم لانه ماكان لهم شريعته فان الله ارسل اليهم محمدا رسولا وامابنواسرائيل كان لهم كتاب وشريعته فلا يجوز نسخ الكتاب الشريعة .'' (تمہید ابی الشکور سالمی:۲۱۱)

''بعض یہودیوں کا خیال ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عرب وعجم (یعنی غیر اہل کتاب) کے لیے رسول ہیں۔اس لیے کہ وہ پہلے سے صاحب شریعت نہیں تھے، پس اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لیے رسول بنا کر بھیجا۔رہے بنواسرائیل تو ان کے پاس کتاب وشریعت پہلے سے موجود ہے، پس اس کتاب وشریعت کا منسوخ ہونا جائز نہیں ہے۔''

اسی طرح نصاریٰ کا بھی ایک طبقہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو''رسول برحق'' ماننے کو تیار ہے، لیکن اس کے عموم کا انکار کر کے یہ کہتا ہے کہ وہ صرف عربوں کی طرف بھیجے گئے تھے، چنانچہ علامہ برہان الدین اپنی کتاب''شرح تہذیب الکلام''میں فرماتے ہیں:

''پھر نص اور اجماع اس بات پر دلیل ہے کہ آپ سارے ہی انسانوں کی طرف بھیجے گئے تھے۔اجماع تو ظاہری ہے، رہی نص تو وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''وماارسلنک الا کافة للناس'' اسی طرح اللہ تعالیٰ کا دوسرا ارشاد ہے:''یاایھاالناس انی رسول الله الیکم جمیعا'' سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا عموم ثابت ہے اور، پھر خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:''میں اسود واحمر'' (کالے وگورے) سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔اس عموم کی دلیل ہے، اور نصاریٰ کا یہ خیال فاسد کہ آپ صرف عربوں کی طرف بھیجے گئے تھے۔نقل وعقل دونوں اس عقیدہ کو مردود قرار دیتے ہیں، نقلی دلیلیں تو اوپر گذر چکی ہیں۔رہی عقلی دلیل تو وہ یہ ہے کہ جب یہ لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو عربوں کی طرف مبعوث رسول برحق مانتے ہیں تو دراصل یہ ان کی دی ہوئی ہر خبر کے سچ ہونے کا اقرار کرتے ہیں، اور جس نبی کو وہ سچا مان رہے ہیں وہ منجملہ اور باتوں کے یہ بھی فرمارہے ہیں کہ میں تو سارے انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔'' (شرح تہذیب الکلام:۱۶،115)

اور مشہور متکلم عالم علامہ دوانی لکھتے ہیں کہ:

’’جاننا چاہئے کہ فرقہ اسمنیہ ،اور فرقہ براہمہ کے اکثر لوگ سرے سے نبوت کا ہی انکار کرتے ہیں ، اور بعض براہمہ صرف آدم علیہ السلام کو نبی مانتے ہیں اور صابئین شیث علیہ السلام اور ادریس علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم کر کے باقی کا انکار کرتے ہیں اور کچھ یہودی موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ باقی نبوتوں کا انکار کرتے ہیں (جیسا کہ میں نے اس میں سے بعض کی تحریرات سے جانا) اور عام طور پر یہود، مجوس اور نصاریٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے ہیں اور نصاریٰ اور یہودیوں میں سے کچھ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول برحق تو مانتے ہیں، لیکن غیر عربوں کے لیے انہیں رسول تسلیم نہیں کرتے ، یہ عقیدہ ’’نص قرآنی‘‘ کے خلاف ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:’’قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً. وما ارسلنک الا کافۃ لناس .‘‘ اور یہ کہنا کہ نبی کی ضرورت صرف عربوں کو تھی اس لیے کہ ان میں شرک عام ہو گیا تھا، اہل کتاب کو ضرورت ہی نہیں تھی ایسا کہنا فاسد ہے، اس لیے کہ خود اہل کتاب کا دین ’’نسخ و تحریف‘‘ کا نشانہ بن کر مختل ہو چکا تھا اور وہ کھلی گمراہی میں تھے۔‘‘ (الدوانی علی عقائد البہند یہ:۹۶۔۹۷)

اور شرح مقاصد میں ہے:

’’حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جن وانس سبھی کی طرف مبعوث ہیں، صرف عربوں کی طرف نہیں، جیسا کہ بعض یہود و نصاریٰ کا فاسد عقیدہ ہے، ان کے اس عقیدہ کی بنیاد ان کا یہ فاسد نقطۂ نظر ہے کہ نبی کی ضرورت صرف عربوں کو تھی ،تورات وانجیل والوں کو نہیں تھی ، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ’’تجدید شریعت‘‘ کی ضرورت سبھوں کو تھی ،اس لیے کہ ان کا دین قسم قسم کی تحریفات اور گمراہیوں کا نشانہ بن چکا تھا، اور پھر بھی وہ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ یہ اللہ ہی کے پاس سے آیا ہوا دین ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے عام ہونے ، ان کے خاتم النبیین ہونے اور ان کی شریعت کے غیر منسوخ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے واضح قطعی اور ناقابل تاویل الفاظ میں ان باتوں کا دعویٰ فرمایا، اور پھر ان کے ہاتھوں پر معجزے ظاہر ہوئے اور ان کی کتاب جو خود معجزہ ہے وہ قطعی طور پر ان کی رسالت کے عموم پر گواہی دیتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:’’وما ارسلنک الا کافۃ للناس ‘‘ اور ’’قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً ‘‘ اور ’’قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن ‘‘ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد:’’ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین ‘‘ اور دوسرا ارشاد:’’لیظھرہ علی الدین کلہ‘‘

اگر کوئی یہ کہے کہ قرآن ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تورات وانجیل بھی بغیر فرق انسانوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہے، چاہے موافق قرآن ہو یا مخالف قرآن، اس کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو اور قرآن پاک کی ہدایت کو عربوں کے ساتھ خاص قرار دیا جائے اس لیے کہ قرآن ہی میں تو یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''میں نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں بھیجا تو ایسا کہنا درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ تورات وانجیل کی ہدایت کا دور نزول قرآن سے قبل کا دور ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اب آپؐ پر ایمان اور آپ کی شریعت کی پیروی کا زمانہ آگیا، اس لیے کہ خود تورات وانجیل نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت دی ہے، اور اس بات کی خبر دیدی ہے کہ وہی ہدایت پائے گا جو اس آنے والے نبی کی پیروی کرے گا۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی تو دنیا کی طرف نزول فرمائیں گے جو نبی اور پیغمبر ہیں۔ اس سلسلے میں ہمارا کہنا یہ ہے کہ وہ ضرور تشریف لائیں گے، مگر ان کا عمل شریعت محمدیؐ پر ہوگا، ان کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوگا، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ ''لو کان موسی حیا لما وسعهٗ الا اتباعی''۔ (کہ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو میری اتباع کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوتا)۔'' (شرح مقاصد: ۲/۱۹تا۹۲)

صاحب شرح مقاصد نے اس بحث میں، جن باتوں پر امت کا اجماع ہے، ان میں حضورؐ کی افضلیت کا ذکر کرتے ہوئے چند اور باتوں کا بطور استدلال ذکر فرمایا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کی شریعت پچھلی تمام شرائع کے لیے ناسخ ہے۔ ''التقدیر والتحبیر شرح ابن امیر الحاج علی تحریر ابن الهمام'' میں مسئلہ نسخ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

''تمام اہل شرائع کا اس کے جواز پر اجماع ہے اور یہودیوں میں سے فرقہ شمعونیہ اور فرقہ عنانیہ اسے ممتنع قرار دیتا ہے، البتہ فرقہ عیسویہ، جو ابو عیسیٰ اصفہانی (یہودی) کے ماننے والے ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اعتراف کرتے ہیں، لیکن وہ انہیں خاص کر بنو اسمٰعیل یعنی عربوں کا نبی مانتے ہیں، نہ کہ ساری امتوں کا۔''

(التقریر والتحبیر شرح ابن امیر الحاج علی تحریر ابن همام: ۳/۴۴)

خلاصہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور ان کی شریعت کا عام ہونا پچھلی شریعتوں کا منسوخ ہونا بلا استثنا سارے ہی انسانوں کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور

ان کی اتباع کا واجب ہونا نصوص قطعیہ سے ثابت اور پوری امت کا اجماعی عقیدہ ہے، جو شروع سے آج تک سبھی لوگوں کے درمیان معروف ومشہور ہے اور ایسے اجماعی عقیدہ کے انکار کو اجماع کے علم کے بعد اور اس کی مخالفت کو صاحب مسایرہ نے ''مخل ایمان لکھا ہے۔ اعاذہ اللہ منہ (مسایرہ: ۴۰)

کوئی یہ خیال نہ کرے کہ مسلمان بھی تورات وانجیل اور سیدنا موسیٰؑ کو برحق نبی مانتے ہیں، لیکن ان کی اتباع کو ضروری نہیں جانتے، تو اسی طرح یہودی اور نصرانی بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق نبی تو مانیں، مگر ان کی اتباع کو ضروری نہ جانیں تو اس میں کیا حرج کی بات ہے، ایسا خیال کرنا اس لیے غلط ہے کہ مسلمان اگر شریعت محمدیؐ کی اتباع ہی کو ضروری جانتے ہیں تو اس وجہ سے کہ یہی ہدایت اور تاکید حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ اور تمام پچھلے انبیاء علیہم السلام نے سبھی انسانوں کو دی ہے، تم آنے والے نبی کی اتباع کرنا، ہم اس آخری نبی کی اتباع کر کے دراصل پچھلے تمام انبیاءؑ کے حکم کی ہی اطاعت کر رہے ہیں، اس لیے ہمیں پچھلے نبیوں کی اطاعت سے خارج نہیں قرار دیا جاسکتا۔ بخلاف یہودیوں اور عیسائیوں کو جو موسوی اور عیسوی شریعت کے کچھ احکام پر تو عمل کرتے ہیں لیکن اتباع محمدیؐ کا جو حکم ان رسولوں نے دیا تھا اس کا وہ کفر کر رہے ہیں۔ پس کتاب کے کچھ حصوں پر ایمان لاتے ہیں اور کچھ کا کفر کرتے ہیں۔ اس طرح وہ اطاعت محمدیؐ سے تو خارج ہیں ہی، حقیقۃً وہ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی اطاعت سے بھی خارج اور ان کے احکام کی تعمیل کے منکر ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ یہ کھلا ہوا کفر ہے۔

''افتومنون ببعض الکتٰب وتکفرون ببعض.''

''کیا تم کچھ باتوں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ کا کفر کرتے ہو۔''

اور دوسری بات یہ ہے کہ فقہاء اسلام نے اس کو صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ ''شرائع سابقہ کے وہ احکام جنہیں قرآن پاک نے منسوخ قرار نہیں دیا، اگر وہ واقعۃً پچھلے نبیوں پر نازل ہونے والی شریعت کے احکام ہیں تو وہ ہماری شریعت کا جزو ہیں۔ پس ہم شریعت کے پیرو دراصل تمام انبیاء کے لائے ہوئے بنیادی عقائد پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور تمام انبیاءؑ کی لائی ہوئی شریعت پر بھی عمل پیرا ہیں۔

قبل اس کے کہ ہم اس بحث کو ختم کریں ضروری محسوس ہوتا ہے کہ مولانا ابوالکلام آزادؒ کے

ان خطوط کا اقتباس پیش کر دیں جو مولانا موصوف نے اس زمانہ میں تحریر فرمائے تھے۔ جب کہ ان کی تفسیر ترجمان القرآن کے مقدمہ کو پڑھ کر کچھ لوگوں کو یہ دھوکہ ہوا تھا کہ مولانا ''ایمان بالرسالہ'' یا ''اتباع شریعت محمدیؐ'' کو ضروری نہیں سمجھتے، مولانا موصوف نے اس موضوع پر کئی خطوط لکھے تھے، جسے قاضی احمد حسین صاحب مرحوم سابق ناظم امارت شرعیہ نے مرتب کر کے اصل خطوط کی فوٹو کاپی کے ساتھ فروری ۵۹ء میں ''یونین پرنٹنگ پریس دہلی میں چھپوا کر'' مکتبہ جامعہ دہلی'' سے ''میرا عقیدہ'' کے نام سے شائع کیا تھا، مولانا کے ان خطوط کا کچھ حصہ ذیل میں دیا جاتا ہے:

''آپ نے تفسیر سورہ فاتحہ کے خاتمہ کا حوالہ دیا ہے میں نے اس وقت از سر نو اس پر نظر ڈالی لیکن کوئی بات ایسی نظر نہ آئی جو اس اشتباہ کو موجب ہو سکے۔ غالباً اس کا یہ جملہ موجب تردد ہوا ہے کہ اصل دین توحید ہے، لیکن اگر یہ جملہ موجب تردد ہو سکتا ہے تو یقیناً قرآن پاک کی بے شمار آیتیں بھی ہو سکتی ہیں اور عقائد و کلام کی وہ تمام کتابیں جو تیرہ سو برس کے اندر لکھی گئی ہیں۔ کیونکہ ان سب میں یہی بات کہی گئی ہے۔

''ولقد بعثنا فی کل امة رسولا ان اعبدوا الله .الخ'' (نمل)

''وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیه انه لا اله الا انا فاعبدونo''
(انبیاء رکوع:۱)

''وقالوا لن یدخل الجنة الا من کان هوداً او نصاریٰ تلک امانیهم قل هاتوا برهانکم ان کنتم صٰدقین oبلیٰ من اسلم وجهه لله وهو محسن فله اجرهٗ عند ربه ولا خوف علیهم ولا هم یحزنونo'' (بقرہ ع:۱۲)

''ولقد ارسلنا نوحا الی قومه فقال یقوم اعبدوا الله مالکم من اله غیرهٗ .''
(مومنون ع:۲)

کیا ہم ان آیات سے اور ان کے ہم معنی آیات سے یہ استنباط کر سکتے ہیں کہ قرآن پاک کے نزدیک ''ایمان بالرسل'' ضروری نہیں؟ یقیناً نہیں کر سکتے، کیونکہ اسی قرآن نے بے شمار مقامات پر یہ بھی بتلا دیا ہے کہ ایمان باللہ کی تفصیل کیا ہے؟ اور نہ صرف ایمان بالرسل، بلکہ ایمان بالکتب، بالملائکہ وبالیوم الآخر اس میں داخل ہے، اور اس لیے جب کبھی ایمان اور عمل کہا جائے گا تو ایمان سے مقصود یہی ایمان ہوگا نہ کہ کوئی دوسرا ایمان اور عمل سے مقصود وہی اعمال ہوں گے جنہیں اس نے عمل صالح قرار دیا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ عدم تفریق بین الرسل بھی اس میں داخل ہے۔ اور

کوئی ایمان بالرسل جوتفریق بین الرسل کے ساتھ ہوقرآن پاک کے نزدیک ایمان نہیں، وہ کہتا ہے کہ اس زنجیر کی ایک کڑی کا انکار سب کا انکار ہے۔ (ص:۱۵۔۱۶)

یقیناً ہمارا اعتقاد یہ نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت باطل تھی۔ یا حضرت مسیح علیہ السلام کے احکام باطل تھے، البتہ قرآن پاک کی یہ تصریح گذشتہ کی نسبت ہے۔ جس کا اختلاف اہل کتاب بطور حجت کرتے تھے۔ نہ کہ آئندہ کی نسبت، آئندہ کے لیے اس کا اعلان معلوم ہے کہ نعمت تمام ہوچکی، اور یہ اتمام نہ صرف اہل دین میں ہے بلکہ شرع ومنہاج میں بھی اور اتمام کے بعد مزید تبدیلی ممکن نہیں، اکمال کے بعد مزید تکمیل کی گنجائش نہیں۔ (ص:۱۶)

یہ ہمارے ذمہ ہے کہ ہر طالب حق پر واضح کردیں کہ جس طرح اصل دین کی دعوت کامل ہوچکی اور وہ تمام پچھلی دعوتوں کا جامع ومشترک خلاصہ ہے۔ ٹھیک اسی طرح شرع ومنہاج کا معاملہ بھی کامل ہوچکا، اور وہ تمام پچھلی شرائع کے مقاصد وتدبیر پر جامع وحاوی ہے۔ البتہ یہ ظاہر ہے کہ اس بحث کا محل سورہ فاتحہ یا سورہ بقرہ نہیں ہے سورۂ احزاب ہے۔ یقیناً ایسا سمجھنا صحیح نہیں ہوگا۔ تفسیر سورۂ فاتحہ میں رمضان کے روزوں کی فرضیت کا بیان نہیں اس لیے مصنف کے نزدیک روزہ فرض ہی نہیں، مصنف نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر ایک خاص اسلوب پر لکھنی چاہی ہے۔ عقائد وفقہ لکھنے کا دعویٰ نہیں کیا ہے، نیز یہ فرض کرلیا ہے کہ وہ پورے قرآن پاک کی تفسیر لکھ رہا ہے اور سورۂ فاتحہ کے بعد ایک سوتیرہ سورتیں اور بھی مع اپنے مقاصد ومطالب کے آنے والی ہیں۔ (ص:۱۹)

میں نہیں سمجھتا کہ آپ حضرات نے ترجمان القرآن کا واقعی مطالعہ بھی کیا ہے، یا نہیں، سنی سنائی باتوں پر بحث کررہے ہیں۔

نہ صرف ''ایمان بالرسل'' بلکہ ''ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتب، ایمان بالآخرۃ'' بھی ضروری ہے، اور جس شخص کو اس سے انکار ہو وہ نجات کی راہ پر نہیں، یہ بات ''ترجمان القرآن'' میں اس درجہ واضح آشکار ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیونکر ایک بے غرض آدمی اس کے سوا کوئی اور مطلب نکال سکتا ہے۔ (ص:۲۴)

بہرحال آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ ایمان سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر، اللہ کے رسولوں پر، یوم آخرت پر اور قرآن وصاحب قرآن پر ایمان لائے، اور ''عمل'' سے مقصود وہ اعمال

ہیں جنہیں قرآن پاک نے اعمال صالح قرار دیا ہے۔ (ص:۴۴)

البتہ قرآن پاک کا دعویٰ ہے کہ تمام گذشتہ رسولوں کی تعلیم بھی یہی رہی ہے اور ''دین حق'' ایک سے زیادہ نہیں، اگر ایک یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سچی تعلیم پر عمل کرنا چاہے گا، یا ایک مسیحی حضرت مسیح علیہ السلام کی حقیقی تعلیم پر کاربند ہوگا تو اسے ٹھیک یہی راہ اختیار کرنی پڑے گی جو قرآن پاک نے واضح کردی ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسری راہ نہیں ہوسکتی۔ یہی حقیقت ہے جو ترجمان القرآن کے بعض مقامات میں واضح کی گئی ہے۔ (ص:۴۷)

نتیجۂ بحث

خلاصہ یہ کہ ''ابوالمجاہد انوار عالم'' صاحب کا یہ

عقیدہ کہ:

(الف) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت شرائع سابقہ کے لیے ناسخ نہیں۔

(ب) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت غیر اہل کتاب کے لیے ہے، اہل کتاب کے لیے نہیں۔

(ج) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد بھی اہل کتاب اپنے مذہبی احکام پر عمل کرکے نجات پاسکتے ہیں۔

(د) خصوصیت کے ساتھ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ذریعۂ نجات ماننا تعصب اور تنگ نظری ہے۔

استفتاء کا جواب

(۱) یہ سارے عقیدے نصوت قرآنی، تصریحات حدیث اور اجماع امت سے متصادم، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت عمومی کے انکار کے مرادف اور ایمان میں خلل ڈالنے والے فاسد عقیدے ہیں جن کی کسی مومن کے لیے کوئی گنجائش نہیں، اس لیے اگر واقعتاً صاحب موصوف ایسے فاسد عقیدے رکھتے ہیں تو انہیں فوراً توبہ کرنی چاہیے۔

(۲) اولاً موصوف کو ان کے ان عقائد کی غلطیوں کی طرف متوجہ کرنا چاہیے اگر وہ ساری

تفصیلات کی واقفیت اور علم کے بعد بھی اس عقیدہ فاسدہ سے رجوع کرنے کو تیار نہ ہوں تو پھر انہیں امامت سے معزول کیا جانا چاہئے۔ اس لیے کہ عقائد اسلام کے خلاف ہو مخل ایمان ہیں، اور ایسے امر کا انکار ہے جس کا دین ہونا بالبداہت معلوم ہے، اور دین کے معلوم ومعروف عقائد کے انکار کے بعد امامت اور ایسے شخص کی اقتداء کے درست ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ در مختار میں ہے:

"وان انکر بعض اعلم من الدین ضرورۃ کفر بھا کقولہ تعالیٰ "ان اللہ تعالیٰ جسم کالاجسام وانکارہ صحتہ الصدیق فلا یصح الا قتداء بہ اصلا فلیحفظ"

❁❁❁

مسئلہ زکوٰۃ پر ایک اہم مقالہ

باب اول

زکوٰۃ کی فرضیت

فقر و محتاجی اور افلاس و محرومی کی تاریخ بہت قدیم ہے اور جتنی قدیم تاریخ انسانی افلاس و محرومی کی ہے اسی قدر ہمدردی و غم خواری، دوسروں کا درد محسوس کرنے اور دوسروں کے غم میں شریک ہونے کے بلند انسانی جذبہ کی تاریخ بھی طویل ہے۔

مذاہب سابقہ اور زکوٰۃ

مذاہب نے ہر دور میں اس انسانی جذبہ کی نشو و نما اور ترتیب کے ذریعہ فقر و افلاس کے اس انسانی المیہ کو کم کرنے اور ختم کرنے کے لیے اپنا مؤثر کردار ادا کیا ہے، دوسروں کے ساتھ حسن سلوک، فقر و افلاس کو ختم کرنے، پست حال انسانوں کے غم کو اپنا غم سمجھنے کا یہ بلند انسانی جذبہ ہی ہے جس نے مذاہب کی تعلیم میں ''زکوٰۃ'' کی صورت اختیار کی ہے، چنانچہ ارشاد قرآنی کے مطابق ''زکوٰۃ'' ایک ایسا فریضہ ہے جس کا حکم انبیاءِ سابقین بھی دیتے رہے ہیں۔

''وجعلنا هم ائمة يهدون بامرنا واوحينا اليهم فعل الخيرات ،واقام الصلوٰة وايتاء الزكوٰة وكانوا لنا عابدينo'' (انبیاء-۷۳)

اور (ابراہیم واسحاق ویعقوب علیہم السلام) کو ہم نے امام و پیشوا بنایا، جو ہمارے حکم کے مطابق راستہ دکھاتے رہے اور ہم نے ان کو بذریعہ وحی اچھے کام کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی ہدایت کی اور یہ سب ہمارے عبادت گذار بندے تھے۔''

''وكان يامر اهله بالصلوٰة والزكوٰة وكان عند ربه مرضياo'' (مریم-۵۴)

''اور (حضرت اسماعیل علیہ السلام) اپنے لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے رب کے پسندیدہ بندے تھے۔''

بنواسرائیل کے ساتھ کئے گئے عہد کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

"واذاخذنا میثاق بنی اسرائیل .... واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ" (بقرہ۔۸۳)

"اور جب کہ ہم نے بنواسرائیل سے عہد لیا کہ...... نماز قائم کرتے رہنا اور زکوٰۃ ادا کرتے رہنا۔"

سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ماں کی گود سے جو اعلان فرمایا اس کا ایک ٹکڑا یہ بھی ہے:

"واوصانی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ مادمت حیاo" (مریم۔۳۱)

"اور مجھے میرے رب نے تازندگی نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔"

اسلام کا مکی دور اور فقر و افلاس کا مسئلہ

اس قدر انسانی المیہ کو دور کرنے کے لیے اسلام نے خصوصی توجہ دی اور اگر ایک طرف انسانی فطرت میں چھپے ہوئے ہمدردی اور غمخواری کے جذبہ کو ابھارا تو دوسری طرف مستقل ٹھوس نظام غریبی کے مسئلہ کے حل کے لیے قائم کیا۔ قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اول یوم سے قرآن نے اس انسانی مصیبت کے ازالہ کے لیے جدوجہد شروع کردی، چنانچہ جہاں اسلام کے آغاز کی تاریخ "مکہ مکرمہ" سے شروع ہوتی ہے، وہاں فقراء و مساکین کی بھوک دور کرنا، محرومی اور مفلس کے شکار انسان کا حق سرمایہ داروں کے مال میں ہونا، مسافروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا، یہ اور اس طرح کے دوسرے پہلو ہیں جن کی طرف مکی آیات میں مسلمانوں کو متوجہ کیا جاتا رہا ہے۔

مسکین کو کھانا کھلانا

چنانچہ سورہ مدثر میں آخرت میں ہونے والے ایک مکالمہ کا ذکر کیا گیا جس میں جنتی جہنمیوں سے پوچھتے ہیں:

"ماسلککم فی سقر"؟

"کن اعمال کی وجہ سے تم جہنم میں گئے"؟

جہنمی اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"لم نک من المصلین ولم نک نطعم المسکین ٥ الخ" (مدثر۔۳۸۔۳۶)
"(اس لیے کہ) ہم نمازی نہیں تھے اور نہ مسکین کو کھانا کھلاتے تھے۔"

مساکین کو محروم کرنے کا نتیجہ

سورہ القلم میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کا باغ پھلوں سے لدا ہوا تھا۔ انہوں نے سوچا کہ اگر دن کو ہم نے پھل توڑے تو بہت سے فقراء ومساکین پہنچ جائیں گے۔ کیوں نہ ہم رات کو ہی سارے پھل توڑ لیں۔ چنانچہ یہ لوگ رات ہی کو پھل توڑنے اپنے باغ میں پہنچے۔ اس حکم خداوندی سے سارا باغ جل کر راکھ ہو چکا تھا۔ باغ پر نظر پڑتے ہی ان لوگوں نے واویلا شروع کیا۔ پہلے سوچا شاید ہم بھٹک کر دوسری جگہ آ پہنچے۔ پھر سمجھ میں آیا کہ نہیں باغ تو ہمارا ہی ہے، لیکن ہماری بدنیتی کا یہ پھل مل رہا ہے۔ لگے ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے، پھر توبہ اور انابت کی توفیق نصیب ہوئی اور اپنی سرکشی کا اعتراف کیا۔

"فطاف علیهم طائف من ربک وهم نائمون ٥ فاصبحت کالصریم ٥ فتنادوا مصبحین ٥ ان اغدوا علیٰ حرثکم ان کنتم صارمین ٥ فانطلقوا وهم یتخافتون ٥ ان لا یدخلنها الیوم علیکم مسکین ٥ وغدوا علی حرد قادرین ٥ فلما راوها قالوا انا لضالون ٥ بل نحن محرومون ٥ قال اوسطهم الم اقل لکم لولا تسبحون ٥ قالوا سبحٰن ربنا انا کنا ظٰلمین ٥ فاقبل بعضهم علیٰ بعض یتلاومون ٥ قالوا یٰویلنآ انا کنا طٰغین ٥ عسیٰ ربنآ ان یبدلنا خیرا منهآ انا الیٰ ربنا راغبون ٥ کذٰلک العذاب ولعذاب الاٰخرة اکبر م لو کانوا یعلمون ٥" (القلم۔۱۹۔۳۳)

"پھر پھیرا کر گیا اس پر کوئی پھیرا کرنے والا، تیرے رب کی طرف اور وہ سوتے ہی رہے، جیسے ٹوٹ چکا۔ پھر آپس میں صبح ہوتے ہی ایک دوسرے سے بولے کہ سویرے چلو اپنے کھیت پر۔ اگر تم کو توڑنا ہے۔ پھر چلے اور آپس میں کہتے تھے چپکے چپکے، کہ اندر نہ آنے پائے اس میں آج تمہارے پاس کوئی محتاج، اور سویرے چلے لپکتے زور کے ساتھ۔ پھر جب اس کو دیکھا۔ بولے ہم تو راہ بھول آئے۔ نہیں ہماری تو قسمت پھوٹ گئی۔ بولا بچلا ان کا، میں نے تم کو نہ کہا تھا کہ ہم نہیں پاکی بولتے اللہ کی۔ بولے پاک ذات ہے ہمارے رب کی۔ ہم ہی تقصیر وار تھے۔ پھر منہ کر کے ایک دوسرے کی طرف لگے الاہنا دینے۔ بولے ہائے خرابی ہماری۔ ہم ہی تھے حد سے بڑھنے

والے۔ شاید ہمارا رب بدل دے ہم کو۔ اس سے بہتر ہم اپنے رب سے آرزو رکھتے ہیں۔ یوں آتی ہے آفت اور آخرت کی آفت تو سب سے بڑی ہے، اگر ان کو سمجھ ہوتی''۔

غریبوں کی امداد واعانت کے لیے دوسروں کو متوجہ کرنا

مسکینوں اور فقراء کے دکھ کو محسوس کرنا، بھوکے، ننگے انسانوں کی مدد کے لیے کھڑا ہونا تو فرض ہے ہی لیکن محض اسی قدر کافی نہیں، بلکہ ضروری ہے کہ دوسروں کو بھی اس کارخیر کے لیے ابھارتا رہے، اور فقر وافلاس کی بیماری کو دور کرنے کے لیے تدبیریں کرتا رہے۔ اس لیے قرآن نے بڑے موثر اور بین انداز میں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے، جو مسکینوں کی اعانت پر دوسروں کو دھیان نہیں دلاتے۔ قرآن کی مکی سورت ''سورۃ الحاقہ'' میں ''اصحاب الشمال'' کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ: ''وہ لوگ جن کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے، وہ حسرت وافسوس کے ساتھ کہیں گے۔ ہائے ہمارا مال، ہمارے کام نہ آیا'' اور اللہ تعالیٰ ذلت ورسوائی کے سخت عذاب میں انہیں مبتلا فرمائے گا اور کہے گا کہ:

''انه كان لا يومن بالله العظيم ولا يحض علىٰ طعام المسكين o''

''بے شک وہ یقین نہ لاتا تھا اللہ پر جو سب سے بڑا ہے، اور تاکید نہ کرتا تھا مسکین کے کھانے پر۔''

''سورۃ الفجر'' میں مشرکین مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا:

''كلا بل لا تكرمون اليتيم oولا يحضُّون علىٰ طعام المسكين o''

''ہرگز نہیں پر تم عزت سے نہیں رکھتے یتیم کو اور تاکید نہیں کرتے آپس میں محتاج کے کھلانے کی۔''

یہاں یتیم کی عزت نہ کرنا اور بھوکے انسانوں کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو متوجہ نہ کرنا شدید جرائم میں شمار کیا گیا، اور اس طرف اشارہ کیا گیا کہ محض اتنا کافی نہیں ہے کہ ایک شخص کسی بھوکے کو کھانا کھلا دے اور بس ...... بلکہ یہ ایسی اجتماعی ذمہ داری ہے جس کے لیے ایک دوسرے کو متوجہ کرتے رہنا ضروری ہے۔ یہی بھوکے ننگے انسانوں کی امداد واعانت کے لیے باہمی ترغیب دعوت ان تمام اجتماعی کوششوں کی تنظیم اور کمزور وپسماندہ طبقہ کی فلاح کی اجتماعی کفالت کی خاطر کی

جانے والی جدو جہد کے لیے اساس کا درجہ رکھتی ہے۔

قیامت کے دن کو جھٹلانے والے لوگ کون ہیں؟ قرآن کہتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کو دھکے دیتے ہیں اور مساکین کے کھلانے کی طرف لوگوں کو رغبت نہیں دلاتے۔

"ارایت الذی یکذب بالدین ○فذالک الذی یدع الیتیم ○ولا یحض علیٰ طعام المسکین○" (ماعون)

"تونے دیکھا اس کو جو جھٹلاتا ہے انصاف ہونے کو۔ سو یہ وہی ہے جو دھکے دیتا ہے یتیم کو، اور نہیں تاکید کرتا محتاج کے کھانے پر۔"

زکوٰۃ کی ادائیگی احسان نہیں "حق" ہے

سورہ "ذاریات" میں اللہ کے ان پسندیدہ بندوں کا ذکر کیا گیا ہے جو جنت اور نعیم کے مستحق ہیں، اور انکی ایک خاص صفت یہ ذکر کی گئی ہے کہ ان کے مال میں ان انسانوں کا بھی حق ہوتا ہے جو خود اپنی کفالت نہیں کر سکتے، اور وسائل معاش سے محروم ہیں، یہ تصور کہ ہم جو کچھ کھاتے ہیں وہ صرف ہمارے لیے نہیں بلکہ اس میں معاشی حیثیت سے پسماندہ اور افلاس زدہ انسانوں کا بھی حق ہے، ایک عظیم الشان انقلابی تصور ہے، جہاں یہ تصور ہوگا، وہاں دینے والا دوسروں کا واجب حق دے رہا ہے اور لینے والا اپنا حق وصول کر رہا ہے۔ اس طرح ایثار، بے غرضی ہمدردی اور عزت نفس کی اعلیٰ قدروں کی طرف انسان متوجہ ہوتا ہے۔ دینے والا یہ نہیں سمجھتا ہے کہ وہ کسی پر کوئی احسان کر رہا ہے اور لینے والا یہ نہیں خیال کرتا ہے کہ وہ کسی کی بھیک پر زندگی گذار رہا ہے۔

"وفی اموالھم حق للسائل والمحروم ○" (ذاریات)

"ان کے مال میں حق ہے سائل اور محروم کے لیے۔"

سورۃ "المعارج" میں انسان کی فطری کمزوریوں کا ذکر کیا گیا اور وہ یہ کہ انسان جب کسی مصیبت اور نقصان سے دوچار ہوتا ہے تو جزع فزع کرنے لگتا ہے اور جب خدا کی طرف سے اسے نعمتیں ملتی ہیں تو پھر وہ کسی کو ان نعمتوں میں سے کچھ دینے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا۔

لیکن بتایا گیا کہ مومن اپنی اخلاقی قوتوں، خداترسی اور عبدیت کی صفات کی وجہ سے ان فطری کمزوریوں پر قابو پالیتا ہے اور نتیجہ میں اس کے مال و دولت میں سائل و محروم کے لیے ایک

متعین اور معلوم حق محفوظ ہو جاتا ہے۔

"ان الانسان خلق هلوعا ٥اذا مسهُ الشر جزوعا ٥واذا مسهُ الخير منوعا ٥الا المصلين الذين هم علىٰ صلاتهم دائمون والذين في اموالهم حق معلوم٥ للسائل والمحروم٥" (المعارج:۱۹۔۲۵)

"بے شک انسان جی کا کچا پیدا کیا گیا ہے، جب اس کو کوئی مصیبت پہنچے تو بے صبر ہو جاتا ہے اور جب بھلائی اسے ملے تو بے توفیقا بن جاتا ہے، (اور خیر کو روکنے لگتا ہے) مگر وہ نمازی جو اپنی نماز پر قائم اور پابند ہیں اور وہ لوگ جن کے مال میں سائل ومحروم کا حصہ مقرر ہے۔"

یہ سورت مکی ہے، بظاہر ان مکی سورتوں کے مطالعہ سے یہ معلوم تا ہے کہ زکوٰۃ کسی نہ کسی صورت میں مکی عہد میں بھی موجود تھی۔ اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مکی عہد میں بھی مسلمانوں کے مال میں کچھ معلوم ومتعین حصہ فقراء ومفلسین کے لیے خاص تھا، لیکن تاریخی شواہد سے یہ بات ثابت ومحقق ہے کہ نصاب کی تعیین، زکوٰۃ میں واجب حصہ کے تعین اور دوسری تفصیلات کے ساتھ زکوٰۃ کی باضابطہ فرضیت مدینہ منورہ میں ۲ھ میں ہوئی اور اسی طرح زکوٰۃ کی باضابطہ وصولی کا امام کی طرف سے نظم، عمال ومحصلین کا تقرر عہد مدنی میں ہوا۔ غرض زکوٰۃ ایک باضابطہ مالیاتی نظام کی حثیت سے مدنی عہد میں نافذ ہوئی۔ اس لیے مکی عہد میں نازل ہونے والی اس آیت کا مفہوم یہ لینا ہوگا کہ ہر شخص نے اپنے مال اور اپنی کمائی کا ایک خاص حصہ غریبوں کمزوروں مفلسوں کے لیے بطور خود متعین کر رکھا تھا۔ اسی متعین حصہ کو قرآن یہاں "حق معلوم" سے تعبیر کر رہا ہے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

الاکثرون علىٰ ان المراد بالزكوٰة ههنا زكوٰة الاموال مع ان هذه الأية مكة وانما فرضيت الزكوٰة بالمدينة في سنة اثنين من الهجرة والظاهر ان التي فرضت بالمدينة انما هي ذات النصب والمقادير الخاصة والا انا لظاهر ان اصل الزكوٰة كان واجبا بمكة قال تعالىٰ في سورة الانعام . وهي مكية "واتوا حقه يوم حصاده" (ج:۳/۲۳۴۔۲۳۹)

"اکثر فقہاء کی روایت یہ ہے کہ اس جگہ زکوٰۃ سے مراد مال کی زکوٰۃ ہے حالانکہ یہ آیت مکی ہے اور جز ایں نیست کہ زکوٰۃ کی فرضیت مدینہ میں ۲ھ میں ہوئی۔ اور ظاہر یہ ہے کہ جو شئی مدینہ میں فرض قرار دی گئی ہے نصاب اور مقدار معین ہے۔ ورنہ یہ ہے کہ

اصل زکوٰۃ مکہ ہی میں واجب قرار دی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ سورۃ ''الانعام'' میں فرمایا ہے، اور یہ سورہ مکی ہے ''واتوا حقه یوم حصاده'' اور ادا کرو ان کا حق جس دن ان کو کاٹو۔''

اسی طرح بعض اور مکی سورتوں میں مفلسوں کو دی جانے والی اس امداد کو ''حق'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا اور اس طرح یہ بتا دیا گیا کہ یہ امداد و اعانت محض ایک تبرع اور نفل کا درجہ نہیں رکھتی، بلکہ یہ ایک حق ہے جس کی ادائیگی فرض ہے۔

''وات ذاالقربیٰ حقه والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا ٥'' (الاسراء ۲٦)

''اور دے قرابت والے کو اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو اور مت فضول خرچی کرے جا''

''فاٰت ذاالقربیٰ حقه والمسکین وابن السبیل ذالک خیر للذین یریدون وجه الله'' (الروم۔۳۸)

''اور دے قرابت دار کو اس کا حق اور مسکین کو اور مسافر کو یہ بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں''۔

اور یہ نہیں کہ سونے چاندی اور اموال تجارت میں زکوٰۃ ہے بلکہ یہ حق تمہارے کھیتوں اور باغات میں بھی ہے، چنانچہ سورہ ''انعام'' میں فرمایا گیا اور یہاں اسے اللہ کا حق قرار دیا گیا۔

''وهوالذی انشاء جنٰت معروشات وغیر معروشات والنخل والزرع مختلفا اکله والزیتون والرمان متشابها وغیر متشابه کلوا من ثمره اذا اثمروا اٰتوا حقه یوم حصاده ولاتسرفوا انه لا یحب المسرفین ٥'' (الانعام:۱۴۱)

''اور اسی نے پیدا کئے باغ جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے ہیں اور کھجور کے درخت اور کھیتی کہ مختلف ہیں ان کے پھل اور پیدا کیا زیتون کو اور انار کو ایک دوسرے کے مشابہ اور جدا جدا بھی۔ کھاؤ ان کے پھل میں سے جس وقت پھل لاویں اور ادا کرو ان کا حق جس دن ان کو کاٹو۔ اور بے جا خرچ نہ کرو بے شک وہ پسند نہیں کرتا ہے، بے جا خرچ کرنے والوں کو۔''

قرآن کریم کی بعض اور مکی آیات ہیں جس میں زکوٰۃ کا ذکر مختلف بلیغ تعبیرات میں کیا گیا ہے، ربوٰ (سود) اور زکوٰۃ کے اثرات کا فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

''وما اٰتیتم من رباً لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عند الله وما اٰتیتم من زکوٰة تریدون وجه الله فاولئک هم المضعفون ٥'' (روم:۳۹)

''اور جو تم دیتے ہو بیاج پر کہ بڑھتا رہے لوگوں کے مال میں، تو وہ نہیں بڑھتا اللہ کے یہاں، اور جو تم دیتے ہو پاک دل سے چاہ کر رضامندی اللہ کی۔ سو یہ وہی ہیں جن کے دوگنا ہوئے۔''

صاحب ایمان لوگوں میں کیا خوبی ہوتی ہیں ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا:

''تلک ایٰت القراٰن و کتاب مبین ○ ھدی وبشریٰ للمومنین الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم بالاٰخرۃ ھم یوقنون ○'' (النمل: ا۔۳)

''یہ آیتیں ہیں قرآن اور کھلی کتاب کی۔ ہدایت اور خوشخبری ہے ایمان والوں کے لیے جو قائم کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں......''

سورہ لقمان میں ارشاد فرمایا گیا:

''ھدی ورحمۃ للمحسنین ○ الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ''۔ (لقمان: ۴)

''ہدایت اور رحمت ہے احسان کرنے والوں کے لئے جو قائم کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ۔''

سورہ مومنین میں فرمایا گیا: ''والذین ھم للزکوٰۃ فاعلون ○''

''اور جو لوگ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔''

اللہ کی رحمت بے پایاں کے مستحق کون لوگ ہیں؟ ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا:

''ورحمتی وسعت کل شئی فساکتبھا للذین یتقون ویوتون الزکوٰۃ والذین ھم بایٰتنا یؤمنون ○'' (اعراف ۱۵۶)

''اور میری رحمت وسیع ہے، ہر شئے پر، پس میں مقرر کردوں گا ان لوگوں کے لیے جو ڈرتے ہیں اور جو لوگ کہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں۔''

شرک اور اہل شرک کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

''فویل للمشرکین الذین لا یؤتون الزکوٰۃ وھم بالاٰخرۃ ھم کافرون ○

''پس خرابی ہے ان مشرکین کے لیے جو زکوٰۃ نہیں ادا کرتے ہیں اور آخرت کا انکار کرتے ہیں.........''

غرض یہ کہ عہد مکی میں نازل ہونے والی ان آیات میں زکوٰۃ نامی اس حق مال کا تذکرہ مختلف انداز میں کیا گیا جو ہر مسلمان کے مال میں غریبوں، مفلسوں اور معاشی حیثیت سے پسماندہ لوگوں کے لیے واجب ہے، ان آیات میں زکوٰۃ کی وجہ سے مال میں برکت۔ زکوٰۃ اور نماز کا خاص رشتہ ہے جو ایمانی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ زکوٰۃ ادا نہ کرنا مشرکین کی خصوصیت اور زکوٰۃ کا

ذریعہ فلاح ہونا وغیرہ ذکر کیا گیا ہے۔

مدنی عہد اور زکوٰۃ کی باضابطہ فرضیت:

زکوٰۃ کی فضیلت، زکوٰۃ کے فائدے، زکوٰۃ نہ دینے کی مذمت، ان مکی آیات میں بار بار ذکر کی گئیں........لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی کا باضابطہ حکم مدینہ منورہ میں نازل ہوا۔

"واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وماتقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ ان اللہ بما تعملون بصیر ○" (البقرہ:۱۱۰)

"اور قائم کرو نماز کو اور ادا کرو زکوٰۃ کو اور جو تم پہلے بھیجو گے اپنے نفس کے لیے خیر میں سے تم اسے اللہ کے نزدیک پاؤ گے۔ بے شک اللہ، جو تم عمل کرتے ہو اس کو دیکھتا ہے۔"

اس آیت میں نماز و زکوٰۃ کا حکم (صیغۂ امر) دیا گیا۔ جو فرضیت کی دلیل ہے۔ دوسری بات یہ فرمائی گئی کہ نماز کی صورت میں ہو یا زکوٰۃ کی صورت میں جو نیکی بھی تم کرو گے یہ ضائع نہیں ہوگی۔ بلکہ تمہارے یہ نیک کام اللہ کے پاس تمہیں محفوظ ملیں گے۔ اور اس کا اجر تمہیں وافر ملے گا، اور پھر آخر میں یہ ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ کی نگاہوں سے نہ کوئی عمل مخفی ہے اور نہ کسی عمل کرنے والے کی نیت چھپی ہوئی ہے، پس اگر اخلاص کے ساتھ اور پورے آداب کی رعایت کرتے ہوئے نماز ادا کی جائے یا زکوٰۃ دی جائے، تو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ اس عمل کو ضائع نہیں ہونے دے گا، اور اگر نیت خالص نہ ہو یا آداب کی رعایت نہ کی جائے یا اوقات کی پابندی نہیں کی جائے یا اللہ کے یہ احکام بجا نہیں لائے گئے تو یاد رکھو! کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس کی دور بین نگاہوں سے تم اور تمہارے اعمال اور تمہارے ارادے چھپے نہیں رہ گئے، تم مخلوق کو دھوکہ دے سکتے ہو، لیکن خدا کو فریب نہیں دے سکتے۔

سورہ بقرہ کی دوسری آیت میں ارشاد فرمایا گیا:

"واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وارکعوا مع الراکعین ○"

"اور قائم کرو نماز اور ادا کرو زکوٰۃ اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ"۔

نماز کو پورے آداب کے ساتھ ادا کرنے، زکوٰۃ دینے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔

"یایھا الذین امنوا انفقوا من طیبٰت ما کسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض "(بقرہ۲۶۷)

"اے ایمان والو! خرچ کرو جو تم نے حاصل کیا پاک چیزوں میں سے اور اس چیز میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے۔"

اس آیت میں اموال کی حلال کمائی ہو یا کھیتیوں اور باغات کی پیداوار دونوں میں سے خرچ کرنا واجب وضروری ہے۔

سورہ "توبہ" میں خصوصیت کے ساتھ زکوٰۃ کے احکام تفصیل کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں۔ ابتدائی آیات میں ان کفار کا ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے عہد شکنی ۔ کے جرم کا ارتکاب کیا، اور انہیں چار مہینہ کی مہلت دیتے ہوئے یہ فرمایا گیا کہ اگر وہ تین شرطیں پوری نہ کریں تو ان سے جہاد کرو۔ پہلی شرط تو یہ کہ "وہ شرک سے توبہ کریں اور اللہ کی وحدانیت نیز رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دیں۔" دوسری شرط یہ ہے کہ "وہ نماز قائم کریں جو دراصل کفر واسلام کے درمیان وجہ امتیاز ہے"۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ "وہ زکوٰۃ ادا کریں۔" اگر یہ تین شرطیں یعنی کلمہ کے اقرار کے ذریعہ عقیدہ صالحہ کا اظہار۔ نماز کے ذریعہ حق بدنی اور زکوٰۃ کے ذریعہ حق مال ادا کردیں۔ تو پھر تم انہیں چھوڑ دو۔

"فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین ،حیث وجدتموھم وخذوھم واحصروھم واقعدوالھم کل مرصد ، فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلھم ان اللہ غفور رحیم ۝" (توبہ:۵)

"اور جب شہر حرام (یعنی رجب ، ذی قعدہ ، ذی الحجہ، محرم) ختم ہو جائیں تو قتل کرو مشرکین کو جہاں تم ان کو پاؤ، اور گھیر وان کو گھات لگا کر بیٹھو ان کے لیے ہر کمیں گاہ پر، پس اگر وہ توبہ کریں اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ تو چھوڑ دو ان کا راستہ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

ایک کافر مسلمانوں کی جماعت میں داخل اور ان کی اخوت دینی کا مستحق اسی وقت ہوسکتا ہے جب وہ شرک سے توبہ کرے، نماز قائم کرے، اور زکوٰۃ ادا کرے۔

"فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین ونفصل الأیات لقوم یعلمون ۝" (توبہ:۱۱)

"پس اگر توبہ کریں اور قائم کریں نماز اور دیں وہ زکوٰۃ تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیتوں کو اس قوم کے لیے جو علم رکھتی ہیں۔"

مساجد کو آباد کرنے والے جو اللہ کے یہاں ہدایت یافتہ اور مقبول بندے وہی ہیں جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان کے ساتھ نماز قائم کرنے والے اور زکوٰۃ دینے والے ہیں، اور اللہ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے۔

"انما یعمر مساجد اللہ من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ ولم یخش الا اللہ فعسیٰ اولٰئک ان یکونوا من المھتدین O" (توبہ:۱۸)

"بے شک وہی تعمیر کرتا ہے اللہ کی مسجدوں کو جو ایمان لائے اللہ پر اور قائم کرے نماز اور دے زکوٰۃ، اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرے، پس عنقریب وہی لوگ ہوں گے ہدایت یافتہ لوگوں میں۔"

اور جو لوگ سونا، چاندی جمع کرتے رہتے ہیں، لیکن اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہیں، وہ دردناک عذاب کے مستحق ہیں۔

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم Oیوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ماکنزتم لانفسکم فذوقوا ماکنتم تکنزون O" (توبہ:۳۴۔۳۵)

"اور جو لوگ گاڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہیں، سو ان کو خوشخبری سنادے دردناک عذاب کی، جس دن کہ آگ دہکائیں گے اس کے مال دوزخ کی۔ پھر داغیں گے اس سے ماتھے ان کے۔ اور کروٹیں اور پیٹھیں۔ (کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے گاڑ کر رکھا تھا، اپنے واسطے۔ اب مزہ چکھو اپنے گاڑنے کا"۔

اسی سورہ میں مصارف زکوٰۃ کا تفصیل سے ذکر کیا گیا اور اسے " فریضۃ من اللہ " قرار دیا گیا ہے۔

"انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم O" (توبہ:۶۰)

"زکوٰۃ جو ہے سو وہ حق ہے مفلسوں اور محتاجوں کا، اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والوں کا، اور جن کی تالیف قلوب منظور ہے، اور گردنوں کے آزاد کرانے میں، اور جو تاوان بھریں اور اللہ کے راستہ میں اور راہ مسافر کو فرض کیا ہوا ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ سب کو جاننے والا، حکمت والا ہے۔"

ملت اسلامیہ کن بنیادی عناصر سے تشکیل پاتی ہے؟ ان بنیادی عناصر کی فہرست میں امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اقامت صلوٰۃ، اور اطاعت خدا اور رسولؐ کے ساتھ ادائے زکوٰۃ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

"والمؤمنون والمؤمنٰت بعضھم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ ویطیعون اللہ ورسولہ اولئک سیرحمھم اللہ ان اللہ عزیز حکیم ہ" (توبہ:۷۱)

"اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں ایک دوسرے کی مددگار ہیں، سکھلاتے ہیں نیک بات اور منع کرتے ہیں بُری بات سے، اور قائم رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ، اور حکم پر چلتے ہیں اللہ کے اور اس کے رسولؐ کے۔ وہی لوگ ہیں ان پر رحم کریگا اللہ۔ بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔"

"بخلاف اس کے منافقین کی خصوصیت اور امتیاز یہ ہے کہ وہ بُرائی کا حکم کرتے ہیں نیکی سے روکتے ہیں، راہ خدا میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ روکتے ہیں اور اللہ کو بھول بیٹھے ہیں۔ اس لیے اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا ہے۔" (توبہ:۶۷)

اسی سورہ "توبہ" میں ایک اہم آیت نازل ہوئی، جس میں ایک خاص بات تو یہ فرمائی گئی کہ "مال کی تمام ہی قسموں میں زکوٰۃ ہے۔" اس لیے لفظ "اموال" استعمال کیا گیا جو مال و دولت کی تمام ہی اقسام پر مشتمل ہے، سونا، چاندی ہو یا نقد روپے ہوں، کھیتوں کی پیداوار ہو یا مویشی ہو، موروثی ہو، مال تجارت ہو، صنعت و حرفت کے ذریعہ حاصل کیا گیا ہو، ذہنی اور جسمانی محنت سے حاصل کیا گیا ہو، غرض یہ کہ مال کی تمام ہی اقسام زکوٰۃ کے محل ہیں۔

دوسری اہم بات اس آیت میں یہ کہ زکوٰۃ کی وصولی کے اجتماعی نظم کا حکم فرمایا گیا، اور امام و امیر کو یہ حکم فرمایا گیا کہ وہ لوگوں کے اموال میں سے زکوٰۃ وصول کرے۔ چنانچہ اس آیت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مسلمانوں کے جماعتی نظام میں نقطہ مرکزی تھے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا:

"خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم ان صلوتک سکن لھم واللہ سمیع علیم ہ" (توبہ:۱۰۳)

"لے ان کے مال میں سے زکوٰۃ کہ پاک کرے تو ان کو اور بابرکت کرے تو ان کو اس کی وجہ سے
اور دعاء دے ان کو بے شک تیری دعاء ان کے لیے تسکین ہے اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے۔"

مذکورۃ الصدر آیات قرآنی زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے قطعی اور یقینی دلائل ہیں۔ اسی لیے فقہائے امت اور ائمہ مجتہدین کا از سلف تا خلف اس پر اجماع ہے کہ زکوٰۃ ایک ایسا فرض ہے۔ جس کی فرضیت کا منکر کافر ہے۔

زکوٰۃ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

زکوٰۃ کی فرضیت، اس کی تاکید اس کے نصاب کی تفصیلات اور دیگر متعلق امور کے بارے میں بے شمار احادیث وارد ہوئی ہیں، مجموعی طور پر یہ احادیث حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ بخاری و مسلم نے متفقہ طور پر سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اسلام" کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔

(۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

(۲) نماز قائم کرنا۔

(۳) زکوٰۃ دینا۔

(۴) حج کرنا۔

(۵) رمضان کا روزہ رکھنا۔

مشرکین عرب سے قتال و جہاد کب تک واجب ہے؟ اور ان کے جان و مال کے معصوم قرار دیئے جانے کی کیا شرطیں ہیں؟ اس سلسلہ میں حکم ربانی کی تشریح فرماتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اُسوقت تک جہاد کروں جب تک کہ وہ اس کی گواہی نہ دے دیں کہ "اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ دیں" جب لوگ یہ تین کام کرلیں تو ان کی جان اور ان کا مال محفوظ

ومعصوم ہو جائے گا اور یہ کہ قوانین اسلامی کی رو سے ان کی جان و مال پر کچھ عائد ہو اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔'' (بخاری۔ مفہوم حدیث)

مشہور حدیث، حدیث جبرئیلؑ میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، رمضان کا روزہ رکھو، اور اگر خانہ کعبہ تک جانے کی صلاحیت ہو تو حج کرو۔'' (مسلم)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا والی اور قاضی بنا کر بھیجا تو انہیں یہ ہدایت فرمائی:

''تم ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں۔ پس انہیں اس کی دعوت دینا کہ وہ اللہ کی وحدانیت اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیں۔ پس اگر وہ لوگ تمہاری یہ دعوت قبول کر لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ نے ان پر رات و دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ پس اگر وہ لوگ تمہاری یہ بات بھی مان لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ نے ان لوگوں پر صدقہ فرض کیا ہے، جو ان کے مالداروں سے لیا جائے گا اور ان کے فقراء کو لوٹا دیا جائے گا۔ پس اگر وہ یہ بات مان لیں تو پھر زکوٰۃ کی وصولی کے وقت ان کے نفیس ترین اموال لینے سے پرہیز کرنا۔ اور دیکھو! مظلوم کی بددعاء سے بچتے رہنا۔ اس لیے کہ دعائے مظلوم اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔'' (بخاری و مسلم)

مذکورۃ الصدر احادیث سے از روئے شرع اسلام میں زکوٰۃ کا فرض ہونا واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ کی فرضیت جس طرح آیات قرآنی سے ثابت ہے اسی طرح بے شمار احادیث صحیحہ سے بھی زکوٰۃ کی فرضیت ثابت ہے۔

اجماع اور قیاس

زکوٰۃ کی فرضیت اور اس کا رکن اسلام ہونا ان چند مسائل میں سے ایک ہے جن پر عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک ہر دور اور ہر قرن کے علماء ہر ملک اور ہر شہر میں ایک رائے رہے ہیں، اس لیے یہ ''اجماع متواتر'' بھی زکوٰۃ کی فرضیت پر حجت ہے، چنانچہ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

''زکوۃ کی فرضیت پر دلیل، کتاب وسنت اور اجماع ہے۔'' (بدائع: جلد۲۔زکوۃ)

ابن رشد (ص: ۵۹۰) فرماتے ہیں کہ: ''زکوۃ کے ضروری ہونے کا علم ......تو یہ کتاب وسنت اور اجماع سے معلوم ہے۔اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔''

علامہ مرغینانی صاحب ہدایہ کہتے ہیں: ''زکوۃ کی فرضیت پر آیت قرآنی ''ا تو الزکوۃ'' اور ارشاد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ....دلیل ہے،اور اس پر امت کا اجماع ہے۔'' (ہدایہ:۱/۱۶۵)

الجوہرۃ النیر ہ میں ہے: زکوۃ ''فریضہ محکم'' ہے جس کی فرضیت کتاب اللہ، سنت متواترہ اور اجماع متواترہ سے ثابت ہے ....اور اس کے فرض ہونے پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر اب تک اجماع منعقد ہے۔ (الجوہرۃ النیر ۃ:۱۴۶)

عقل وقیاس کا بھی تقاضہ ہے شکر بقدر نعمت واجب ہو،جس کو اللہ نے مال ودولت کی نعمت سے نوازا ہو،اس پر فرض ہے کہ وہ اس نعمت کا شکر ادا کرے اور اپنے مال میں سے مال نکال کر حق خدا کا ادا کرے، اس طرح یہ بھی غور کرے کہ خدائے کریم نے ہمارے فقر ومحتاجی پر رحم کھا کر ہمیں دیا اور غنی بنایا تو ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم خدا کی دوسری فقیر مخلوق کو اپنے غنا سے فائدہ پہنچائیں.....

خلاصۂ بحث

بہر حال خلاصہ یہ کہ کتاب اللہ کی پچاسوں آیات، بے شمار احادیث نبویؐ اور اجماع امت وتقاضۂ عقل اس پر دلیل ہے کہ زکوۃ فرض ہے،اس کی فرضیت قطعی ہے،اس کا منکر کافر ہے،فرضیت تسلیم کرے، لیکن کوئی جماعت اجتماعی طور پر ادائیگی سے انکار کرے تو اس جماعت سے جہاد واجب ہے، سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نماز وزکوۃ کو ساتھ ملا کر ذکر فرمایا:

''واللہ لا قاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ .''

خدا کی قسم میں ان لوگوں سے جہاد کروں گا جو نماز وزکوۃ میں فرق کرنا چاہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ''زکوۃ فریضہ محکمہ ہے اس کا منکر کافر ہو جاتا ہے،اور ان لوگوں کے ساتھ جو زکوۃ کی ادائیگی سے انکار کریں جہاد کیا جائے گا۔''

دوسرا باب

زکوٰۃ کے فضائل اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا برُا نتیجہ

یہ جان لینے کے بعد کہ زکوٰۃ اسلام کے اہم ترین ارکان میں سے ایک رکن ہے کتاب اللہ کی متعدد آیات اور احادیث صحیحہ اس کے فرض ہونے پر دلیل ہیں۔ ساری امت کا ہر دور میں اس کے ضروری ہونے پر اجماع رہا ہے، اس کا منکر کافر اور تارک فاسق ہے، عقل انسانی بھی منعم کے شکر اور احسان کا حق ادا کرنے کا مطالبہ کرتا ہے، افلاس و محرومی کی آفت میں انسانیت کی ذمہ داری بھی یہی ہے کہ اپنی دولت کا ایک حصہ غریبوں، مفلسوں اور سماج کے کمزور طبقہ کے لئے خاص کر دیا جائے، اس طرح یہ سب جان لینے کے بعد دیکھنا چاہئے کہ اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں زکوٰۃ ادا کرنے کا اجر اور اس کا دنیوی نیز اخروی فائدہ کیا ہے، اسی طرح زکوٰۃ ادا نہ کرنے سے دنیا اور آخرت میں کیا کیا نقصانات ہو سکتے ہیں۔

اللہ کے راستہ میں خرچ کیا ہوا مال واپس ہونے والا قرض ہے اور مال میں زیادتی اور برکت کا ذریعہ ہے

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ وصدقات اور اپنی راہ میں خرچ کئے جانے والے مال کو ''قرض'' قرار دیا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ قرض اللہ تعالیٰ کو دیا گیا ہے جو ادائیگی میں پکا ہے اور وہ نہ صرف یہ کہ بندوں کا دیا ہوا مال پورا پورا لوٹا دیتا ہے، بلکہ اسے کئی گونہ اضافہ کر کے واپس کرتا ہے اور یہ بھی واضح فرما دیا گیا ہے کہ اللہ ہی کے اختیار میں روزی کشادہ کرنا اور تنگ کرنا ہے اور سب کو خدا ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

''من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضعفه له اضعافا کثیراً و اللہ یقبض ویبسط والیه ترجعون ○'' (بقرہ:۲۴۵)

''کون شخص ہے ایسا جو کہ قرض دے اللہ کو اچھا قرض، پھر دوگنا کر دے اللہ اس کو کئی گنا اور اللہ ہی تنگی کر دیتا ہے اور وہی کشائش کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''

ایک خرچ کیجئے اور سات سو پایئے

ارشاد ربانی ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والا اس کسان کی طرح ہے جو گیہوں کا ایک

دانہ کھیت میں ڈالتا ہے، جس میں سات خوشے لگتے ہیں اور ہر خوشے سے سو دانے پیدا ہوتے ہیں اس طرح ایک کے بدلے سات سو پاتا ہے۔

”مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنا بل فی کل سنبلۃ مأۃ حبۃ واللہ یضٰعف لمن یشاء واللہ واسع علیم O“ (بقرہ:۲۶۱)

”مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اپنے مال کہ جیسے ایک دانہ اس سے اگیں سات بالیں، ہر بال میں سو دانے اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے اور اللہ بے انتہا بخشش کرنے والا ہے، سب کچھ جانتا ہے۔“

اللہ خود وسعت والا ہے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں، اس لیے ایک کے بدلے وہ ہزاروں ہزار بھی دیدے تو حیرت کی بات نہیں، پھر یہ کہ وہ علیم بھی ہے، جو دلوں کے بھید کو جانتا ہے، اس لیے خرچ کرنے والے کے اخلاص اور دلی جذبہ سے وہ خوب واقف ہے، اور قلب میں مستور جذبہ کی قدر و قیمت کے مطابق ہی وہ اجر بھی دیتا ہے۔

سود سے مال نہیں بڑھتا ہے، البتہ زکوٰۃ سے بڑھتا ہے

سود سے مال میں جو بظاہر زیادتی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں وہ زیادتی نہیں بلکہ درحقیقت ایسے ہی ہے جیسے جسم میں ورم اور سوجن، ایک عام دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ آدمی موٹا ہو گیا ہے، لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ موٹاپا نہیں محض سوجن اور بیماری ہے، اس کے برخلاف زکوٰۃ میں بظاہر مال گھٹتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دراصل اپنے سرمایہ میں اضافہ کرنے والے وہی لوگ ہیں جو اللہ کی رضا کے لیے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

”وما اٰتیتم من ربا لیربو فی اموال الناس فلا یربوا عند اللہ وما اٰتیتم من زکوٰۃ تریدون وجہ اللہ فاولٰئک ھم المضعفون O“ (روم: رکوع:۳۹)

”جو تم دیتے ہو بیاج پر کہ بڑھتا ہے لوگوں کے مال میں سو وہ نہیں بڑھتا اللہ کے یہاں اور جو دیتے ہیں پاک دل سے چاہ کر رضا مندی اللہ کی سو یہ وہی ہیں جن کو دو گونہ دیا جائے گا۔“

باغ اگر کسی پہاڑی ٹیلہ پر ہو تو وہ بہر حال پھل لاتا ہے، بارش ہو تو وہ پانی اس کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے، اور بارش نہ ہو تو شبنم کے قطرے ہی اس کی آبیاری کرتے ہیں۔ اگر بارش ہو تو دو چند پھل آتے ہیں اور اگر بارش نہ ہو تو بھی شبنم کے اثر سے کچھ نہ کچھ پھل آ ہی جاتے ہیں، اس

لیے یہ باغ ہر حال میں پھل لاتا ہے۔اسی طرح زکوٰۃ اور اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہوا مال ضائع نہیں ہوتا، بلکہ ہر حال میں نفع بخش ہے۔

"مثل الذین ینفقون اموالھم ابتغاء مرضات اللہ وتثبیتا من انفسھم کمثل حبة بربوة اصابھا وابل فاٰتت اکلھا ضعفین فان لم یصبھا وابل فطل واللہ بما تعملون بصیر O" (بقرہ، رکوع:۳۶)

"اور مثال ان کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی خوشی حاصل کرنے کو اور اپنے دلوں کو ثابت کر کے۔ایسی ہے جیسے ایک باغ ہے بلند زمین پر اس پر پڑا زور کا مینہ تو لایا وہ باغ اپنا پھل دو چند اور اگر نہ پڑا اس پر مینہ تو پھوار ہی کافی ہے اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتا ہے۔"

زکوٰۃ دینے والی جماعت ہر طرح کے خوف سے محفوظ رہتی ہے

قرآن کریم نے ایمان، عمل صالح، اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کو موجب اجر آخرت قرار دیا ہے، اور ساتھ ہی یہ وعدہ کیا ہے کہ ایسے لوگوں کو نہ کھونے کا غم ہوگا اور نہ مستقبل میں کوئی خطرہ۔ ظاہر ہے کہ آخرت میں ایسے لوگ ہر خوف وخطر سے محفوظ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص اجر وثواب کے مستحق تو ہوں گے ہی دنیا میں بھی زکوٰۃ کا نظام فقر وافلاس کی وجہ سے پیدا ہونے والے ان خطرات کو دور کرنے کا ذریعہ ہے، جو اجتماعی زندگی کو درہم برہم کر دیتے ہیں، امن عامہ ختم ہو جاتا ہے، بداعمالیاں اور اخلاقی برائیاں معاشرہ میں پیدا ہو جاتی ہیں، عقائد متزلزل ہو جاتے ہیں۔

ایسے حالات میں زکوٰۃ کے نظام کے ذریعہ فقر وافلاس کے اس منحوس سایہ کو دور کرنا، دنیاوی زندگی میں بھی مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کو ہر خوف وغم سے محفوظ کرنے کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"ان الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ لھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولاھم یحزنون". (بقرہ ۲۷۷)

"بے شک جن لوگوں نے ایمان لایا اور عمل کیا اور نماز قائم کیا، اور زکوٰۃ ادا کیا۔ان کے لیے ان کا اجر ہے، ان کے رب کے نزدیک، اوران پر نہ ہوگا کوئی خوف اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

"الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سرا وعلانیة فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون O" (بقرہ ۲۷۴)

"اور جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو دن اور رات میں پوشیدہ اور کھلے، پس ان کے لیے ان کا اجر ہے، ان کے رب کے پاس، نہ ان پر کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

زکوۃ دفع بلیات کا ذریعہ ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"صدقہ کی ادائیگی میں جلدی کرو، اس لیے کہ بلائیں صدقہ کو پھاند کر تم تک نہیں پہنچ سکتیں"۔ (مشکوۃ، باب الانفاق عن علیؓ)

اللہ کے غضب کی آگ صدقہ سے بجھ جاتی ہے

حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"صدقہ رب کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور برے خاتمہ سے محفوظ رکھتا ہے"۔ (ترمذی)

صدقہ یوم قیامت میں سایہ کا کام دے گا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"قیامت کے دن مومن کا سایہ اس کا صدقہ ہوگا"۔ (رواہ احمد، عن مرشد بن عبد اللہ)

زکوۃ..... تکمیل اسلام کا ذریعہ ہے

"تمہارے اسلام کی تکمیل یہ ہے کہ تم اپنے مالوں کی زکوۃ ادا کرو"۔

(کنز المسائل عن علقمہ بن ناجیہ: ۳/۲۴۹)

صدقہ برائیوں کے سدباب کا ذریعہ ہے

رافع بن خدیجؓ راوی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "صدقہ برائی کے ستر دروازوں کو بند کرتا ہے۔" (الترغیب والترہیب: ۱۶۱)

صدقہ جہنم سے آزادی کا ذریعہ ہے

حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''صدقہ دو اس لیے کہ صدقہ تمہارے لیے جہنم سے آزادی اور رہائی کا ذریعہ ہے''۔

(ترغیب وترہیب)

صدقہ عمر میں زیاتی کا ذریعہ ہے

حضرت عمر بن عوفؓ راوی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مسلمان کا صدقہ کرنا ''عمر'' میں زیادتی کا ذریعہ ہے، سوء خاتمہ سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ فخر وغرور کو دور فرماتا ہے''۔ (ترغیب وترہیب:۱۶۱)

زکوٰۃ اجتماعی فلاح اور فقر وافلاس کے ازالہ کا ذریعہ ہے

سیدنا علیؓ ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں:

''اللہ نے سرمایہ داروں کے مال میں اتنا صدقہ واجب فرمادیا ہے جو فقراء کے لیے کافی ہوجائے، اب اگر کوئی بھوکا، ننگا اور پریشان حال ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سرمایہ داران کا حق ادا نہیں کرتے، پس اللہ کو حق ہے کہ وہ قیامت کے دن سرمایہ داروں سے حساب لے اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر انہیں عذاب دے''۔ (کنزل العمال۔صدق:۳۰۰)

باب سوم

زکوٰۃ ادا نہ کرنا آخرت میں سخت عذاب کا ذریعہ ہے

زکوٰۃ ادا کرنا جس طرح موجب اجر وثواب ہے اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی سے گریز اور اس مال حق کا ادا نہ کرنا دنیا وآخرت دونوں میں سخت عذاب کا موجب ہے، سونا، چاندی جمع رکھنا اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرنا کتنا بڑا جرم ہے اور آخرت میں اس کی کیا سزا بھگتنی ہوگی حسب ذیل ارشاد ربانی میں ملاحظہ کریں۔

"والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم ○ یوم یحمٰی علیھا فی نار جھنم فتکوٰی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون○" (توبہ:۵)

''اور جو لوگ گاڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی ان کو خوشخبری سنادے دردناک عذاب کی جس دن

کہ آگ دہکائیں گے اس مال پر دوزخ کی، پھر داغیں گے اس سے ان کے ماتھے اور کروٹیں اور پیٹھیں۔ کہا جائے گا یہ ہے جو تم نے گاڑ کر رکھا تھا اپنے واسطے۔ اب مزا چکھو اپنے گاڑنے کا۔"

انسان میں بخل کا مادہ ہے اور بخل کی وجہ سے وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا نہیں چاہتا۔ اور اسے اپنے لیے بہتر سمجھتا ہے، حالاں کہ حقیقت اس کے برعکس ہے، اولاً تو جس چیز کو وہ اپنی چیز سمجھتا ہے وہ اس کی نہیں ہے، سب کچھ اللہ کا ہے، دوسرے فقراء کے حقوق روک کر وہ اپنے مال کو گھن لگا رہا ہے اور قیامت کے دن اسے اس کا برا نتیجہ بھگتنا ہوگا۔

ولا یحسبن الذین یبخلون بما اٰتٰھم اللہ من فضلہ ھو خیر لھم بل ھو شر لھم سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیامۃ وللہ میراث السمٰوٰت والارض واللہ بما تعملون خبیر ○" (آل عمران)

"نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز پر جو اللہ نے ان کو دی ہے اپنے فضل سے کہ یہ بخل بہتر ہے ان کے حق میں بلکہ یہ بہت برا ہے ان کے حق میں، عنقریب طوق بنا کر ڈالا جائے گا، ان کے گلوں میں وہ مال جس میں بخل کیا تھا۔ قیامت کے دن اور اللہ وارث ہے آسمان اور زمین کا اور اللہ جو کرتے ہو جانتا ہے۔"

سخت عذاب

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جس کو اللہ نے مال دیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو یہ مال قیامت کے دن اس کے سامنے انتہائی زہریلا سانپ بن کر سامنے آئے گا، جو زہر کی تیزی کی وجہ سے چندلا ہوگا اور جس کے سر پر دو نقطے ہوں گے۔ یہ سانپ اس شخص کے گلے کا ہار بن جائے گا، پھر وہ اس شخص کے دونوں جبڑوں کو زور سے پکڑ لے گا اور کہے گا میں تمہارا مال ہوں میں تمہارا مال ہوں۔"

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد آیت "ولا یحسبن الذین یبخلون" الخ تلاوت فرمائی۔ (بخاری)

دوسری روایت میں ہے کہ:

دو عورتیں حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں، جن کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن

تھے۔ آپؐ نے پوچھا کہ کیا تم دونوں ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ دونوں نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا: ”کیا تم پسند کرو گی کہ اللہ تمہیں ان دونوں کے بدلے آگ کے کنگن پہنائے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ”پھر اس کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔“ (ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے انہوں نے میرے ہاتھ میں چاندی کے چھلے دیکھے تو پوچھا کہ عائشہ! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے آرائش کے لیے بنوایا ہے، فرمایا کیا اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ میں نے کہا نہیں، فرمایا کہ یہی تمہارے آگ میں جلنے کے لیے کافی ہوگا“۔ (ابوداؤد)

زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کا نہ ایمان مقبول ہے اور نہ نماز

یہ روایت حضرت انس اور حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا ہے جو زکوٰۃ ادا نہ کرے۔ یہاں تک کہ وہ دونوں کی ادائیگی کرنے لگے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز و زکوٰۃ دونوں کو جمع فرما کر ذکر کیا ہے۔ تم لوگ بھی دونوں کے درمیان فرق نہ کرو۔ (کنزالعمال)

دنیوی عذاب

زکوٰۃ ادا نہ کرنا جیسے آخرت میں سخت عذاب کا موجب ہے۔ اسی طرح اس کا اثر انسان کی دنیوی زندگی پر بھی غیر معمولی پڑتا ہے، اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے مختلف قسم کے عذاب نازل فرماتا ہے۔ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اس کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

زکوٰۃ نہ ادا کرنے سے بارش کی کمی

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ: ”حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ ”اے جماعت مجاہدین! جب تم لوگ پانچ برائیوں میں مبتلا ہو گے (اور خدا نہ کرے ایسا ہو) جب بھی کسی قوم میں زنا کاری اور بے حیائی اعلانیہ ہونے لگے گی ان میں طاعون اور ایسی بیماریاں عام ہو جائیں گی جو ان کے پچھلوں میں نہیں ہوئی تھیں۔ جب بھی لوگ

پ تول میں کمی کرنے لگیں گے، ان میں قحط، معاشی دشواریاں اور حکومت کے مظالم ہونے لگیں گے۔ اور جب بھی لوگ اپنے اموال کی زکوٰۃ دینا بند کر دیں گے آسمان سے بارش رک جائے گی اور جب بھی لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کیے گئے عہد توڑیں گے اللہ ان پر غیروں میں سے کسی دشمن کو مسلط فرمادے گا، جو ان کے قبضہ کی چیزوں پر قبضہ کریگا، اور جب مسلمان حکمران کتاب اللہ کی بنیاد پر فیصلے نہ کریں گے اور اللہ کے اتارے ہوئے قوانین کو قبول نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے باہم اختلاف اور جنگ وجدال پیدا کردے گا"۔ (ابن ماجہ۔ باب العقوبات: ۳۰۰)

زکوٰۃ نہ دینا مال کی ہلاکت کا ذریعہ ہے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "زکوٰۃ جس مال کے ساتھ ملے گی اسے ہلاک کردے گی"۔

(رواہ الشافعی والبخاری فی التاریخ والحمیدی۔ مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ الفصل الثانی)

زکوٰۃ نہ دینا مختلف آفات کے نزول کا ذریعہ ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب مال غنیمت (قومی دولت) کو لوگ ذاتی دولت بنالیں۔ کسی کی امانت کو مال غنیمت سمجھنے لگیں، زکوٰۃ کو جرمانہ تصور کریں، علم دین مفاد دنیاوی کے لیے طلب کیا جانے لگے، آدمی بیوی کی اطاعت، دوست کو قریب اور باپ کو دور کرنے لگے، ماں کی نافرمانی کرنے لگے، مسجد میں شوروغل ہونے لگے، سرداری فاسق کرنے لگیں، ذلیل قوم کے لیڈر ہونے لگیں، کسی شخص کی عزت اس کی شرارت کے ڈر سے کی جانے لگے، گانے والی عورتیں اور آلات لہو ولعب عام ہوجائیں، اس امت کے پچھلے پہلوں کو برا بھلا کہنے لگیں، تو ایسے وقت سرخ آندھی، زلزلہ، زمین میں دھنسنے، صورتوں کے مسخ ہوجانے، آسمان سے اولہ باری اور دوسری نشانیوں کا انتظار کرو جو اس طرح مسلسل آئیں گی جیسے کسی لڑی کا دھاگہ ٹوٹ جائے"۔

(ترمذی۔ باب ماجاء فی اشراط الساعۃ)

زکوٰۃ روکنے والوں کو قانونی سزا

زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے جس طرح آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف تکوینی سزائیں ان کو ملیں گی۔ اسی طرح وہ قانونی سزا اور تعزیر

کے بھی مستحق ہیں۔ اس لیے کہ زکوٰۃ ان کے مال میں افلاس زدہ طبقہ کا حق ہے۔ اور حق روکنا قابل تعزیر جرم ہے، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے زکوٰۃ اللہ کے یہاں اجر پانے کی نیت سے ادا کر دیا تو اسے اس کے اس عمل کا اجر وثواب ملے گا اور جس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی تو ہم اس سے اس کے مال کی زکوٰۃ تو لیں گے ہی ساتھ ہی ساتھ اس کی نصف دولت بھی لے لیں گے۔''

ہمارے رب کے احکام میں سے ایک حکم ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خاندان کے لیے اس مال میں سے کچھ بھی لینا حلال نہیں ہے۔

(احمد۔ نسائی۔ ابوداؤد من روایۃ بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ بیہقی فی سننہ: ۴/۱۰۵)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اولاً تو زکوٰۃ ایسا فریضہ ہے جس کی ادائیگی ہر ممکن اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا، نیز اجر آخرت کی طلب کے لیے خود کر دینا چاہیے، لیکن اگر کوئی شخص اس فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرے اور اس ذمہ داری سے گریز کرے تو حکومت اسلامیہ کو اختیار ہے کہ وہ جبراً زکوٰۃ کی وصولی کرے بلکہ بطور تعزیر اس کی آدھی دولت بحق سرکار ضبط کرے کہ یہ غریبوں کا حق مارنے والا اور اللہ کا ایسا ناشکرا بندہ ہے جو اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو چھپا کر اور اس میں واجب حقوق روک کر خود اپنے مال کے تحفظ کے بنیادی حق کو ضائع کر رہا ہے۔

واضح رہے کہ اس تعزیر مالی کے بارے میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں، لیکن محقق اور دل کو لگتی بات یہ ہے کہ اس حدیث کے ذریعہ امام وامیر کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کی نصف دولت ضبط کر سکتا ہے۔ البتہ یہ امام کی رائے پر ہے کہ وہ کن حالات میں اس تعزیری حکم کو جاری کرے اور کن حالات میں جاری نہ کرے۔

زکوٰۃ روکنے والوں سے جنگ

عذاب اخروی ودنیوی اور قانونی مالی تعزیر کے علاوہ شریعت اسلام کی رو سے ایسی قوم سے امیر پر جہاد واجب ہے جو اجتماعی طور پر زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کرے، وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر مومن کا مال اور اس کی جان بلاشبہ معصوم ہے، اور دستور اسلامی اس کے تحفظ کی گارنٹی دیتا ہے، لیکن اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ ایسا اہم فریضہ ہے جس سے گریز کے بعد جان ومال کے تحفظ کی

ضمانت ختم ہو جاتی ہے، اور جان و مال معصوم نہیں رہتے۔ اس لیے ایسی قوم کے خلاف جو اجتماعی طور پر اس جرم کی مرتکب ہو اعلان جنگ واجب ہے۔

ظاہر ہے کہ اسلام جان و مال کے تحفظ و عصمت اور حقوق کی حفاظت کو اولین اہمیت دیتا ہے۔ انہیں حقوق میں سے ایک حق سرمایہ داروں کے مال میں فقراء و مفلسوں کا حق ہے اس حق کو ہضم کر جانے کا رخ جب سرمایہ دار اپنائیں گے تو غریبوں کے حق کے لئے جنگ امیر کی ذمہ داری ہوگی۔ اس راہ میں اگر مجرموں کی جان جائے یا مال جائے تو ان سرکشوں نے خود ہی اپنے عمل سے اپنی جان اور مال کو حلال کر دیا ہے، اور اگر اس راہ میں مجاہدین کی جان جاتی ہے تو بھی یہ وہ خون ہے جو حکم خداوندی کے مطابق کمزور فاقہ کشی افلاس زدہ انسانوں کے حقوق کی خاطر اپنی جان پیش کرتا ہے اور ایسے لوگ شہید ہیں جو کبھی نہیں مرتے۔

اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت جسے بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے نص صریح کا درجہ رکھتی ہے، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: ”حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ توحید و رسالت کی شہادت دے دیں اور نماز قائم کریں نیز زکوٰۃ ادا کریں۔ اگر وہ اتنا کرلیں گے تو اپنی جان محفوظ کرلیں گے اور یہ کہ قانون اسلامی کا کوئی حق ان پر عائد ہو اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے.....اور اسی اصول پر صحابہ نے عمل بھی کیا، بلکہ یوں کہیے کہ تھوڑے سے اختلاف رائے کے بعد اس مسئلہ پر صحابہ کا اجماع ہو گیا، مانعین زکوٰۃ کے خلاف اعلان جنگ کیا جائے گا اور ان سے جہاد واجب ہے۔

خلیفہ اول سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے ابتدائی دور خلافت میں حکومت اسلامی چند در چند مشکلات مسائل کا شکار تھی ایک طرف ایران و روم کی عظیم الشان قوتیں اس نومولود اسلامی ریاست سے دو دو ہاتھ کرنے کو پر تول رہی تھیں۔ دوسری طرف نئے نئے مدعیان نبوت اپنے سیاسی عزائم کی تکمیل کے لیے اپنی قوتیں مجتمع کر رہے تھے۔ تیسری طرف مسلمانوں میں سے ایک طبقہ مدینہ کے سربراہ کو زکوٰۃ کی رقم ادا کرنے سے انکار کر رہا تھا، بعض صحابہ کی اس نازک صورت حال میں رائے یہ تھی کہ ان مانعین زکوٰۃ کو نہ چھیڑا جائے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ یہ مسلمان ہیں اور ان سے جہاد درست نہیں ہوگا، ان کی جان اور ان کا مال معصوم ہے۔ سیدنا عمر فاروقؓ کی پیش کردہ دلیل میں ہی وہ نکتہ

ڈھونڈ نکالا جس نے سیدنا عمر فاروقؓ کے ذہن کی گرہ کھول دی، اور انہوں نے یہ اعتراف کرلیا کہ مسلمانوں کے خلاف جہاد درست نہیں، لیکن یہ اسی وقت تک جب تک اسلام کے واجب کیے ہوئے حق سے وہ انکاری نہ ہوں۔ اور ''حق اسلام'' جس کا استثناء حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں کیا گیا ہے، محض قتل وزنا تک محدود نہیں بلکہ نماز کی اقامت اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے اجتماعی انکار بھی اس میں داخل ہے، دوسرے استدلال حضرت ابوبکرؓ کا یہ تھا کہ اگر کوئی قوم نماز سے اجتماعی طور پر روگردانی کرے اس سے جہاد کیا جائے گا۔ اس طرح زکوٰۃ روک لینے والوں سے بھی جہاد کیا جائے گا کہ دونوں کے مابین کوئی وجہ فرق نہیں۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے باہمی مکالمہ کی تفصیل ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابوھریرہؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور حضرت ابوبکرؓ ان کے بعد خلیفہ ہوگئے بہت سے عربوں نے کفر کی راہ اختیار کی۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا آپ ان لوگوں سے کیسے جہاد کریں گے، جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا ''لا اله الا الله '، فمن قال لا اله الا الله '' عصم منی ماله ونفسه الا بحقه حسابه علی الله ''

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان لوگوں سے اس وقت تک جہاد کروں جب تک یہ لوگ ''لا الہ الا اللہ'' نہ کہہ دیں، پس جس نے ''لا الہ الا اللہ'' کہہ دیا اس نے مجھ سے اپنے مال اور جان کو محفوظ کرلیا، سوائے اس کے کہ کوئی حق اسلامی اس پر ہو اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''خدا کی قسم میں ان لوگوں سے قتال کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کریں گے، اس لیے زکوٰۃ حق مال ہے۔ خدا کی قسم اگر ان لوگوں نے ایک بکری کا بچہ بھی روک رکھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ادا کرتے تھے تو میں ان سے جہاد کروں گا۔''

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''پس خدا کی قسم میں نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے سینہ پر اس مسئلہ کو کھول دیا ہے تو میں نے سمجھ لیا کہ یہی حق ہے۔''

(بخاری اور مسلم)

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور سیدنا حضرت عمر فاروق ؓ کے اس مباحثہ کے بعد پھر کوئی اعتراض نہیں اٹھا بلکہ تمام ہی صحابہ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے اس فیصلہ پر متفق ہو گئے اور ان قبائل کے خلاف اعلان جنگ کر دیا گیا جو زکوٰۃ روک رہے تھے اور جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور جانیں دیں۔

واضح رہے کہ مرتدین یا مدعیان نبوت کے متبعین کے ساتھ جہاد محل اختلاف نہیں تھا۔ بلکہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمر فاروق ؓ کا یہ اختلاف رائے ان لوگوں کے بارے میں ہوا تھا جو اپنے کو مسلمان کہتے تھے۔ زکوٰۃ کی فرضیت کے قائل تھے لیکن امیر کو ادا کرنے سے انکار کرتے تھے۔

علامہ شوکانی نے تمام باغی گروہوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے:

”وقد كان في ضمن هولاء المانعين للزكوة من كان يسمح بالزكاة ولم يمنعها الا ان روسائهم صدورهم عن ذالك كبني يربوع فاتهم قد كانوا جمعو صدقاتهم و ارادوا ليبعثوا بها الى ابي بكر فمنعهم مالك بن نويرة من ذالك وفرقها فيهم وفي امر هولاء عرض الخلاف ووقعت الشبهة لعمر بن الخطاب فراجع ابابكر وناظره واحتج بقول النبي صلى الله عليه وسلم امرت ان اقاتل الناس الحديث .“ (نیل الاوطار: ۷/۴۷)

> ”انہیں مانعین زکوٰۃ کے ضمن میں وہ لوگ بھی تھے جو زکوٰۃ کے معاملہ میں بے توجہی برت رہے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ قوم کے لوگ تو زکوٰۃ ادا کرنا چاہتے تھے مگر ان کے رؤسا اور لیڈر انہیں ایسا کرنے سے روک رہے تھے، جیسے بنی یربوع۔ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی خدمت میں زکوٰۃ بھیجنے کے لئے اکٹھا کرایا تھا، لیکن مالک بن نویرہ نے انہیں روک دیا اور وہ مال انہیں میں تقسیم کرایا۔ انہیں لوگوں کے بارے میں اختلاف رائے پیدا ہوا اور سیدنا عمر فاروق ؓ کو شبہ پیدا ہوا جس کے بارے میں انہوں نے سیدنا ابوبکر صدیق ؓ سے بحث کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: ”امرت ان اقاتل الناس “الخ سے استدلال کیا۔“

خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے واضح فرمایا کہ مانعین زکوٰۃ سے جہاد ان کے کفر کی وجہ سے نہیں بلکہ اسلام کے قانون کی روشنی میں جو حق مال ان پر واجب ہے اس کی عدم ادائیگی کا اجتماعی جرم ان سے جہاد کا سبب ہے۔ بہر حال اس اجتماعی فیصلہ کے بعد تاریخ انسانی میں فقراء افلاس زدہ اور کمزور انسانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے پہلی بار جنگ لڑی گئی اور اس طرح قیامت

تک کے لیے ایک نظیر قائم ہوگئی۔

آیئے اب فقہاء اور مجتہدین کے اقوال کا جائزہ لے لیا جائے کہ وہ اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ امام دارالہجرۃ مالک بن انس فرماتے ہیں:

الامر عند نا ان کل من منع فریضة من فرائض الله فلم یستطع المسلمون اخذ ھا منه کان حقا علیھم جھادة حتی یاخذ وھا منه . (مؤطا۔ باب قتال من منع الزکوۃ)

"ہمارے نزدیک ہر اس شخص سے جہاد مسلمانوں پر واجب ہے جو اللہ کے مقرر کیے فرائض میں سے کسی فرض کی ادائیگی روک دے اور مسلمان اس سے وہ حق وصول نہ کرسکیں۔ یہاں تک کہ اس سے یہ حق واجب وصول کرلیا جائے۔"

امام شمس الائمہ سرخسیؒ فقہ حنفی کے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

سنتیں دو قسم کی ہیں۔ ایک تو وہ سنت جس کا اختیار کرنا ہدایت ہے اور چھوڑ دینے میں کوئی حرج نہیں۔ دوسری قسم وہ سنت جس کو عمل میں لانا ہدایت اور چھوڑنا گمراہی ہے جیسے اذان، اقامت اور نماز عیدین۔ اس بنیاد پر امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر کسی آبادی کے لوگ اذان واقامت کے چھوڑ دینے پر اصرار کریں تو انہیں اسے بجالانے کا حکم دیا جائے گا اور اس حکم کے باوجود اگر انکار کریں تو ان سے جنگ کی جائے گی جیسے فرائض و واجبات کے چھوڑنے پر اصرار کی صورت میں جنگ کی جاتی ہے۔

اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مسلح جنگ محض فرائض و واجبات کے چھوڑنے پر کی جائے گی، سنتوں کے چھوڑنے پر محض تادیب کی جائے گی۔ ان پر فوجی حملہ نہیں کیا جائے گا۔ تاکہ واجب اور غیر واجب کے درمیان فرق قائم رہے۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ سنتیں جو شعائر دین کا درجہ رکھتی ہیں ان کے چھوڑنے پر اصرار دین و مذہب کی توہین کے مترادف ہے اس لیے ان کے ترک پر اصرار کی صورت میں بھی ایسا کرنے والوں سے جنگ کی جائے گی۔ (مبسوط سرخسی ۱۳۳)

امام سرخسیؒ نے امام محمد اور امام ابو یوسف کے نقطۂ نظر کی جس طرح وضاحت کی ہے اس سے یہ امر واضح ہے کہ فوجی حملہ اور جنگ فرائض و واجبات کی باصرار چھوڑ دینے کی صورت میں اجماعی حکم ہے، اختلاف جو کچھ ہے وہ سنت موکدہ (جو شعائر دین کا درجہ رکھتے ہیں) کے ترک پر

اصرار کی صورت میں ہے۔ امام محمد اس صورت کو توہین مذہب تصور فرماتے ہوئے جہاد کا حکم دیتے ہیں اور امام ابو یوسفؒ فرائض وواجبات اور سنن کے مدارج میں فرق کو نگاہ میں رکھتے ہوئے صرف تادیب کا حکم دیتے ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

فهي فريضة محكمة يكفر جاحدها ويقتل مانعها هكذا في محيط السرخسي . (کتاب الزکوٰۃ ۱۷۰)

''زکوٰۃ ایک فریضہ محکمہ ہے جس کا منکر کافر اور جس کا روکنے والا مستحق قتل ہے۔''

امام شافعی کتاب الام میں فرماتے ہیں:

''والواجب على الوالي ان لومنع رجل من المسلمين شيا نهم في ماله ان يجاهد عليه''.

''مسلمانوں میں سے کوئی اگر واجب حق مالی ادا نہ کرے تو والی پر اس سے جہاد واجب ہے۔''

خلاصہ یہ کہ زکوٰۃ ایک ایسا فریضہ ہے جس کی ادائیگی ضروری، جس کی فرضیت کا انکار کفر، اور جس کی ادائیگی سے انکار ایسا اجماعی جرم ہے جس کے خلاف حکومت اسلامی پر جہاد واجب ہے۔

اسلام اور انسانیت

جب ہم انسانیت کے مسئلہ پر غور وفکر کرتے ہیں تو سب سے پہلے سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان ہے کیا؟ اور کائنات کے اس کارخانہ میں انسان کی حیثیت کیا ہے؟ یعنی لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کے درمیان انسان کا مقام متعین کرنے سے قبل یہ دیکھنا ہوگا کہ انسان کو اس کائنات میں کیا مقام حاصل ہے، اس کے مناسب تقاضے کیا ہیں؟ سب سے پہلے یہ جائزہ لینا ہوگا کہ انسانیت کے ان تقاضوں کو دنیا نے کیا اہمیت دی ہے؟

یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ انسان جو ہماری گفتگو کا موضوع ہے وہ اس گوشت پوست کا نام نہیں ہے اور جو کچھ دیکھائی دے رہا ہو، ہی سب کچھ نہیں ہے، جب ہم انسان کی باطنی قوتوں پر غور کرتے ہیں تو یہی کمزور سا انسان سورج کی کرنوں کو اسیر کرتا اور چاند کی روشنی کو اپنے پیروں سے روندتا ہوا نظر آتا ہے، بلکہ یہ سب کرنے کے بعد بھی کہتا ہے۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہے

پس اگر ہم غور کریں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا یہ تن خاکی محض ایک پردہ ہے، جس کے اندر عقل وفکر اور ہر لمحہ ترقی کی منزل کی طرف رواں دواں ایک عظیم الشان قوت چھپی ہوئی ہے۔

اگر غور کیا جائے تو اس کائنات سب مخلوق آدمی کے تابع وفرمان اور اس کے لیے مسخر نظر آتی ہے، بلکہ غور کیجئے تو صاف نظر آئے گا کہ ہر چیز کی پیدائش اور اس کے وجود کا مقصد وسبب ہے کہ آدمی اس سے کام لے اور فائدہ حاصل کرے۔ گائے دودھ دیتی ہے، گنگا اور جمنا کھیتیوں کو سیراب کرتی ہیں، زمین اناج دیتی ہے، تیل، سونا، چاندی، ہیرے، جوہرات کی کانیں، سورج کی گرمی، تاروں اور چاند کی روشنی، ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اور پانی کی پھوار، سبھی تو آدمی کے ہی کام لگی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ذرا سوچیئے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس پوری کائنات میں آدمی ہی اصل نظر آتا ہے اور سبھی چیزیں اس کے تابع۔ آدمی مخدوم دکھائی دیتا ہے اور کائنات اس کی خادم۔

لیکن کیا آدمی جو کچھ چاہتا ہے ہو جاتا ہے؟ اس کے کبھی منصوبے پورے ہو جاتے ہیں؟ کیا ایسا نہیں ہوتا ہے کہ آدمی چاہتا ہے کچھ اور ہوتا کچھ ہے، اس کے بنائے ہوئے نقشے بکھر جاتے ہیں، یہ تو روز کا تجربہ ہے، اور آنکھوں دیکھی بات، یہ سب سے بڑی طاقت ور مخلوق اس طرح بے دست و پا ہو کر رہ جاتی ہے، جیسے اس میں کوئی سکت ہی نہیں ہے، یہ عجیب رنگا رنگی ہے کہ کبھی یہ انسان قوت کا پیکر بن کر ابھرتا ہے، اور کبھی کمزور ترین بے بس مخلوق۔ ایک طرف وہ شورہ شوری اور دوسری طرف یہ بے عملی۔ آخر اس کا راز کیا ہے؟ یہ مجبوری کسی مختار اور یہ بے بسی کسی طاقت والے اور یہ محدودیت کسی لامحدود کا پتہ دیتی ہے، یعنی اس کائنات کے خالق کا اعتراف کرنا پڑتا ہے، جس کی قدرت لامحدود، جس کا علم بے پایاں، جس کے احکام ناقابل شکست ہیں۔ آدمی کائنات میں سب سے بڑا، سب اس کے تابع، لیکن خود یہ انسان خود مختار نہیں، بلکہ اپنے خالق کے سامنے جواب دہ ہے۔

اس اجمالی گفتگو سے یہ بات تو واضح ہو ہی گئی کہ آدمی نہ مظاہر قدرت کا غلام ہے، نہ کائنات کی کسی بڑی سے بڑی مخلوق کے ماتحت، وہ تو اس کائنات کا منتظم ہے، یا اس باغ کا مالی، سب چیزیں اس کے لئے بنی ہیں، البتہ جہاں وہ پوری کائنات سے فائدہ اٹھانے اور مصرف لینے کا پیدائشی حق رکھتا ہے، وہیں وہ آزاد نہیں کہ من مانی کرے، بلکہ اپنے ہر عمل کے بارے میں اپنے مالک کے سامنے جواب دہ ہے، یہ جواب دہی اس میں ذمہ داری کا احساس اور اپنے ہر عمل کے اچھے بُرے اثرات ونتائج پر پہنچنے کا مزاج پیدا کرتی ہے، تو یہ ہے اصل کائنات کے کارخانہ میں انسان کی حیثیت، اسی لئے اسلام کی نگاہ میں انسان خدا کی انتہائی باعزت مخلوق ہے۔ "ولقد کرمنا بنی آدم" جسے اللہ نے بہترین فطرت پر پیدا کیا....... ". فطرة الله التی فطر الناس علیها "اور جسے اللہ نے علم کے زیور سے آراستہ کیا....... "وعلم آدم الاسماء کلها "اور جس کے قلب وجگر میں وہ قوت اور عزم وہمت میں استقامت عطا فرمائی جو آسمان اور زمین اور پہاڑوں جیسی طاقت ور مخلوق کو بھی حاصل نہیں۔ "انا عرضنا الامانة علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان " اور ان سب طاقتوں سے آراستہ کر کے اللہ نے انسان کو اس کائنات میں اپنا نائب وجانشیں بنایا اور فرمایا: "انی جاعلک فی الارض خلیفة".

قرآن کہتا ہے کہ انسان اس کائنات میں اللہ کا خلیفہ اور اس کا نائب وجانشیں ہے، اور اس کائنات میں اسے اپنی جن ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہے اور جو فرائض انجام دینے ہیں ان کے لئے

اسے علم بھی چاہئے اور عدل بھی ۔ یعنی کائنات میں پھیلی اشیاء کی حقیقت کو بھی جانے ۔ ان سے مصرف کیسے لیا جائے وہ بھی جانے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود اپنی حقیقت پہچانے اور اپنے خالق کی معرفت حاصل کرے ۔ یہ تو ہوا علم کا کام ۔ دوسری طرف یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ہر شئے کو اس کی صحیح جگہ پر رکھے اور ہر چیز کا وہی مصرف لے جو اس سے لیا جانا چاہئے ، اسی صلاحیت کو عدل کہتے ہیں ۔

ظاہر ہے کہ علم کا تعلق عقل سے ہے اور عقل جب تک اوہام و خرافات کے ڈربے میں بند رہے گی ، انسان نہ اپنے منصب کو پہچان سکے گا اور نہ اس کائنات میں اپنا صحیح فرض انجام دے سکے گا ، اس لیے عقل کے دروازے کھلنے چاہئیں ، اور انسان کو فکر کی آزادی اور علم کی آزادی ملنی چاہئے ، جب ہی انسانیت باقی رہ سکتی ہے ، اور علم و عقل کی آزادی سے بھی پہلے یہ ضروری ہے کہ انسان کو ان زنجیروں سے نجات دلائی جائے ، جن میں اسے خود انسانوں کے ہی ایک طبقہ نے جکڑ رکھا ہے ۔ آیئے ! اب دیکھیں کہ اسلام نے انسانیت کی بقاء اور انسان کی آزادی کے لئے کیا کچھ کیا ہے ؟

کیا انسان پیدائشی طور پر گنہگار ہے ؟

لوگوں نے چاہے جیسا کچھ بھی سوچا ہو ، لیکن اسلام یہ کہتا ہے کہ انسان پیدائشی طور پر پاک صاف پیدا ہوا ہے ، اب اپنے عمل سے اس دامن کو داغدار بنائے ، یا نیک اعمال کے گل بوٹے کھلائے ۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ انسان مایوس ہو کر بیٹھ رہے کہ وہ تو گنہگار ہی پیدا ہوا ہے ، نہیں ، محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "کل مولود یولد علی الفطرۃ " ہر بچہ صالح فطرت لے کے پیدا ہوتا ہے ۔ اب ماحول اسے بنائے یا بگاڑے ۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ آدمی کا موجودہ وجود اس کے پچھلے جنم کے کسی گناہ کا نتیجہ ہے ، نہیں ، آدمی تو ماں کے پیٹ سے پاک صاف پیدا ہوا ہے ، اسے انجانے گناہوں کا مجرم نہ ٹھہرایئے ، اسے اپنی آئندہ زندگی بنانے دیجئے ، ہر شخص کو اپنے عمل کی جواب دہی کرنی ہے ۔ "فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ " .

کسی بے گناہ پر دوسروں کا گناہ تھوپا جا سکتا ہے ؟

کسی نے کہہ دیا کہ آدم نے گناہ کیا تھا اس لیے ہر آدمی پیدائشی طور پر گناہ گار ہے ، اس بن

کئے گناہ تلے انسانیت سسک رہی ہے، لیکن قرآن نے انسانیت کو اس عذاب سے نجات دینے کے لیے صاف طور پر اعلان کر دیا۔ "لاتزروازرۃ وزر اخریٰ" کوئی بھی شخص دوسرے کے گناہ کا ذمہ دار نہیں ہے۔

آدمی آدمی سب برابر ہیں نہ کوئی چھوٹا نہ بڑا

تفریق کی چکی میں پستی ہوئی انسانیت، ذات برادری، پیشہ، دولت وغربت، اور زبان اور رنگ ونسل کے نام پر انگنت مظالم کا شکار تھی، آدمی کو بڑے چھوٹے، شریف رذیل اور اونچے نیچے کے مختلف قانون میں تقسیم کر کے انسانیت کی دھجیاں بکھیر دی گئی تھیں۔ کام اور پیشے بھی بانٹ دیئے گئے تھے، کہ ہر آدمی آدمی تو تھا نہیں۔

اسلام نے بتایا، ساری کائنات ایک خدا کی پیدا کی ہوئی ہے، سبھوں کا رب ایک، اور سبھی انسان ایک ماں باپ کی اولاد، خاندان و برادری تو محض جان پہچان کا ذریعہ ہیں، آدمی تو آدمی ہے، ہر آدمی کو اس کی محنت کا پھل ملے گا۔ "وان لیس للانسان الا ماسعی" قرآن نے صاف کہہ دیا کہ بڑائی تو تقویٰ سے ہے۔ "ان اکرمکم عند اللہ اتقکم" اور محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا: "التقویٰ ھھنا" یعنی تقویٰ تو دل کے اندر کی کیفیت کا نام ہے اور دل کی کیفیت کو اللہ کے سوا کون جانتا ہے، اس لیے کون بڑا ہے اور کون چھوٹا آدمی یہ فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں کہاں ہے۔ اس لیے قرآن نے یہ فرمادیا: "لایسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیرا منھم ولانساء من نساء عسیٰ ان یکن خیر امنھن" یعنی کوئی کسی کی ہنسی نہ اڑائے، کیا پتہ وہ اس سے بہتر ہو۔

محسن انسانیت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا: "کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر، کوئی بڑائی نہیں ہے۔ سب آدمؑ کے بیٹے ہو اور آدمؑ مٹی سے تھے"۔

علم وعقل کی آزادی

اسلام کی آمد دراصل عقل اور علم کی آزادی کا اعلان تھا۔ استحصال کرنے والوں نے عقل کے دروازوں پر بھاری تالے لگادیئے تھے۔ روایات، رسوم اور اوہام وخرافات میں جکڑی دنیا کو وہ

آزادی بڑی اجنبی لگی۔ جب مدنی آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار پکار کر یہ کہنا شروع کیا: "افلا تعقلون ، افلا یتذکرون ، یا اولی الالباب "۔ باطل لوگوں کے کانوں میں اسلام کی پڑنے والی یہ پہلی اذان تھی۔ ہم سب تاریخ کے جھروکوں سے جھانک کر دیکھتے ہیں، تو عقل انسان کو خواب غفلت سے انگڑائی لے کر جاگتے ہوئے کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، جن لوگوں نے عقل و مذہب میں جنگ کا ماحول پیدا کر رکھا تھا، اور جنہوں نے ہمیشہ یہی سنا تھا کہ مذہب اور عقل میں پرانی لڑائی ہے، ان کے لیے محسن انسانیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان کتنا چونکا دینے والا رہا ہوگا۔

"الدین هو العقل و لا دین لمن لا عقل له " دین تو عین عقل ہے، جس کے پاس عقل نہیں، اس کے پاس دین نہیں۔

اسی طرح علم کے دروازوں کو کھول کر انسان کو اس کی صحیح عظمت سے روشناس کرانے کا کارنامہ اسلام نے انجام دیا، عربوں کے بے پڑھے لکھے ماحول میں جو کتاب اللہ کی طرف سے اتری، اس کا نام قرآن، یعنی بہت پڑھی جانے والی کتاب اور پہلا حکم "اقراء " (پڑھو) اور قلم کے ذریعہ تعلیم "وعلم بالقلم " اور کائنات میں انسانی فضیلت کی بنیاد قرار دیا۔ علم کی راہ میں ہر طرح کے تعصب کو ممنوع قرار دیا گیا، علم کو افضل ترین عبادت قرار دیا گیا، علم چین میں بھی ملے تو حاصل کرو، اور علم گمشدہ سرمایہ ہے۔ اور سب سے آخر میں بلیغ انداز میں فرما دیا گیا: "هل یستوی الاعمی والبصیر " کیا اندھے اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟ "هل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون " کیا علم والے اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟

پھر یہ بھی تو فرما دیا گیا کہ علم کی اونچی سے اونچی منزل پر پہنچنے کے بعد بھی یہ نہ سمجھنا کہ آگے کوئی منزل نہیں، علم تو ایسا بحر ناپیدا کنار ہے جس کی کہیں کوئی انتہا نہیں، ہر منزل پر تمہیں یہ احساس رہنا چاہئے کہ جو کچھ ہے وہ کم ہے، جو کچھ نہیں جانا وہ اس سے زیادہ ہے' وما اوتیتم من العلم الا قلیلا" جو کچھ بھی تمہیں علم مل سکا وہ تھوڑا ہے۔

اس طرح آج کی موجودہ ترقی یافتہ انسانیت جو علم و عقل کی فضاؤں میں جھنڈے لہراتی ہوئی تیزی سے رواں دواں ہے، اگر غور کیجئے تو اس نبی امی کا اعجاز اور پانچویں چھٹی صدی کے اس علمی اور عقلی انقلاب کی صدائے بازگشت ہے جسے اوہام کے نام سے جانا جاتا ہے۔

رائے اور ضمیر کی آزادی

انسانیت جہاں بہت سی پابندیوں میں جکڑی ہوئی تھی وہاں ایک بہت بڑا شکنجہ رائے اور ضمیر کی غلامی کا شکنجہ تھا۔ اسلام نے ضمیر اور عقلمندی اور اظہار رائے کی آزادی انسان کا بنیادی حق تسلیم کیا۔ ''لا اکراہ فی الدین'' کہہ کر مذہب کے معاملہ میں جبر کا خاتمہ کر دیا گیا۔ ''لا یحب اللہ الجهر بالسوء من القول الا من ظلم'' فرمایا کہ یہ مظلوم کو اپنی آواز بلند کرنے کا حق دیا گیا۔

آدمی آدمی کے درمیان انصاف

دنیا نے انصاف کے مختلف ترازو بنا رکھے تھے، حاکم محکوم اونچی ذات والے اور نیچی ذات والے، اپنے اور غیر سبھوں کے لیے انصاف کے الگ الگ پیمانے تھے علاحدہ قانون تھا۔ لیکن قرآن نے انصاف کا ایک ٹھوس معیار قائم کیا کہ آدمی آدمی کے درمیان انصاف کے معاملے میں فرق نہیں کیا جا سکتا، اور فرما دیا گیا:

''یایها الذین اٰمنوا کونوا قوامین بالقسط شهداء لله ولو علیٰ انفسکم او الوالدین والاقربین ان یکن غنیا او فقیراً فالله اولیٰ بهما فلا تتبعوا الهوی ان تعدلوا''. (النساء:۱۳۵)

''اے ایمان والو! قائم رہو انصاف پر، گواہی دو اللہ کی خاطر اگر چہ نقصان ہو تمہارا، یا ماں باپ کا، یا قرابت والوں کا اگر کوئی مالدار رہے یا محتاج، تو اللہ ان کا خیر خواہ تم سے زیادہ ہے، سو تم پیروی نہ کرو خواہش نفس کی، انصاف کے بارے میں۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا:

''ولا یجرمنکم شنآن قوم علیٰ ان لا تعدلوا اعدلوا هو اقرب للتقویٰ''.

''اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو، عدل کرو، یہی بات زیادہ ہے نزدیک تقویٰ کے۔''

اس لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد دو اہم ترین اعلان کئے:

''اگر میں ٹھیک ٹھیک کام کروں تو میری مدد کرو، اور اگر میں بے راہ روی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کرو''

تم میں کا سب سے طاقت ور آدمی میرے نزدیک وہ کمزور ہے (جس کا حق کسی کے ذمہ واجب ہے) جب تک میں اس کا حق وصول کر کے اسے نہ دیدوں اور تم میں سب سے کمزور میرے نزدیک وہ صاحب قوت ہے (جس کے ذمہ کسی کا حق باقی ہے) جب تک میں اس سے وہ حق وصول نہ کرلوں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''میں تمہاری ہی طرح ایک عام فرد ہوں''

پس خلاصہ یہ ہے کہ اسلام ایک ایسی انسانی سوسائٹی کی تشکیل چاہتا ہے، جس کے افراد اس کائنات میں اپنے منصب کے شناسا، عزم وہمت کے پیکر، علم وعقل سے آراستہ ہر طرح کی طبقاتی تقسیم اور اونچ نیچ کی تقسیم سے بالاتر اپنی جدوجہد کے ذریعہ اپنا مستقبل بنانے والے ایک دوسرے کے ساتھ شفقت ومحبت کا برتاؤ کرنے والے، حق وانصاف کے معاملے میں اپنے اور غیر کے فرق کو بھول جانے والے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے اپنی جواب دہی کا احساس رکھنے والے ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ بنیادی قدریں ہیں، جن پر انسانیت کا مدار ہے، اور اسلام اسی سچی انسانیت کی طرف اللہ کے بندوں کو بلانے والا ہے، کاش! کہ اسلام کو صحیح طور پر سمجھا جاتا، اور اسلام کی نمائندگی کرنے والے اپنی عملی زندگی کے ذریعہ اسلام کی صحیح ترجمانی کر پاتے۔

عورت کے حقوق اسلام میں

مولانا محمد مصلح صاحب قاضی شریعت کشن گنج کے ایک مکتوب کا فقیہ الامت قاضی شریعت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے ۲۵/نومبر ۱۹۶۷ء کو جواب تحریر فرمایا تھا۔

محترم مولانا!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خدا کرے آپ بعافیت ہوں۔ گرامی نامہ موصول ہوا، حالات معلوم ہوئے، آپ نے ایک بیان کے دو جملے نقل کئے ہیں۔ پورا مسئلہ سامنے رہے تو کوئی رائے دینے میں آسانی ہوتی ہے، اصل مسئلہ پر گفتگو سے پہلے تمہیداً یہ چند امور ذہن میں رکھنے ضروری ہیں۔

قرآن کریم نے عورت اور مرد کے تعلقات کی کیا نوعیت بتائی ہے؟ اس پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ''خاندان'' جو عورت اور مرد کے ازدواجی رشتہ سے تشکیل پاتا ہے، اس میں مرد کی حیثیت قوام اور رئیس خانہ کی ہے اور کسی بھی خاندان میں شرعاً مرد کی حیثیت اس نقطۂ مرکزی کی ہے جس کی وجہ سے خاندان کی وحدت اور اس کا نظم برقرار رہتا ہے، اور اس کی دو وجہیں ہیں۔.....

ایک تو مرد کی بعض فطری اور خلقی صلاحیتیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے خصوصیت کے ساتھ اسے ملی ہیں اور دوسرے ''مال'' جسے قرآن نے بعض مقامات پر ''قیاماً للناس'' (یعنی وہ ہڈی جس پر انسان کا نظام معاش قائم ہے)۔ کہا ہے۔ مرد اسے حاصل کرتا ہے اور خرچ کرتا ہے۔ یہی مفہوم ہے جسے قرآن نے ان الفاظ میں واضح کیا ہے:

''الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض وبما انفقوا من اموالهم'' (نساء:۳۴)

''مرد عورتوں کے نگراں ہیں اس وجہ سے کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فوقیت بخشی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔''

یہ چند صفات اگر عورتوں میں ہوں اور قوامیت کی وجہ سے جو ذمہ داریاں شوہر پر عائد ہوتی ہیں وہ انہیں پورا کرے تو پر سکون زندگی کا حصول آسان ہو جائے گا۔

"فالصلحٰت قٰنتٰت حافظات للغیب بما حفظ اللہ"

لیکن عموماً یا تو اس وجہ سے کہ مرد اپنی قوامیت کے نشہ میں عورتوں سے حقوق تو طلب کرتا ہے، لیکن فرائض کو نہیں نبھاتا۔ یا اللہ کی قائم کردہ حدود کو توڑ دیتا ہے، اور کبھی عورت صلاح کے بجائے فساد، اور اطاعت کے بجائے نشوز کی راہ اختیار کرتی ہے، ایسی صورتوں میں "گھر" میں فساد اور ازدواجی زندگی میں اختلال پیدا ہو جاتا ہے۔

یہ بھی ذہن میں رہنا چاہئے کہ عورت کی فطری کمزوری کے پیش نظر بار بار قرآن نے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے حقوق کی رعایت اور ان سے حسن سلوک کی فہمائش کی ہے، اور قرآن نے اس غلط ذہن کی بھی بیخ کنی کر دی ہے کہ عورت صرف مرد کی اطاعت کے لیے پیدا ہوئی ہے، اور خود اس کے احساسات و جذبات اور حقوق نہیں ہیں جن کی رعایت مرد پر ضروری ہو۔ قرآن یہ کہتا ہے کہ مرد کو فضیلت اور ایک درجہ قوامیت کا ضرور حاصل ہے، لیکن جہاں تک تعلق حقوق اور واجبات کا ہے، وہ جس طرح مردوں کے عورتوں پر ہیں، اسی طرح عورتوں کے مردوں پر ہیں۔ قرآن نے ایک جگہ کہا ہے:

"ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجہ"

اور دوسری جگہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

"وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسیٰ ان تکرھو ا شیاء ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیراً"

معلوم ہوا کہ عورت میں اگر کچھ نقص بھی ہو تو مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسے نظر انداز کرتے ہوئے اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔

اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ "تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر ہے۔

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقا، وخیار کم خیار کم لنساء ھم"

مسئلہ کا ایک رخ تو یہ ہوا، لیکن اگر عورت کی طرف سے نشوز اور بے راہ روی کا خطرہ ہو تو مرد کیا کرے؟ اس بارے میں قرآن نے اپنا حکیمانہ فیصلہ دیا ہے جو مرد کی قوامیت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ یعنی اولاً وعظ و نصیحت اور سمجھانے کی راہ اختیار کرنی چاہئے۔ پھر اگر اس طرح عوت نہ سنبھلے تو اس کے احساسات کو جھنجھوڑنے کے لئے الگ سوئے، جس سے عملاً اس کی ناراضی کا ظہور ہو۔ پھر اگر خدانخواستہ اس طرح بھی معاملہ اصلاح پذیر نہ ہو تو آخری درجہ میں تادیباً ضرب کی اجازت دی گئی ہے۔ لیکن واضح رہے کہ شریعت نے اسے آخری درجہ میں ہی گوارہ کیا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

"والتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن"

مگر اس اجازت کے ساتھ قرآن نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اگر اس طرح عورت اطاعت کی راہ پر لگ جائے تو خواہ مخواہ عورت پر ظلم و زیادتی کا بہانہ اور موقعہ مت تلاش کرتے رہو، قرآن نے اس تنبیہ کے ذریعہ انسانی فطرت کے ایک خاص نقص پر بند لگا دیا کہ کہیں ضد و عناد میں اگر مرد اس اجازت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھانے لگے۔ "فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا"

اور ساتھ یہ بھی فرما دیا گیا کہ عورت پر جو ایک درجہ بڑائی تمہیں حاصل ہے اس کے استعمال کے وقت اللہ کی برتری اور کبریائی کو نہ بھولنا۔

"ان اللہ کان علیاً کبیرا"

اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرد کے لیے زدوکوب ضروری ہے یا محض جائز اور اگر محض جائز ہے تو اولیٰ ضرب ہے یا ترک؟ خازن نے متعدد روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اولیٰ ترک ضرب ہے۔

"ففی ھذہ الاحادیث دلیل علی ان الاولیٰ ترک الضرب للنساء"۔ (خازن)

اور فقہائے احناف نے اس کے محض جائز ہونے کی ہی بنیاد پر یہ جزئیہ متفرع کیا ہے کہ اگر شوہر کی تعزیر و تادیب سے عورت ہلاک ہو جائے تو اس کا دم ہدر نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ مرد کے لیے عورت کی تادیب واجب نہیں بلکہ محض مباح ہے، اس لیے شرط سلامتی کی رعایت ضروری ہوگی۔ درمختار میں ہے:

"من حُدّ او عزر فهلک فدمه هدر الاّ امرأة عزرها زوجها بمثل ما مر فمانت لان تادیبه مباح فیقید بشرط السلامة قال المص وبهذا ظهر انه لا یجب علی الزوج ضرر زوجته اصلا".

دوسرا سوال یہ ہے کہ کون سے ایسے امور ہیں کہ اگر عورت ان کا ارتکاب کرے تو مرد کو حق حاصل ہوگا کہ وہ عورت کو زدوکوب کے ذریعہ تنبیہ کرے۔ اس بارے میں فقہاء نے تفصیلی بحث کی ہے اور ان کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ:

(الف) عورت کے لیے شریعت اسلامیہ نے جس حد تک زینت وآرائش کی اجازت دی ہے، وہ اس پر قدرت کے باوجود نہ کرے۔

(ب) غسل جنابت نہ کرے۔

(ج) شریعت نے عورت کو جن مواقع اور جن حقوق کی بنیاد پر شوہر کا گھر چھوڑنے کی اجازت دی ہے، ان کے موجود نہ ہوتے ہوئے بھی عورت گھر سے نکل جائے۔

(د) عورت باوجودیکہ طاہرہ ہے اور کوئی عذر شرعی موجود نہیں ہے۔ پھر بھی وہ اپنے شوہر کو نفس پر قدرت نہ دے، متون نے ان چار حالتوں میں شوہر کو ضرب کی اجازت دی ہے، بشرطیکہ سمجھانے پر بھی عورت اپنی ان حرکتوں سے باز نہ آئے۔

بعض لوگوں نے ان چار اسباب کے ساتھ اور اضافہ بھی کیا ہے۔ مثلاً عورت اپنے چھوٹے بچے کو رونے پر زدوکوب کرے۔ یا شوہر کی باندی کو غیرت اور جذبۂ رشک میں زدوکوب کرے، یا شوہر کو سب وشتم کرے، یا اس کے کپڑے پھاڑ دے، یا لوگوں کو سنانے کے لیے زور سے بات کرے، یا غیر محرم سے پردہ نہ کرے، یا شوہر کے گھر کی ایسی چیزیں لوگوں کو بلا اجازت دیدے جن کے دینے کا عام رواج نہیں۔

اور بعض فقہاء نے ایک ضابطہ یہ بنادیا ہے کہ ہر ایسی معصیت کے ارتکاب پر جس میں حد شرعی مقرر نہیں ہے شوہر کو تادیب کا حق حاصل ہوگا، اور فقہاء نے اس کی بھی تصریح کردی ہے کہ اگر عورت اپنے کھانے کپڑے کا مطالبہ شوہر سے کرے اور اس میں انتہائی اصرار سے پیش آئے تو جب بھی مرد کو حق زدوکوب کا نہ ہوگا۔ عورت اگر نماز نہ پڑھے تو کیا شوہر کو بیوی کو زدوکوب کرنے کا حق ہوگا، تو اس میں بعض فقہاء نے اختلاف کیا ہے، اور بعض نے اثبات کا اظہار کیا ہے۔ درمختار کی عبارت ملاحظہ ہو:

"یعزّر المولی عبده والزوج زوجته ولو صغیرة لما سیجی علی ترکها الزینة الشرعیة مع قدرتها علیها وترکها غسل الجنابة وعلی الخروج من المنزل ، لو بغیر حق وترک الاجابة الی الفراش لو طاهرة من نحو حین ویلحق بذالک مالو ضربت ولدها الغیر عند بکائه او ضربت جاریة غیرة ولا تتعظ بوعظه وشتمته ولو بنحو یا حمار او ادعت علیه او مزقت ثیابه او کلمته یسمعها اجنبی. او کشفت وجهها لغیر محرم او کلمته او شتمته او اعطت مالم تجیز العادة به بلا اذنه والضابط کل معصیة لاحد فیها فللزوج والمولی التعزیر ولیس منه مالو طلبته نفقتها او کسرتها والحّت لان لصاحب الحق لقالاً بحرو لا علی ترک الصلوٰة لان المنفعة لا تعود علیه بل الیها کذا اعتمده المص تبعا للدرر علی خلاف ما فی الکنز والملتقی واستظهره فی خطر المجتبی". (درمختار)

مصنف کے قول "لاتتعظ بوعظه" پر شامی نے لکھا ہے کہ اس کا مفاد یہ ہے کہ اولاً تعزیر نہ کرے، بلکہ پہلے فہمائش کرنا چاہئے۔

"وقوله لا تتعظ بوعظه مفاده انه لا یعزرها اولی مرة"

واضح رہے کہ صاحب فتح القدیر نے شوہر کے ساتھ بدتمیزی اور اساءت ادب کو بھی ان مواقع میں داخل کیا ہے، جہاں مرد کو حق زدوکوب کا حاصل ہے۔"یعزر المولی عبده قال فی الفتح واذااساء العبد الادب حل لمولاه تادیبه وکذا لزوجة" شامی کی مذکورہ بالا تفصیل کے بعد ایک اور اہم سوال یہ رہ جاتا ہے کہ شوہر کو جس زدوکوب کی اجازت ہے.........حاصل ہے اس کے کچھ حدود ہیں یا نہیں؟ اور اگر ہیں تو کیا ہیں؟

اس سلسلہ میں سب سے پہلے ترمذی کی اس روایت کو سامنے رکھا جائے جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی مذکور الصدر آیت کو تلاوت کرتے ہوئے ضرب کو ضرب غیر مبرح کی قید کے ساتھ پابند فرمایا ہے۔ آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر بہت سی اور ہدایات کے ساتھ ساتھ عورتوں سے حسن سلوک کا حکم فرمایا اور عورتوں کے پابند اور بڑی حد تک مرد کے اختیار میں ہونے کو بتاتے ہوئے فرمایا ہے کہ: "تمہیں ان کے ساتھ اچھا ہی برتاؤ کرنا چاہئے۔ الا یہ کہ وہ کسی

کھلے فاحشہ اور بے حیائی کا ارتکاب کریں۔ ایسی صورت میں ارشاد ربانی کے مطابق ہجران اولیٰ ہے اور زدوکوب کی اجازت دی گئی، لیکن فرمادیا گیا کہ یہ زدوکوب سخت نہ ہونی چاہیے، اور نہ ان پر ظلم وزیادتی کے بہانے تلاش کرنا چاہیے۔ روایات کے الفاظ یہ ہیں:

"عن سليمان بن عمر وبن الاحوص قال حدثني ابي انه شهد حجة الوداع مع رسول الله فحمد الله واثنى عليه وذكر ووعظ فذكر في الحديث قصة فقال استوصوا بالنساء خيراً فانما هن عوان عندكم ليس تملكون منهن شيئاً غير ذالك الا ان ياتين بفاحشة مبينة فان فعلن فاهجروهن في المضاجع واضربوهن ضرباً غير مبرح سبيلا". (ترمذی: ١/١٥٠)

اس روایت سے اتنا معلوم ہوا کہ مطلق ضرب کی اجازت نہیں، بلکہ ضرب غیر مبرح کی ہے اور ضرب غیر مبرح کی کیفیت کیا ہے؟ اس بارے میں متعدد روایات میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اس طرح اپنی بیوی کو نہ مارے، جیسے کوئی غلام باندی کو مارتا ہے۔

عن عبد الله بن زمعة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يجلد احدكم امرأته جلد العبد ثم يجامعها في اخر اليوم وفي رواية فيجلد امرأته جلد العبد فلعله يضاجعها في اخر يومه متفق عليه."

اور دوسری روایت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائی مرحلہ میں وعظ ونصیحت کی ہدایت کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ باندیوں کو جس طرح مارتے ہو، بیویوں کو اس طرح مت مارو۔

"عن لقيط بن صبرة قال قلت يا رسول الله ان لي امرأة في لسانها شئي يعني البذاء قال طلقها قلت ان لي منها ولداً ولها صحبة قال فمرها يقول عظها فان يك فيها خيراً فستقبل ولا تضربن ظعينتك ضربك امتك". (رواہ ابوداؤد)

اس روایت میں اس نقطہ پر ضرور نگاہ رکھی جائے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی بدزبانی پر طلاق دینے کی اجازت تو دی، لیکن شدید زدوکوب کو برداشت نہ فرمایا، اور یہ عین تقاضائے حکمت ہے کہ اگر حسن سلوک کے ساتھ ازدواجی تعلقات کا قیام ممکن ہے تو ٹھیک، ورنہ علیحدہ کردینا اور رشتہ کا منقطع کردینا اس سے بہتر ہے، کہ عورت کو شدید زدوکوب کیا جائے اور اپنی قوامیت کا ناجائز مصرف لیا جائے کہ اس طرح نفرت تو بڑھ سکتی ہے، اصلاح نہیں ہو سکتی۔

دوسری روایت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ پر مارنے سے اور ایسی ضرب سے منع فرمایا ہے جو اسے داغدار بنادے اور باعث قبح ہو۔ اور ہجران وعلیحد گی کو بھی پابند کر دیا کہ ایک گھر میں رہ کر عورت سے اظہار ناراضگی کے لیے الگ سوؤ، گھر سے باہر نہ کرو۔

”عن حکیم ابن معاویہ القریشی عن ابیہ قال قلت یا رسول اللہ ما حق زوجۃ احدنا علیہ قال ان تطعمہا اذا طعمت تکسوھا اذاکتسبت ولا تضرب الوجہ ولا تقبح ولا تھجر الا فی البیت“

(رواہ احمد وابوداؤدوابن ماجہ۔ مشکوٰۃ)

امام طحاوی نے مشکل الآثار میں اجازت ضرب ومنع ضرب کی متعدد روایات بیان کرنے کے بعد یوں تطبیق دی ہے کہ ضرب مبرح کی ممانعت ہے اور ضرب غیر مبرح کی اجازت مخصوص حالات میں ہے۔

تفسیر خازن نے ارشاد ربانی ”واضربوھن“ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ضرب سے مراد ایسی مار ہے جو سخت نہ ہو اور عیب دار بنانے والی نہ ہو، اور ضرب غیر مبرح کی مثال بعض علماء سے نقل کرتے ہوئے مسواک یا اس جیسی چیز سے مارنا بتایا ہے۔ بغوی نے اس قول کو سیدنا عطا ابن ابی رباح کی طرف منسوب کیا ہے۔ خازن نے یہ بھی لکھا ہے کہ ضرب کسی ایک حصہ جسم پر مسلسل نہ ہو، اور نہ چہرہ پر مارے، اور دس کوڑے سے زیادہ نہ مارے، اتنا کہنے کے بعد بعض علماء کا قول نقل کرتے ہیں، رومال یا ہاتھ سے مارے، کوڑے اور لاٹھی سے نہ مارے، اور خلاصہ یہی ہے کہ اس باب میں زیادہ سے زیادہ تخفیف لحاظ میں رکھی جائے۔

”واضربوھن یعنی ان لم ینزعن بالھجر ان فاضربوھن یعنی ضربا غیر مبرح ولا شائن قیل ھوان یضربھا باالسواک ونحوہ وقال الشافعی الضرب مباح وترکہ افضل .... ففی ھذہ الاحادیث دلیل علی ان الا ولی ترک الضرب للنساء فان احتاج الیٰ ضربھا للتادیب فلا یضربھا ضرباً شدیداً ولیکن ذالک مفرقا ولا یوالی بالضرب علی موضع واحد من بدنھا ولیتق الوجہ لانہ مجمع المحاسن ولایبلغ بالضرب عشرۃ اسواط وقیل ینبغی ان یکون الضرب بالمندیل والید ولا یضرب بالسوط والعصاوبالجملۃ فالتخفیف بابلغ شئی اولیٰ فی ھذہ الباب“۔ (خازن)

اور شامی نے ایک مسئلہ کے ذیل میں یہ بیان کرتے ہوئے کہ مرد کو ضرب فاحش کی کسی حالت میں اجازت نہیں ہے۔ لکھا ہے کہ ایسی ضرب جس سے ہڈی ٹوٹ جائے، چمڑا اپھٹ جائے، داغ پڑ جائے، اور جسم کالا ہو جائے، ضرب فاحش میں داخل ہے۔

"قوله ضربا فاحشا قيدبه لانه ليس له ان يضربها فى التاديب ضربا فاحشا وهو الذى يكسر العظمة اويحرق الجلد اويسوده كما فى التاديب خانيه . (شامی)

ان ساری تصریحات کے بعد اس کو ذہن میں رکھا جائے کہ مذکور الصدر مواقع جن میں شریعت نے مرد کو زدوکوب کی اجازت دی ہے، اگر ان میں شوہر نے حد مقررہ سے زیادہ مارا یا بغیر ان اسباب کے زدوکوب کیا جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے، ان ہر دو صورتوں میں شوہر مستحق تعزیر ہوگا۔

شامی نے بحر کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

"وصرحوا بانه اذا ضربها بغير حق وجب عليه التعزيراً اى وان لم يكن فاحشا"

محترم مولانا!

مذکور الصدر تفصیلات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ عورت کا حق شرعی یہ ہے کہ اس کے نشوز پر اولاً اسے سمجھائے، نہ مانے تو ترک تعلق یعنی ہجران کے ذریعہ اس کو سدھارنے کی کوشش کی جائے۔ یہ بھی کارگر نہ ہو تو مخصوص حدود کے اندر زدوکوب کیا جائے۔ عورت کا یہ شرعی حق ہے کہ بغیر حق اسے زدوکوب نہ کیا جائے اور اگر عورت سے نشوز اور اسباب ماسبق کے صدور کی وجہ سے شوہر کو زدوکوب کا حق حاصل بھی ہو جائے تو حد مقررہ سے زیادہ زدوکوب نہ کرے، یہاں تک کہ اگر معمولی زدوکوب سے بھی وہ نہ سدھرے تو یا تو مرد اس کے اس نقص کے ساتھ بھی نباہ کرے ورنہ طلاق دے کر علیحدہ کردے مگر ضرب فاحش کی اجازت اسے نہیں دی جا سکتی۔

اب اس روشنی میں معاملہ زیر بحث کو ملاحظہ فرمایئے کہ بقول آپ کے شوہر کو اس کا اقرار ہے کہ اس نے ہاتھ سے، جوتے سے اور لاٹھی سے عورت کو زدوکوب ہی نہیں کیا، بلکہ باندھ کر لٹکا دیا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ ضرب غیر مبرح کیسے قرار دی جا سکتی ہے، جب کہ میرے خیال میں یہ قطعاً بہیمانہ فعل ہے اور باندھ کر لٹکا دینا تو ایسا ذلت آمیز فعل ہے جس کی کسی حالت میں اجازت نہیں ہو سکتی۔ یہ تو مرد کا اپنے اختیار کو ناجائز استعمال کرنا ہے اور اللہ کے کمزور بندوں پر ظلم کے لیے راہیں

نکالنے کے مرادف ہے۔اللہ نے معاشرت بالمعروف اور امساک بالمعروف کا حکم دیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے حقوق میں خیر کی وصیت فرمائی ہے۔ یہ حرکات ان ساری حدود کو توڑتی ہیں۔لاٹھی کی مار ضرب مبرح ہے اس سے اعضا کے ٹوٹ جانے اور چمڑے کے پھٹ جانے کا خطرہ ہے داغ پڑ جانا، جلد کا سیاہ پڑ جانا، تو اس کا لازمی نتیجہ ہے۔اگر ایسی زدوکوب شوہر نے کسی حق اور جنایت پر بھی کی ہو تو وہ مستحق تعزیر ہے۔ چہ جائیکہ یہ امر خود قابل بحث ہے کہ جسے وہ عورت کا قصور کہتا ہے، حقیقتاً قصور ہے بھی یا نہیں۔وہ تو اللہ رب العزت ہی بہتر جاننے والا ہے۔

''واللہ اعلم بالصواب''

ازدواجی الجھنوں کا قرآنی حل

(۱) ''اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ........

(۲) وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ○

(۳) وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا.'' (النساء)

ترجمہ:۔ مرد حاکم ہیں عورتوں پر..........

اور جن کی بدخوئی کا ڈر ہوتم کو تو ان کو سمجھاؤ اور جدا کرو سونے میں، اور مارو ان کو، پھر اگر کہا مانیں تمہارا تو مت تلاش کرو ان پر راہ الزام کی، بیشک اللہ سب سے اوپر والا ہے۔

اور اگر تم ڈرو کہ وہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں تو کھڑا کرو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے، اگر یہ دونوں چاہیں گے کہ صلح کروادیں تو اللہ موافقت کردے گا ان دونوں میں، بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا خبر دار ہے (ترجمہ شیخ الہند)

(۱) اولاً اس آیت کے ذریعہ قرآن کریم نے تدبیر منزل کے بنیادی اصول کی طرف رہنمائی کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خاندان کے نظم کی بنیاد مرد کی حاکمیت اور قوامیت پر ہے اور مرد کی یہ حاکمیت بھی اس وجہ سے ہے کہ اسے قدرت کی طرف سے تدبیر، حکمت اور فہم کی وہ دولت نصیب ہوئی ہے جو تدبیر منزل کی نازک ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہے، اور پھر اس سلسلہ کی مالی ذمہ داریاں بھی مرد پر ڈالی گئی ہیں، دوسری طرف عورتوں میں شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری، صلاح، عفت وعصمت کا جوہر ضروری ہے، اگر مرد قوامیت کے تقاضے پورا کرنے کا اہل نہ ہو، وہ حکمت وتدبر، اعتدال ومیانہ روی، حلم وعفو اور تادیب وتہذیب کی صلاحیتوں سے عاری ہو، یا حقوق مالی کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآنہ ہوتا ہو تو خاندان کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر عورت شوہر کی فرمانبردار نہ ہو، یا پھر اس میں صلاح کا فقدان ہو یا وہ عزت وآبرو کے ساتھ،

شوہر کے مال اور اس کے حقوق کی محافظ بن کر زندگی نہ گذارے تو ایسی صورت میں بھی ''خاندان'' اس سکون کی دولت سے محروم رہے گا، جو نکاح کا بنیادی مقصد ہے۔

(۲) پہلے خوشگوار ازدواجی زندگی کے لئے بنیادی اصول مرد اور عورت کے فطری منصب اور ان کی ذمہ داریوں کا تذکرہ کیا گیا، پھر اس خاندان کا تذکرہ کیا گیا جہاں اس فطری اصول سے انحراف کیا گیا ہو، اور عورت احساس ''برتری'' کا شکار ہو کر یا طبعی ''شرنفس'' کی بنیاد پر مرد کی جائز باتوں میں اطاعت وفرمانبرداری سے گریز کر رہی ہو، ایسی صورت میں مرد کو کیا کرنا چاہئے قرآن کی رہنمائی کا ماحصل یہ ہے کہ مرد کو ''انتقام'' کی راہ اختیار نہیں کرنی چاہئے، بلکہ ''اصلاح'' کی روش اپنانی چاہئے۔ ظاہر ہے کہ انتقام اندھے جذبات کی پیداوار اور غضب کا مظہر ہے، جذباتیت اور غیظ وغضب، اعتدال ترتیب، اور اس فہم وتدبر کے ساتھ نہیں چل سکتے جو قوامیت اور حاکمیت جیسی نازک ذمہ داری کے تقاضے ہیں، اس لئے قرآن نے مرد کو ہدایت کی کہ اگر عورت کی طرف سے نافرمانی محسوس کی جائے تو مرد کو اولاً افہام وتفہیم اور وعظ وتذکیر کا پہلو اختیار کرنا چاہئے اور خوف الٰہی کے جذبات ابھارنے چاہئیں۔ لیکن وعظ وتذکیر کا یہ طریقہ بھی اگر اصلاح کے لیے کافی نہیں ہو تو پھر بے تعلقی کا اظہار اور خوابگاہوں میں علاحدگی کے ذریعہ اصلاح کی کوشش کرے اور اگر اس میں بھی ناکامی ہو تو مجبوراً ہلکے پھلکے زدوکوب کی اجازت ہے، اور ظاہر ہے یہ ضرورت ہے اور ضرورت ''بقدر ضرورت ہی استعمال کی جائے گی۔ اسی لیے ضرب مبرح کی اجازت نہیں اور بغیر ضرورت غیر مبرح کی اجازت بھی نہیں دی جا سکتی۔ فقہا اور مفسرین نے ضرب کے حدود اور ان صورتوں کی تفصیلی وضاحت فرمادی ہے جہاں ضرب جائز ہے۔''

آگے قرآن پاک نے پھر تاکید فرمائی ہے کہ مرد کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ عورتوں پر سختی کرنے کے لیے بہانے تلاش کرتا پھرے، اگر عورتیں اطاعت وفرمانبرداری کی راہ اختیار کرلیں تو پھر مرد کے لیے درست نہیں ہوگا کہ وہ ان کی طبعی کمزوریوں کو زیادتی اور ایذارسانی اور جذبات انتقام کی تسکین کے لیے بہانہ بنائے۔

(۳) اگر مندرجہ بالا ترتیب وار طریق کار بھی اصلاح کے لیے مفید نہ ہو سکے اور میاں بیوی کے باہمی اختلافات نے شقاق، نفرت اور شدید نزاع کی صورت اختیار کرلی تو ایسی صورت

 رضیہ بیگم کی حیثیت ایسی نہ تھی کہ اگر انہوں نے زیور نہ پہنا تھا تو اس پر کسی کو تعجب ہوتا پھر بھی زیور کی دلدادہ۔ زینت بیگم پوچھ ہی بیٹھیں۔ کیا آپ نے زیور پہننا چھوڑ دیا؟

رضیہ بیگم۔ ہاں زیور کے تو میں بھی خلاف ہوں۔

زینت بیگم۔ کیوں؟ رضیہ بیگم نے کہا۔ اس میں نقصانات بہت ہیں

زینت بیگم۔ نقصانات! اس میں تو فائدے ہیں۔ رضیہ بیگم۔ کیا؟

زینت بیگم۔ ایک تو زیور سے بدن کی آرائش و زیبائش ہوتی ہے۔ دوسرے ویسے تو روپیہ جمع نہیں ہوتا۔ زیور کے بہانے سے تھوڑی رقم جمع ہو جاتی ہے۔ زیور پہن بھی لیا جاتا ہے اور ضرورت کے وقت کام بھی آجاتا ہے۔ اور ہم خرما و ہم ثواب کی مثل ہوتی ہے۔

رضیہ بیگم۔ میں کہتی ہوں ان دونوں میں سے ایک چیز بھی نہیں حاصل ہوتی۔ زیبائش تو یوں کہ زیبائش اسے کہتے ہیں جسے سب زیبائش کہیں ہمارا زیور ایسا ہے کہ ہم اس کی تعریفیں کر کے اپنے ہی منہ میاں مٹھو بن لیتے ہیں یا جن غریبوں کے پاس نہیں ہوتا ان پر فخر کر لیتے ہیں۔ لیکن مہذب لوگوں کی نظر میں اسے جہالت کہا جاتا ہے۔ ان کے سامنے ہم خود اسے پہن کر شرماتے ہیں۔ اندیشہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہنسینگے۔ چیز تو وہ اچھی جس کو دیکھ کر لوگ تعریف اور نقل نہ کریں تو کم از کم مذاق تو نہ اڑائیں۔ ہمارا زیور وہ ہے کہ ہندوستان کے باہر ہر جگہ ایران ہو یا ترکی چین ہو یا جاپان۔ مذاق اڑایا جاتا ہے۔

آیت کے ظاہری الفاظ بھی اس کے مخالف ہیں، اس لئے کہ محل شقاق میاں بیوی ہیں، جنہیں ''صیغۂ غائب'' میں ذکر کیا گیا، اور اس شقاق کو محسوس کرنے والے اور پھر حکمین کا تقرر کرنے والے دوسرے لوگ ہیں، جنہیں مخاطب قرار دیا گیا ہے، علاوہ ازیں "فابعثوا" میں حکمین کے تقرر اور ان کے بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ "مرسل "اور" مرسل الیھم "میں مغایرت ہونی چاہئے۔ پھر یہ کہ سیاق وسباق کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جب زوج اصلاح کے تمام طریقے آزما چکا تو اب اس کا کام ختم ہو چکا۔ اب تو اسے معاملہ محاکمہ کے لیے منصف کے سامنے پیش کر دینا چاہئے اور عورت بھی اگر شوہر کے ظلم تعدی سے بچنے کی راہ نہ پائے اور یہ محسوس کرے کہ شوہر اس کو تنگ کرنے کے لیے بہانے تلاش کرتا رہتا ہے تو وہ بھی قاضی کے سامنے محاکمہ کر سکتی ہے، اور پھر قاضی اصلاح حال کے لیے حکمین مقرر کرے گا۔ لہٰذا اس آیت کے مخاطب حکام وولاۃ ہی ہیں۔

امام ابو بکر جصاص رازی نے اسی پہلو کو پسند کیا ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

('' آیت کریمہ "واللاتی تخافون نشوزهنَّ "میں شوہروں کو خطاب کیا گیا ہے۔ جیسا کہ آیت کے اگلے ٹکڑے 'واھجروھن فی المضاجع ") سے ثابت ہوتا ہے اور آیت "ان خفتم شقاق بینھما " میں حاکم مخاطب ہے، فریقین کے معاملات پر غور وخوض کرنا اور ظلم وتعدی سے روکنا جس کی ذمہ داری ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے زوجین کے معاملہ کو بیان کرتے ہوئے شوہر کو حکم دیا کہ پہلے وہ وعظ وتذکیر سے کام لے۔ پھر بھی اگر عورت نشوز سے باز نہ آئے تو خواب گاہ میں علیحدگی اختیار کر لے اس کے بعد بھی اگر وہ نشوز پر قائم رہے تو مار کے ذریعہ تنبیہ کرے، اس کے بعد شوہر کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اپنا محاکمہ ایسے شخص کے پاس لے جائے جو ظالم ومظلوم میں انصاف کرے اور اپنا حکم دونوں پر نافذ کر سکے۔''

امام موصوف مزید لکھتے ہیں:

'' یہ معاملہ عنین، مجذوب اور ایلاء کے حکم میں ہے کہ ان میں بھی حاکم ہی معاملہ پر غور کرتا ہے اور فریقین کے مابین حکم خداوندی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے، چنانچہ یہاں بھی جب زوجین میں اختلاف ہو اور شوہر نشوز کا دعویٰ کرے اور بیوی ظلم وحق تلفی کا، تو حاکم میاں بیوی کے اہل میں سے ایک ایک حکم مقرر کرے گا جو دونوں کے معاملات پر کاروائی کی رپورٹ حاکم کو پیش کریں گے۔

(احکام القرآن مطبوعہ بیروت: ۱/۱۹۰)

علامہ آلوسی صاحب روح المعانی کی رائے میں بھی یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے۔
(روح المعانی مصطفائی: ۵/۲۶)

بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ نے تفسیر مظہری میں اسی قول کو اختیار کیا ہے اور لکھا:"وان خفتم ایھاالحکام شقاق .....الخ" (مظہری:۱۰۱۔ مطبوعہ ندوۃ المصنفین)

دوسرا مسئلہ حکمین کی حیثیت اوران کے حدود واختیار کی تعین کا ہے، آیت زیر بحث نے حکمین کی تعیین پر روشنی ڈالی ہے، لیکن حکمین کی حیثیت کیا ہوگی اوران کا دائرۂ اختیار کیا ہوگا؟ اس بارے میں آیت خاموش ہے، اس لیے یہ مسئلہ فقہاء کے اجتہادات کا محل بنا ہے، اور مختلف فقہاء نے مختلف رائیں ظاہر کی ہیں، آئندہ ہم ان کی آراء کی تفصیل ذکر کریں گے۔

حکمین کی حیثیت کے بارے میں ایک رائے تو یہ ہے کہ "ان کی حیثیت فریقین کے وکیل کی ہے اس لیے حکمین کے تقرر میں زوجین کی رضامندی ضروری ہوگی، اور فیصلہ میں حکمین کو ان حدود کا پابند رہنا ہوگا جن کا اختیار انہیں وکالت میں دیا گیا ہو۔ پس اس صورت میں ضروری ہوگا کہ حکمین جو بھی فیصلہ کریں وہ فریقین کے درمیان افہام وتفہیم کے بعد ان کی رضا حاصل کر کے ہو یا پھر فریقین کے دئے ہوئے اختیارات کے حدود میں ہو، ورنہ وہ فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔ لہٰذا حکمین محض اپنی رائے سے تفریق کے مجاز نہیں ہوں گے۔ عطا بن ابی رباح کا یہی قول ہے۔

امام شافعیؒ کا ایک قول یہی ہے اور حسن بصریؒ، نیز ابوحنیفہؒ کی یہی رائے نقل کی گئی ہے، اور زجاج کی بھی یہی رائے ہے۔ اس رائے کی بنیاد پر "حکمین" یا تو فریقین کے بااختیار وکیل ہوں گے یا محض افہام وتفہیم کا درمیانی واسطہ جن کی زیادہ سے زیادہ حیثیت یہ ہوگی کہ وہ حالات کا گہرائی سے جائزہ لے کر زوجین کے درمیان صلح کرادیں گے۔ یا باہمی رضا سے طے ہوجانے والے شرائط پر تفریق کی صورت نکال دیں گے اور اگر وہ کسی حل تک نہیں پہنچ سکیں تو جن حالات سے وہ اپنی تحقیقات کے دوران باخبر ہوئے ہیں ان کی رپورٹ قاضی کو دیں گے۔ اور بوقت ضرورت عند القضاء شاہد کی حیثیت سے پیش ہوسکیں گے۔

اس رائے کے حامیوں کا استدلال یہ ہے کہ زوجین عاقل وبالغ ہیں اور خودمختار مرد کا حق "ملک بضع" پر ہے اور عورت کا حق مال پر، اس حق میں کسی غیر کو تصرف کا حق اس وقت حاصل ہوسکتا ہے جب کہ وہ خود زوجین کا وکیل ہو، یا پھر قاضی ہو، جس کو اموال ونفوس پر بحکم شرع ولایت

حاصل ہے۔ لہٰذا حکمین کو جمع وتفریق کا عمومی اختیار عاقل وبالغ خود مختار فرد کے نجی حقوق میں مداخلت ہوگا، جو شرعاً درست نہیں ہے۔

واضح رہے کہ امام احمد بن حنبلؒ سے دو روایتیں ہیں جن میں سے ایک روایت مذکورہ بالا قول کے مطابق ہے۔

فقہاء کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ ''حکمین'' کی حیثیت حاکم کی ہے اور انہیں کلی اختیار حاصل ہے کہ وہ میاں بیوی کو ساتھ رہنے کا حکم دے سکتے ہیں۔ دونوں کے درمیان تفریق کر سکتے ہیں۔ عورت پر طلاق کا معاوضہ عائد کر سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں نہ اس کی ضرورت ہے کہ زوجین انہیں وکیل بنائیں اور نہ یہ شرط کہ میاں بیوی ان کی تحکیم یا ان کے فیصلہ پر راضی ہوں۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؒ، شعبیؒ، نخعیؒ، سعید بن جبیرؒ، امام مالکؒ اوزاعیؒ، اسحاق ابن المنذرؒ کا قول یہی ہے، اور ایک روایت امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ سے یہی ہے۔ علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ علماء احناف میں سے بھی بعض سے یہ قول منقول ہے کہ اگر بدسلوکی اور زیادتی مرد کی طرف سے ہو تو حکمین کو تفریق کا اختیار ہوگا، اور اگر عورت کی طرف سے ہو تو مہر کے کچھ حصوں کے عوض انہیں تفریق کا اختیار ہوگا۔ (روح المعانی: ۵/۲۷)

امام ابوبکر جصاص رازی نے اپنی مشہور تصنیف احکام القرآن میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے اور حنفی نقطۂ نظر کی مکمل وضاحت فرمادی ہے، جس کا ماحصل یہ ہے، فرمان خداوندی: ''فابعثوا حکما من اهله وحکما من اهلها'' دلالت کرتا ہے کہ شوہر کی طرف کا حکم شوہر کا وکیل اور زوجہ کی طرف کا حکم زوجہ کا وکیل ہوگا۔ اس سے ان لوگوں کا قول باطل ہوجاتا ہے جو کہتے ہیں کہ ''حکمین'' کو زوجین کے مابین جمع وتفریق دونوں کا اختیار ہے۔ حکمین دراصل زوجین کے وکیل ہوں گے۔ ایک شوہر کا وکیل، دوسرے بیوی کا۔ چنانچہ حکمین جو کاروائی کریں گے، وہ زوجین کی رضامندی سے کریں گے۔ اسی وجہ سے احناف نے کہا ہے کہ شوہر کی رضامندی کے بغیر حکمین کو تفریق کا حق حاصل نہیں، کیونکہ یہ متفق علیہ ہے کہ حکمین کے تقرر سے پہلے اگر شوہر بدسلوکی کا اقرار کرے تو بھی نہ تو تفریق کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح بیوی کے اعتراف نشوز سے حاکم اس کو خلع پر مجبور نہیں کر سکتا، تو جب حکمین کی تقرری سے پہلے یہ حکم ہے تو اس کے بعد بھی یہی حکم ہوگا، کیونکہ جب حاکم خود یہ حق نہیں

رکھتا تو حکمین کو کیونکر یہ حق ہوگا۔ غرض حکمین صرف اس لیے مقرر کئے جاتے ہیں کہ زوجین کے مابین مصالحت کرادیں۔ یا بوقت ضرورت حاکم کے پاس ظالم و سرکش کے خلاف شہادت دیں۔

(احکام القرآن: ص ۱۰۹ تا ۱۹۳)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: ''اس میں اختلاف ہے کہ حکمین کو جمع و تفریق کا حق ہے یا نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حکمین کو یہ حق ہے، یہ حضرت علیؓ ابن عباسؓ اور امام شافعیؒ کا قول ہے۔ ابن جبیر کی ایک روایت بھی یہی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حکمین کو اس کا حق نہیں۔ یہ حسن بصریؒ اور زجاج کا قول ہے۔ امام اعظمؒ کی طرف بھی یہ قول منسوب ہے۔ فرقہ امامیہ نے حسنؒ کے قول کو اختیار کیا ہے۔ شاید حضرت علیؓ سے ان کے نزدیک کوئی روایت ثابت نہیں ہے۔ امام شافعیؒ سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ امام مالکؒ نے کہا کہ حکمین اگر خلع میں مصلحت سمجھیں تو خلع کرادیں''۔

علامہ موصوف آگے لکھتے ہیں: ''غرض مسئلہ اجتہادی ہے اس لئے ایک مجتہد کا قول دوسرے کے خلاف حجت نہیں۔'' (روح المعانی: ۵/ ۲۶۔۲۷ مختصراً)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں تحریر فرماتے ہیں: ''حکمین زوجین کے حالات کی تحقیق کریں گے اور ظلم و زیادتی کا پتہ چلائیں گے۔ اگر شوہر کی طرف سے ظلم ثابت ہو تو اس کو حکم دیں گے کہ بھلائی سے رکھو یا خوب صورتی سے علیحدہ کردو، اور اگر بیوی کی طرف سے نشوز و تعدی ہو تو اس کو حکم دیں گے کہ یا تو نشوز چھوڑ دے اور شوہر کی اطاعت کرے یا تاوان دے کر علیحدہ ہو جائے۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ زوج کا حکم بدون اس کی رضامندی کے طلاق دے سکتا ہے اور زوجہ کا حکم بغیر اس کی رضا کے خلع کر سکتا ہے، اور اگر خلع بالعوض ہو تو عورت پر مال کی ادائیگی واجب ہوگی، اور جمہور علماء کے نزدیک حکمین کو جمع و تفریق کا اختیار نہیں ہے۔ اگر فریقین نے اختیار دیا ہو تو مصالحت کرائیں گے اور اگر مصالحت ممکن نہ ہو تو ظالم کے خلاف حاکم کے پاس شہادت دیں گے۔ ظلم اگر شوہر کی طرف سے ہو تو حاکم اس کو مجبور کرے گا، کہ یا تو بھلائی سے رکھے یا خوب صورتی سے علیحدہ کردے ''وامساک بمعروف اوتسریح باحسان'' اور اگر ظلم عورت کی طرف سے ہو تو حاکم اس کو مجبور کرے گا کہ نشوز چھوڑ دے یا تاوان دے کر الگ ہو جائے۔'' (تفسیر مظہری: ۱۰۱)

مسئلہ کی بہتر تفصیل علامہ ابن قدامہ مقدسی نے المغنی میں کی ہے، خلاصہ درج ذیل ہے

......اگر مندرجہ بالا صورتیں (وعظ وتذکیر، خواب گاہ میں علاحدگی اور ضرب) اصلاح کے لیے کافی نہ ہوں اور زوجین میں شقاق، منافرت اور تنازع قائم ہے تو حاکم مرد کے متعلقین میں سے ایک حکم اور عورت کے متعلقین میں سے ایک حکم مقرر کرے گا، جو زوجین کے معاملات پر غور کر کے جمع وتفریق میں سے کوئی صورت جس میں مصلحت پائیں گے اختیار کریں گے۔

امام احمدؒ سے حکمین کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ حکمین زوجین کے وکیل ہوں گے، جن کو زوجین کی اجازت کے بغیر تفریق کا حق نہ ہوگا۔ کیونکہ شوہر کا حق ''ملک بضع'' پر ہے اور عورت کا حق مال پر، دونوں عاقل وبالغ ہیں، اس لیے ان کی وکالت کے بغیر کسی کو اس پر تصرف کا حق نہ ہوگا یہی مذہب عطاءؒ، امام شافعیؒ، حسن بصریؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا ہے اور دوسری روایت (امام احمدؒ) کی یہ ہے کہ حکمین کی حیثیت حاکم کی ہے، ان کو جمع وتفریق بالعوض یا بلا عوض جو مناسب سمجھیں کرنے کا حق ہے، نہ تو زوجین کی طرف سے توکیل کی ضرورت ہے، نہ رضامندی کی۔ یہ مذہب حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، ابوسلمہ بن عبدالرحمنؒ، شعبیؒ، نخعیؒ، سعید بن جبیرؒ، مالکؒ، اوزاعیؒ، اسحاقؒ اور ابن منذرؒ کا ہے۔ (المغنی لابن قدامہ: ۷/ ۳۸۔۳۹)

مدونہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر زوجین خود حکم مقرر کریں تب تو حکمین کو اختیار حاصل ہوگا ہی، اس لیے کہ اس کی حیثیت وکیل کی ہوگی، لیکن ساتھ ہی ساتھ اگر قاضی نے حکمین کو مقرر کیا ہو تو بھی جمع وتفریق دونوں کا اختیار حاصل ہوگا۔ (المدونۃ: ۳۶۷)

اور فقہ مالکی کی مشہور اور مستند کتاب مختصر الشیخ خلیل میں ہے کہ اگر زیادتی شوہر کی ہو تو حاکم اس کی تنبیہ کرے گا، اور عورت کو نیک ہمسائیوں میں رکھے گا۔ پھر بھی مصالحت مشکل ہو تو حکمین مقرر کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ دونوں زوجین کے پڑوسی ہوں۔ حکمین کی عائد کردہ طلاق نافذ ہوگی خواہ زوجین وحاکم اس پر راضی نہ ہوں، اگر حکمین غیر عادل سفیہ عورت اور غیر فقیہہ ہوں تو ان کا حکم باطل قرار دیا جائے گا۔ (ج:۱/ ۳۳۸)

آگے لکھتے ہیں: ''ولهما ان قاما الا تلاع مالم يستو عبا الكشف ولعز ماعه الحكم (ص:۲۳۹)

''ومفهومه انهما لو كانا موجهين من الحاكم فليس لهما الا قلاع ولولم

یستو عبا"۔ (ایضاً ۳۴۰)

یعنی زوجین نے اگر خود حکم مقرر کیے ہیں تب تو تحقیقات مکمل ہونے سے پہلے پہلے فریقین کو رجوع کا حق ہوگا، اس کے بعد نہیں اور اگر حکمین کا تقرر عدالت کی طرف سے عمل میں آیا ہوتو فریقین کوکسی مرحلہ میں ان کے فیصلہ سے گریز کا اختیار نہیں، اور فقہ شافعی کی مشہور کتاب "نہایۃ المختار الیٰ شرح المنہاج" میں ہے کہ:

"اگر زوجین میں شقاق ومنافرت بڑھ جائے تو بحوالہ آیت قاضی حکم مقرر رے گا، کیونکہ یہ بھی دفع ظلم ہے جو قاضی کا فریضہ ہے، حکمین کے لیے مسنون یہ ہے کہ وہ زوجین کے اہل میں سے ہوں، حکمین زوجین کے وکیل ہوں گے، کیونکہ زوجین خود عاقل وبالغ ہیں اور عاقل مرد کا حق "ملک بضع" پر ہے، اور عورت کا حق مال پر۔ غیر کو ان میں تصرف کا حق کیونکر ہوسکتا ہے۔

دوسرے قول کے مطابق حکمین کی حیثیت حاکم کی ہوگی جو خود حاکم کے مقرر کردہ ہوں گے اور کبھی عاقل وبالغ شخص کے خلاف اس کی رضا کے بغیر بھی تصرف کا حق ہوتا ہے۔ جیسے مفلس، لیکن مفلس کے معاملہ میں تصرف کا حق اس کی ذات کے لیے نہیں بلکہ غیر کے لیے ہے۔ اور اس معاملہ میں خود زوجین کی ذات کا معاملہ ہے۔ اس لیے یہاں دونوں کی رضا ضروری ہے۔

پس خلاصہ یہ کہ:

(۱) حکمین کی حیثیت اور ان کے حدود اختیار کا مسئلہ "مجتہد فیہ مسئلہ" ہے۔

(۲) فقہاء کے ایک گروہ کے نزدیک جن میں امام ابوحنیفہؒ وغیرہ ہیں حکمین حاکم نہیں ہوتے بلکہ

(الف) اگر فریقین ان کی تحکیم پر راضی ہو گئے ہیں اور انہیں طلاق یا خلع وغیرہ کے اختیارات سپرد کردئے ہیں تو وہ بحیثیت وکیل تصرفات کے مجاز ہوں گے۔

(ب) اگر فریقین نے حکمین کو وکیل نہیں بنایا ہے تو حکمین کا کام یہ ہوگا کہ تحقیق وتفتیش کے بعد باہمی افہام وتفہیم کے ذریعہ رخصتی یا علیحدگی کا راستہ طرفین کی رضا سے نکال دیں، اور اگر طرفین کی رضا سے کوئی راستہ نہ نکل سکے تو پھر وہ اپنی مفصل رپورٹ قاضی کے سامنے پیش کریں گے اور اپنی تحقیقات پر عند القضاء شہادت پیش کریں۔ جس کو عدالت غیر جانبدار شہادت قرار دے کر

خاص اہمیت دے گی۔

(۳) فقہاء کے دوسرے گروہ جن میں امام مالکؒ وغیرہ ہیں کی رائے یہ ہے کہ ’’حکمین‘‘ صاحب اختیار حاکم کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کا تقرر طرفین کی رضا کا محتاج نہیں، ان کا تصرف فریقین کی توکیل کا محتاج نہیں، اور ان کے فیصلہ کا نفاذ زوجین کی رضا پر موقوف نہیں، قاضی کے مقرر کئے ہوئے حکمین سے انکار کا حق فریقین کو نہیں اور نہ فریقین ان کے فیصلہ سے گریز کر سکتے ہیں، البتہ اگر فریقین نے خود حکم مقرر کئے ہوں تو تحقیقات مکمل ہونے سے پہلے پہلے فریقین کو تحکیم سے رجوع کا اختیار ہوگا۔

حکمین کے لیے ضروری صفات

(۱) بچہ، عورت، غلام، سزا یافتہ اور غیر مسلم حکم نہیں ہو سکتے۔ (المدونہ: ۳۶۷)

(۲) حکم کا عادل اور عاقل ہونا ضروری ہے، اس لیے فاسق کو حکم مقرر نہیں کیا جا سکتا۔

(شرح مختصر خلیل للدردیر: ۱/۳۳۸)

(۳) حکم سفیہ نہیں ہو، رشید ہونا ضروری ہے۔ (شرح دردیر: ۱/۳۳۹)

(۴) حکم کا ازدواجی نزاعات کے مسائل نشوز کے احکام اور تفریق کے مسائل سے باخبر ہونا ضروری ہے۔ (ایضاً)

(۵) مستحب یہ ہے کہ حکمین زوجین کے پڑوسی اور ان کے متعلقین میں سے ہوں، اگر اہل اور باصلاحیت لوگ جو غیر جانبداری کے ساتھ کسی نتیجہ تک پہنچنے کے لائق ہوں، جانبین کے متعلق اور ان کے اہل جوار میں موجود ہوں تو انہیں ہی حکم مقرر کیا جانا چاہئے، اور اگر ایسے اہل لوگ موجود نہ ہوں تو اجانب میں سے حکم مقرر کئے جائیں گے۔ (المدونہ: ۱/۳۶۸)

(۶) اگر زوجین میں سے ایک کے متعلقین ہیں تو کوئی اہل ہو اور دوسری جانب اہل موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں کیا ایک اجنبی اور دوسرا فریق کے متعلقین میں سے مقرر کیا جائے گا۔ یا دونوں ہی اجنبی مقرر ہوں گے؟

اس بارے میں مالکیہؒ کے دو قول ہیں: ’’لخمی نے کہا کہ دوسرا اجنبی مقرر کیا جائے گا، اور ابن حاجف نے کہا کہ دونوں اجنبی ہوں گے اور قریبی رشتہ دار کو چھوڑ دیا جائے گا۔ (شرح دردیر: ۲/۳۲۸)

(۷) چونکہ فقہ مالکی کی رو سے حکمین فریقین کے وکیل نہیں ہوتے اس لئے اگر اجانب میں سے حکم کا تقرر ہو تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حکمین میں سے ہر ایک کو کسی فریق کی طرف سے متعین کرنا ضروری نہیں ہوگا، قرآنی آیت سے بھی حکمین کا جانبین کے متعلقین میں سے مطلوب ہونا معلوم ہوتا ہے۔ یہ مصرح نہیں ہے کہ ہر حکم کسی ایک جانب سے مقرر ہوگا، اور وہ اپنی جانب کے معاملات کا محافظ اور نگراں ہوگا۔

حکمین کی طرف سے واقع کی ہوئی طلاق کی تعداد اور اس کا حکم

(۱) حکمین کو صرف ایک طلاق واقع کرنے کا اختیار ہے۔

(۲) اگر ایک سے زائد طلاق واقع کریں گے تو ایک سے زائد طلاق قرار پائے گی۔

(۳) حکمین جو ایک طلاق واقع کریں گے وہ بائن ہوگی۔

(۴) اگر حکمین میں سے کوئی ایک طلاق واقع کرے اور دوسرا زائد تو ایک متفق علیہ واقع ہوگی، اور زائد رد۔ (حوالہ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو شرح مختصر خلیل للدردیر: ۱/ ۳۴۹ - المدونہ: ۱/ ۳۶۹)

تحکیم کا محل

آخری میں ایک مسئلہ کی وضاحت اور ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ قاضی کس قسم کے مقدمہ میں حکم مقرر کرے گا، اس مسئلہ کی وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ اکثر و بیشتر اس معاملہ میں غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ نتیجتاً ایسا عمل کیا جاتا ہے جو فقہ مالکی کی تصریحات کے خلاف ہے۔ حالانکہ فقہ مالکی کی طرف عدول ایک ضرورت ہے، اس لیے بوقت ضرورت پورے احتیاط کے ساتھ فقہ مالکی کی تصریحات پیش نظر رکھ کر اس مسئلہ پر عمل کیا جائے گا، لہٰذا یہ جاننا ضروری ہے کہ تحکیم کا عمل قاضی کو کہاں اختیار کرنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں چند امور کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

(۱) مقدمہ میں عورت شوہر کی طرف سے زیادتی کا دعویٰ کرے اور شوہر کے اقرار کے ذریعہ یا گواہوں کے ذریعہ اس کی زیادتی ثابت ہو جائے تو ایسی صورت میں اگر عورت فسخ کی خواہش مند نہ ہو تو قاضی وعظ وتذکیر کے ذریعہ یا زدوکوب کی سزا کے ذریعہ مقدمہ کو ختم کر سکتا ہے، اور اگر شوہر کی طرف سے زیادتی ثابت نہ ہو تو صرف سمجھا بجھا کر چھوڑ دے گا۔

(۲) اور اگر زوجین میں سے ہر ایک کی زیادتی ایک دوسرے پر ثابت ہو جائے تو دونوں کو سمجھائے یا دونوں کو زدوکوب کی سزا دے۔

(۳) اگر عورت ضرر کا دعویٰ کرے اور اس کا دعویٰ ثابت ہو جائے تو ظاہر ہے کہ ثبوت ضرر کی وجہ سے قاضی عورت کا نکاح فسخ کر دے گا، اگر وہ ایسا چاہے گی۔

(۴) اور اگر عورت ضرر رسانی کا دعویٰ تو کرے لیکن ثابت نہ کر سکے اور یہ شکایت عورت کی طرف سے دوبارہ قاضی کے سامنے آئے یا ہر دو ضرر کا دعویٰ کر رہے ہوں، لیکن ثبوت پیش نہ کر سکیں تو ایسی صورت میں قاضی فریقین کے صالحین کی نگرانی میں رکھ کر اصلاح حال کی کوشش کرے گا۔

(۵) اور اگر پہلے ہی سے عورت صالحین کے ماحول میں ہو یا صالحین کی نگرانی میں رکھنے کے احکامات کسی وجہ سے موجود نہ ہوں، یا صالحین کے ماحول میں رکھنے کے باوجود پیچیدگی برقرار رہے اور کوئی واضح بات نہ نکل سکے کہ کس فریق کی زیادتی ہے تو ایسی صورت میں قاضی معاملہ حکمین کے حوالے کر دے گا۔ خلاصہ یہ کہ ازدواجی تعلقات انسان کے ایسے نجی معاملات ہیں جن میں بہت سے ایسے مرحلے آسکتے ہیں، جہاں عدالتوں میں کسی امر کو ثابت کرنا دشوار امر ہوگا۔ ایسے حالات میں دیگر حقوق کی طرح عدم ثبوت کی بنیاد پر مقدمہ کا خارج کر دیا جانا کافی نہیں ہوگا۔ بلکہ اس طرح کی صورت میں جبکہ میاں بیوی کی زندگی ایک دوسرے سے وابستہ ہے محض مقدمہ کی ہار جیت مسئلہ کا حل نہیں کر سکتی۔ بلکہ پیچیدگیاں بڑھا سکتی ہیں۔ اس لیے شارع کا منشا یہ ہے کہ ایسے مواقع پر جب بھی عدالتوں میں ثبوت دشوار ہو جائے حکمین کے ذریعہ مقدمہ کا فیصلہ کیا جائے۔ جن کے فیصلہ کی بنیاد ''نجی تحقیقات'' پر ہوں گی۔ باضابطہ بحث وشہادت نہیں۔ اس طرح مسئلہ حل ہوگا، محض ہار جیت کا فیصلہ نہیں، اب اس سلسلہ میں امام مالکؒ کا قول جو ''مدونۃ'' میں نقل کیا گیا ہے اسے ملاحظہ کیا جائے:

''قال مالک الا مر الذی یکون فیه الحکمان انما ذالک اذافتح مابین الرجل وامرأته حتی لا تثبته بینهما بینته ولا یستطاع أن یتخلص الی امر هما فاذا بلغا ذالک بعث الولی.'' (المدونۃ: ۲/۳۶۷)

حاصل یہ ہے کہ تحکیم کا محل وہ مقدمہ ہے جہاں زوجین کے باہمی معاملات اس قسم کے ہیں جنہیں شہادت کے ذریعہ ثابت کرنا مشکل اور حقیقت حال تک پہنچنا عدالت کے بس سے باہر ہو، اور دوسری عبارت علامہ ابوالولید محمد بن احمد بن رشید قاضیؒ قرطبہ کی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حکمین کے فیصلہ کے خلاف زوجین میں سے کسی کو عذر کا اختیار نہیں رہتا، اس لئے کہ حکمین کے فیصلہ کی بنیاد شہادت قاطعہ پر نہیں ہوتی۔ بلکہ طرفین کے حالات کی اس واقفیت پر ہوتی ہے، جو حکمین کو نجی تحقیقات سے حاصل ہوتی ہے۔ (المدونہ: ۴۲۸)

اور مختصر الشیخ خلیل اور اس کی شرح میں دردیر نے ان مختلف شقوں کی طرف اشارہ کیا ہے، جن کا تذکرہ شروع میں کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو شرح دردیر علی مختصر الشیخ خلیل: ۱/ ۳۳۸)

حکمین کے لیے طریق کار

جب واضح ہو گیا کہ حکمین کو قاضی مقرر کرے گا اور فقہ مالکی کی رو سے وہ حاکم ہوں گے، ان کے تقرر میں فریقین کی رضا کو دخل نہیں اور نہ فریقین کو ان کے فیصلہ کے خلاف کسی اعتراض کا حق ہے اور نہ ان کے فیصلہ کا نفاذ۔ فریقین کی رضا تو کیل پر موقوف ہے، نیز یہ کہ قاضی اس مقدمہ میں حکمین کو مقرر کرے گا، جس میں فریقین کے درمیان شقاق اور دوری بڑھ چکی ہو، شہادت وثبوت سے قطعی نتیجہ تک پہنچنا دشوار ہو اور مقدمہ کا قانونی فیصلہ مسئلہ کے حل سے عاجز نظر آرہا ہو۔ حکمین اپنے فیصلہ کی بنیاد.................. ذاتی تحقیقات پر رکھیں گے۔ ان سارے نکات کی وضاحت کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس طریق کار کو بھی واضح کردیا جائے جو حکمین کو اختیار کرنا چاہئے۔ فقہ مالکی میں اس سلسلہ میں جو تصریحات ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ:

(۱) حکمین اپنی پوری امکانی کوشش جانبین کے مابین خوشگوار تعلقات قائم کرنے کے لیے صرف کریں۔

(۲) اگر اصلاح حال ناممکن نظر آئے تو غور کریں۔

(الف) بدسلوکی شوہر کی طرف سے ہے تو پھر عورت پر بلا کسی عوض کے طلاق واقع کردیں۔

(ب) اور اگر بدسلوکی عورت کی طرف سے ہو تو اگر زوج جدائی چاہتا ہو تو خلع کردیں اور

اگر زوج جدائی نہیں چاہتا اور حکمین یہ محسوس کریں کہ طرفین کی فلاح جدائی میں ہے اور عورت اپنے شوہر کے ساتھ حدود اللہ پر قائم رہتے ہوئے زندگی نہیں گذار سکتی تو ایسی صورت میں بھی خلع کر دیں، عوض خلع کی تعیین کرتے وقت ہر دو صورت میں طرفین کے حالات پر نگاہ رکھیں۔ اس صورت میں خلع کا عوض مقدار مہر سے زیادہ بھی ہو سکتا ہے اور اگر شوہر جدائی نہیں چاہتا اور اس کے امکانات ہیں کہ اس نکاح کو باقی رکھنے کی صورت میں حدود اللہ قائم رکھتے ہوئے عورت زندگی گذار سکے گی، تو پھر شوہر کو صبر اور حسن معاشرت کی تلقین اور عورت کو اطاعت زوج کی تلقین کر کے مقدمہ ختم کر دیں۔

(ج) اگر فریقین میں سے ہر ایک کی زیادتی نظر آوے چاہے ایک کی زیادتی دوسرے سے کم یا زیادہ ہو تو ایسی صورت میں فقہ مالکی میں دو قول ہیں۔ اکثر کی رائے یہ ہے کہ بلا عوض طلاق واقع کر دی جائے، جب کہ خوشگوار تعلقات کا امکان باقی نہ رہے اور عورت علیحدگی چاہ رہی ہو اور بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ تھوڑے عوض کے بدلہ طلاق دیدی جائے۔

(۳) حکمین جو کچھ فیصلہ کریں انہیں چاہیئے کہ وہ قاضی کو پیش کر دیں۔

(ملاحظہ ہو شرح دردیر علی مختصر شیخ خلیل: ۳۲۹/۱)

آخر میں یہ ذکر نا مناسب نہ ہوگا کہ قوانین عثمانی کی تنسیخ کے بعد مصر میں نافذ ہونے والے قانون میں فقہ مالکی کے مطابق ضرر رسانی کو سبب فسخ قرار دیتے ہوئے جو ضابطہ بنایا گیا ہے، اس کا ماحصل وہی ہے جو ہم نے اوپر شرح دردیر کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

"ھٰذا ما کان عندی واللہ اعلم بالصواب"

ہندوستان میں مسلمانوں کے تعلیمی مسائل

تعلیم کسی بھی قوم کے لیے ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتی ہے، اور خصوصیت سے مسلمانوں کے لیے اس کی اہمیت چند در چند زائد ہے، وحی الٰہی کا آغاز یوں ہوا ہے ''اقرأ'' پڑھ رب کا نام لے کر جو خالق ہے، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے، جس نے انسان کو قلم سے تعلیم دی، انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔

قرآن نے رسول اللہ علیہ وسلم کے فرائض میں تلاوت آیات قرآن اور تعلیم کتاب وحکمت کو داخل فرمایا۔ جس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان مرد وعورت پر تعلیم کو فرض قرار دیا اور جس رسول کو ابدی معجزہ قرآن اور الکتاب علمی معجزہ کی صورت میں دیا گیا اور جس کتاب نے صاف اعلان کر دیا ''هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ'' کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟ اور جس کتاب نے آدم اور ابن آدم کا شرف ساری مخلوقات حتی کہ ملائکہ تک پر بھی علم کی وجہ سے قائم کیا ہے پس مسلمانوں کے لیے تعلیم کا مسئلہ ایک صاحب پیغام امت ہونے کی حیثیت سے ان کی مذہبی تعلیمات کا ایک بنیادی حصہ ہے، جسے کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے اور ماضی میں ہمارے بزرگوں نے اس فرض کی انجام دہی کے لیے وہ سب کچھ کیا جو ان کے بس میں تھا۔

یہ ایک ناقابل فراموش حقیقت ہے کہ تعلیم کی اشاعت اور خاص کر دین اور علم دین کے تحفظ کے لیے عظیم الشان خدمات ہمارے سلف نے بوریوں پر بیٹھ کر اور مادی تکلیفیں برداشت کر کے انجام دیں۔ انہوں نے معمولی معمولی معاوضہ پر حسبۃ للہ اس میں اپنی بڑی بڑی صلاحیتیں لگا دیں، اور دنیا کے آرام وآسائش کو بالائے طاق رکھ کر اور اپنے بال بچوں کا پیٹ کاٹ کر ملت کے نونہالوں تک علم دین کا ''رزق حسن'' بہم پہنچاتے رہے، اگر دس بیس علماء ایسے ملیں گے جن کو کسی مسلم حکومت یا کسی امیر اور تعلقہ دار کی طرف سے کچھ مالی مدد مل جایا کرتی تھی تو ہزاروں کی تعداد ایسے

علماء کی ملے گی، جو تعلیم دین پر یہی نہیں کہ کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے بلکہ اپنی حیثیت کے مطابق طلبہ کے خورد ونوش کا بھی خود انتظام کرتے تھے، آج مدرسوں کی جو صورت حال دکھائی دے رہی ہے، قدیم زمانہ میں یہ نہ تھی، نہ تو شاندار عمارتیں ہوتی تھیں، اور نہ خورد ونوش کا کوئی اچھا مرتب نظام تھا، مگر ان کے پڑھنے والوں میں علم دین کا ذوق اور دلوں میں اس کا احترام باقی تھا، اس لیے وہ ہزاروں تکلیفیں اٹھا کر بھی اس دولت کو حاصل کرتے تھے، ان ہی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ شاید ہی کوئی بڑی بستی ایسی ہو جہاں ابتدائی یا منتہی مدرسے نہ موجود ہوں، ''صبح الاعشیٰ قلشقندی'' کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو وہ دلی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''فیها الف مدرسة واحدة للشافعية وبا قيها للحنفية (جلد ص:۲۹۵ مطبوعہ مصر)

''ہندوستان کے پایہ تخت دہلی میں اس وقت ایک ہزار مدرسہ ہیں جن میں ایک شافعی مسلک کا بقیہ حنفی ہیں''۔

اورنگ زیب کے زمانہ کے مصری سیاح کلیٹن کا بیان ہے کہ شہر ٹھٹھہ میں مختلف علوم وفنون کے ۴۰۰ مدرسے ہیں۔ (نظام تعلیم وتربیت جلد:۱ص:۳۱۷)

مولانا سید سلیمان ندوی ؒ نے ''حیات شبلی'' میں ۲۹ ایسے مدرسوں کی فہرست دی ہے، جو صرف جون پور اور اس کے اطراف میں علما نے قائم کر رکھے تھے۔ (حیات شبلی ص:۳۶)

اسی طرح مولانا مناظر احسن گیلانی ؒ نے اپنی کتاب ''نظام تعلیم وتربیت'' اور مولانا ابوالحسنات ندوی مرحوم نے اپنی کتاب ''ہندوستان کے عربی مدارس میں ایسے سینکڑوں مدرسوں کی نشاندہی کی ہے۔

مدرسوں کی اس کثرت میں دو طرح کے مدرسے دکھائی دیتے ہیں ایک وہ جس کے اساتذہ کو حکومت یا کسی امیر کبیر کی طرف سے کچھ وظیفے مل جایا کرتے تھے اور اکثر ایسے تھے جن میں علماء اپنے دوسرے مشاغل کے ساتھ تعلیم دین کا فریضہ محض اجر وثواب کی نیت سے انجام دیتے تھے۔ سب سے بڑی تعداد ایسے ہی مدرسوں کی تھی اور اس خدمت میں بڑی بڑی حیثیتوں اور صلاحیتوں کے لوگ لگے ہوئے تھے، مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بہت سی مثالیں دی ہیں دو ایک مثالیں یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

ملا فتح اللہ شیرازی جو ایک طرف اکبری حکومت کا بجٹ تیار کرتے تھے، اور وزیر مالیات ٹوڈرمل کے شریک کار تھے، دوسری طرف ان کے بارے میں ملا بدایونی کا بیان ہے کہ پانچ پانچ چھ چھ برس کے بچوں کو ابتدائی قاعدہ اور ''الف، با'' پڑھایا کرتے تھے۔ (نظام تعلیم وتربیت جلد:۱ص:۲۳۶)

ملا نجم الدین کاکوری جو انگریزوں کے زمانہ میں کلکتہ کے قاضی القضاۃ تھے، ''تذکرہ علماء ہند'' میں ان کے بارے میں لکھا ہے: ''بمنصب اقضی القضاۃ کلکتہ ممتاز بود مع ھٰذا بتدریس طلبہ علوم بغایت می کوشید''۔ (ص:۲۳۳)

رضاکارانہ تعلیم کا نتیجہ تھا کہ ہر بستی بلکہ کھاتے پیتے لوگوں کا ہر گھر مدرسہ بن گیا تھا ان واقعات پر مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اپنی کتاب ''نظام تعلیم وتربیت'' میں جو تبصرہ کیا ہے ملاحظہ ہو:

''ان ہی باتوں کا یہ نتیجہ تھا عموماً بغیر کسی معاوضہ کے اس علم کو دوسروں تک پہنچانا گویا اپنا ایک انسانی بلکہ اگر دینی علم ہو تو مذہبی فریضہ خیال کیا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اس زمانے کے قاضی ،جج، مفتی، صدر الصدور وغیرہ کے عہدوں پر جو لوگ سرفراز رہتے تھے، چونکہ علماء ہی کے ساتھ یہ عہدے مخصوص تھے اس لئے علاوہ اپنے سرکاری فرائض کے عموماً سرکاری حکام کے اس طبقہ کا مکان یا دیوان خانہ یا محلّہ کی مسجد وغیرہ ایک مستقل درس گاہ کی حیثیت بھی رکھتی تھی، بلکہ تاریخ کے پڑھنے سے یہی اثر دل پر پڑتا ہے کہ کوئی قاضی ہو، مفتی ہو، صدر الصدور یا صدر جہاں ہو اور معلّمی کا کام نہ کرتا ہو۔ قریب قریب یہ بات ناقابل فہم تھی، اس طرح ناقابل فہم جیسے آج کے زمانہ میں کوئی یہ نہیں سمجھ سکتا کہ ضلع کا کوئی جج ہو اور بچوں کو اپنے مکان پر مفت پڑھاتا بھی ہو سرکاری اوقات میں ہائی کورٹ کی ججی کا کام بھی انجام دیتا ہو اور گھر پہنچ کر طلباء کے حلقہ میں بیٹھ کر کتابیں پڑھاتا ہو دراصل ایک رواج تھا جو قرنہا قرن سے مسلمانوں میں جاری تھا۔ (جلد۲ص:۲۳۶)

۱۸۵۷ء سے پہلے گو دینی تعلیم اور عربی مدارس کو حکومت کی پوری سرپرستی حاصل نہیں تھی مگر دو سبب سے اس کی ترقی رکی نہیں بلکہ برابر اس کا فروغ ہوتا رہا، ایک اس وجہ سے کہ اس وقت دینی وعربی تعلیم بڑے بڑے امراء کے بچے اور صاحب حیثیت خاندانوں کے افراد حاصل کرتے تھے اور حصول تعلیم کے بعد پھر ان کا گھر ان کی ڈیوڑھی، ان کا دیوان خانہ یا مسجد مدرسہ بن جاتی تھیں، اور وہ خود حسبۃً للہ طلباء کو نہ صرف پڑھاتے تھے، بلکہ ان کے خورد ونوش کا انتظام بھی وہی کرتے

تھے، دوسرے وہ مدرسے تھے جو کچھ زمینداروں اور امراء کی اعانت سے چلتے تھے یا پھر خود علماء "توکل علی اللہ" اپنے گھر یا کسی مسجد میں بیٹھ جاتے تھے اور تعلیم دین کا چرچہ شروع ہوجاتا تھا، آپ ہندوستان کی علمی تاریخ کا ایک سرسری مطالعہ بھی کریں گے تو آپ کو کونے کونے اور ہر بڑی چھوٹی بستی میں کسی نہ کسی چھوٹے یا بڑے مدرسہ کا سراغ ضرور مل جائے گا، جیسا کہ مدرسوں کی کثرت کا ذکر آچکا ہے۔

ماضی میں ہندوستان میں ہماری دینی تعلیم کی جو صورت حال رہی، اس کا اجمالی نقشہ آپ کے سامنے اس لیے رکھا گیا ہے کہ آپ اندازہ کرسکیں، جس وقت ملت اسلامیہ کو تعلیم سے آراستہ کرنے میں نہ تو حکومت کا کوئی بڑا ہاتھ رہا ہے اور نہ کوئی پائیدار ذرائع آمدنی تھی۔ اس وقت صاحب عزیمت علماء اپنے دوسرے مشاغل میں رہ کر یا فقر وفاقہ میں رہ کر ملت کے نونہالوں کو علم دین کی روشنی پہنچاتے رہے۔ تفصیل کا موقع نہیں ہے ورنہ ان واقعات کو اگر دوہرایا جائے تو موجودہ دور کے لوگوں کو شاید اس پر یقین نہ آئے۔

مسلمانوں کی حکومت ختم ہونے کے بعد ہمارے دینی مدارس اور علماء پر ایک سخت وقت اس وقت آیا جب ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کا رہا سہا اقتدار بھی اس ملک سے ختم ہوگیا اور انگریزی حکومت کی طرف سے ایک انتقامی جذبہ کے تحت کتنے ہی شاہزادوں اور امراء اور ہمارے سینکڑوں علماء کو قید و بند ہی کی سزا نہیں دی گئی، بلکہ سینکڑوں کو تختہ دار تک پہنچادیا گیا، اور ہزاروں مدرسوں میں خاک اڑنے لگی۔ مگر اس وقت اس سخت آزمائش میں بھی ہمارے ان ارباب صفا نے ہمت نہیں ہاری اور اپنی بکھری ہوئی طاقت کو پھر جمع کیا اور اس مایوسی کی فضا میں ملت کو سہارا دیا۔ اس سے پہلے دین اور علم دین کے لیے کسی بڑی مخالفت کا سامنا نہیں تھا، مگر انگریزوں کی حکومت نہ صرف دینی مدارس اور علماء کے کاموں کے لیے بہت دنوں تک سرراہ بنی رہی، بلکہ مغربی تہذیب وتمدن اور عیسائی مشنریوں کے ذریعہ اس نے ان کے سامنے بہت سے ایسے مسائل بلکہ چیلنج کھڑے کردیئے، جن کا اس سے پہلے کوئی وجود نہیں تھا، مگر ان مشکلات کے باوجود انہوں نے عزم وحوصلہ کے ساتھ دین کے تحفظ اور دینی علوم کو زندہ کرنے کے لیے جگہ جگہ نئے مدارس کا جال بچھانا شروع کیا اور بہت سے پرانے مدرسوں کو نئی زندگی بخشی جس کی وجہ سے ہندوستان میں دین اور علم دین اپنی اصلی صورت میں

متوازی چلنے کے لیے مجبور کیا جاتا ہے۔ اور وقتاً فوقتاً رکاوٹوں کو بدلتے رہتے ہیں تاکہ سڑک کے ہر حصہ پر آمد و رفت ہوتی رہے۔ لیکن سفر کرنے کا یہ طریقہ مقابلتاً چوڑی سڑکوں پر محدود کر دیا جاتا ہے اور ان پر بھی یہ اِس لیے قابلِ اعتراض ہوتا ہے کہ آمد و رفت میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ ہندوستان میں جن سڑکوں پر جوف پڑ جاتے ہیں وہ عموماً تنگ ہوتی ہیں اور وہ اس لیے تنگ بنائی جاتی ہیں کہ اُن پر کافی آمد و رفت نہیں ہوتی۔ ایسی سڑکوں پر "لیک کٹائی" ایسی خطرناک نہیں ہوتی جیسی کہ اُن سڑکوں پر جن پر ہمہ قسم کی آمد و رفت بکثرت ہوتی ہو لیکن پھر بھی جہاں کہیں یہ طریقہ اختیار کیا جائے موٹر رانوں کی آگاہی کے لیے تختیاں لگا دی جائیں جونہی کہ جوف یا لیک پڑنا شروع ہوں اُسی وقت لیک کٹائی شروع کی جائے۔ یعنی لیکوں میں کنکر کی چھوٹی بجری بچھا دی جائے، یا سطح کی بجری ان میں جھاڑ دے کر بھرنے کے بعد کُل سطح پر مٹی کی ہلکی تہ بچھا دی جائے اور چند دنوں تک روزانہ جھاڑ دی جائے۔ کنکر کے بڑے ٹکڑے ہرگز استعمال نہ کیے جائیں۔ اور یہ کام ایسے آدمی کی نگرانی میں دیا جائے جس کو یہ معلوم ہو کہ کیا کرنا ہے۔ اس کو چاہیے کہ ہر دوسرے تیسرے دن "بجری" کو ہٹاتا رہے اور گاڑیوں کی آمد و رفت کو بدلتا رہے ورنہ سڑک پر دو ہی نہیں بلکہ آدھے درجن جوف پڑ جائیں گے۔

جن مقامات پر جوف پڑ رہے ہوں وہاں اگر درختوں کی شاخیں اور لکڑی کے ٹکڑے رکھ دیے جائیں تو ان سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ اس سے سڑک تنگ ہو جاتی ہے اور خرابی میں اضافہ۔ اگر بے توجہی کی بدولت جوف پڑ چکے ہوں تو ان کا علاج یہ ہے کہ ۱۸ انچ چوڑی اور ۳ انچ یا زائد گہری نالیاں کھود دی جائیں اور روڑی سے بھر کر ان کی ہم بستگی کی جائے۔ اس کو "جوف بھرائی" کہتے ہیں۔

(۲۶۰) سڑک کی مرمت کے لیے مٹی حاصل کرنے کے واسطے قلیوں کو زمین کی جہاں وہ چاہیں گڑھے کھودنے کی اجازت نہ دی جائے۔ سڑک کے ساتھ ساتھ

(۱) بنیادی دینی تعلیم اور بچوں کی ضروری عصری تعلیم کا مسئلہ۔

(۲) اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والے طلباء جو بنیادی دینی تعلیم سے واقف نہیں انہیں بنیادی دینی تعلیم سے آشنا کرنے کی ضرورت۔

(۳) خواتین کی تعلیم کا مسئلہ۔

(۴) متخصصین ومتجرین اور دین کے داعی کی حیثیت سے مختلف میدانوں میں اسلام کو درپیش چیلنجز کا سامنا کرنے کے اہل افراد کی صورت۔

آزادی وتقسیم ملک کے بعد کئی قابل قدر تعلیمی تحریکیں اس ملک میں چلتی رہی ہیں، دینی تعلیمی بورڈ کے تحت قائم ہونے والے مکاتب، اور خصوصیت کے ساتھ یوپی میں دینی تعلیمی کونسل کے ذریعہ کیا جانے والا کام نہایت نامناسب حالات میں تدبر اور بصیرت سے بھرپور ایسی عظیم الشان خدمت ہے، جس کا اعتراف کرتے ہوئے کوئی بھی نقشہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے مرتب کرنا چاہیے، یعنی ایسے خودکفیل مکاتب کا قیام جو مقامی وسائل سے چلائے جائیں اور دین کی ضروری تعلیم کے ساتھ موجودہ سیکولر تعلیم سے بھی بہرہ ور کیا جائے تاکہ ان کے لیے آئندہ چل کر مدارس عربیہ اور سیکولر تعلیمی اداروں میں سے کسی ایک طرف جانے کا راستہ کھلا رہے، اس احساس کے باوجود کہ مذہبی اور سیکولر تعلیم کے دومتوازی کا تصور ہی مصیبت کو دوبالا کردیتا ہے، اس لیے اس حقیقت کا اعتراف کیا جانا چاہئے کہ اس مصیبت سے مکمل طور پر نجات کا فی الحال ہمارے پاس راستہ نہیں ہے۔ ہم مکتب اور پرائمری اسکول سے لے کر یونیورسٹیز اور دارالعلوموں کی سطح تک پورے ملک کے مسلمانوں کے لیے ایسے تعلیمی اداروں کے قائم کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں جو دینی اور دنیاوی دونوں ضرورتوں کے لیے کفیل ہوسکیں، لہٰذا اس کڑوی حقیقت کے اعتراف کے ساتھ ہمیں اپنا نظام عمل بنانا ہوگا۔

ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ مسلمان مرد ہوں یا خواتین دونوں کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے، جب تک ہماری خواتین تعلیم یافتہ نہیں ہیں، ہمارا گھر سدھر نہیں سکتا اور گھر نہیں سدھرتا ہے تو نہ سماج سدھر سکتا ہے اور نہ آنے والی نسلیں صحیح راہ پر چل سکتی ہیں، خصوصیت کے ساتھ بنیادی دینی تعلیم سبھی کے لیے فرض عین کا درجہ رکھتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ادھر کچھ دنوں سے خواتین کی

تعلیم پر توجہ دی جا رہی ہے اور اس کے لئے کچھ کوششیں ہوئی ہیں، لیکن یہ کوششیں منتشر اور بکھری ہوئی ہیں ضرورت ہے بہتر منصوبہ بندی کے ساتھ ان منتشر کوششوں کو منظم کرنے کی اور ایک ایسا یکساں نظام قائم کرنے کی جو مفید موثر اور دیرپا ہو۔

ہمارا ایک بڑا نازک مسئلہ ان بچوں کو دین سے آشنا کرنے کا ہے، جو انگلش میڈیم اسکولوں میں کرسچن مشنریز کی قائم کردہ تعلیم گاہوں میں اور ششو مندر اور اس طرح کے مخصوص آئیڈیولوجی کے تحت قائم کئے گئے اداروں نیز عام سیکولر عصری تعلیمی اداروں میں تعلیم پا رہے ہیں، ہمارا متوسط طبقہ انگلش میڈیم اسکولوں اور کرسچن مشنریز کے اسکولوں میں اپنے بچوں کو تعلیم دلانا پسند کرتا ہے، اس وقت اس کی ہوڑسی مچی ہوئی ہے، ہزاروں ہزاروں روپے ان اداروں کو بطور ڈونیشن دیئے جاتے ہیں، اور پھر بھی داخلہ مشکل ہوتا ہے ان اداروں میں تعلیم پانے والے بچوں کی تعلیم پر خرچہ اوسطاً اگر غیر اقامتی ہو تو تقریباً ڈھائی سو اور اگر اقامتی ہو تو تقریباً پندرہ سو روپیہ پڑتے ہیں، لیکن غربت وافلاس کی شکایت کرنے والی یہ قوم بھاری رقم اپنے بچوں کے بہتر مستقبل کے تصور میں شوق سے خرچ کر رہی ہے اور تعلیمی صورتِ حال یہ ہے کہ ان اداروں میں تعلیم پانے والے بچے دینی تعلیم سے قطعی بیگانہ رہتے ہیں، یہاں تک کہ جواں عمری تک بھی وہ قرآن تلاوت کرنے کے لائق نہیں ہوتے، بنیادی تعلیم اور ضروری مسائل کی واقفیت بہت دور کی بات ہے۔ تربیت کا حال یہ ہے کہ اسکولوں کا ماحول غیر اسلامی اور مشرکانہ ہوتا ہے، اسلامی شعائر اور تہذیب کا پتہ بھی بچوں کو نہیں ہوتا اور وہ سارے عمل جسے دیکھ کر ایک مسلمان کو چونک جانا چاہئے ۔ یہ بچے ان اعمال کو آہستہ آہستہ خوشدلی کے ساتھ قبول کرتے جاتے ہیں، ششو مندر اسکول کے سلسلہ کے پیچھے تہذیبی ارتداد کی آئیڈیالوجی کام کرتی ہے، کچھ ہی لوگ ہیں جو اپنے بچوں کے لیے کسی مولوی صاحب کو آدھ گھنٹہ گھنٹہ بھر کے لیے ٹیچر مقرر کر لیتے ہیں، لیکن اس تہذیبی ارتداد کے اثرات کا ازالہ نہیں ہو پاتا ہے۔ یہ وہ تشویش ناک صورت حال ہے، جس پر امت کے عمائدین کو غور وفکر کرنا چاہئے اور اس کے لیے ٹھوس دیرپا اور موثر منصوبہ بندی کی جانی چاہئے۔

دینی مدارس

مدارس اسلامیہ عربیہ جو ہندوستان کے ہر گوشہ میں پھیلے ہوئے ہیں اور ماضی میں ان کی

عظیم الشان خدمات کی بدولت ہی اس ملک میں بچا کھچا اسلام نظر آتا ہے۔ یہ مدارس کے فضلاء دراصل تفقہ فی الدین کے اس فرض کفایہ کی ادائیگی کے ذمہ دار ہیں، جس کا مطالبہ قرآن نے کیا ہے اور قرآنی ہدایت کے مطابق ان فضلاء وعلماء کو رہنمائی دعوت اور انذار کی نازک ذمہ داریاں انجام دینی ہیں۔

اس تفقہ فی الدین سے مراد اصطلاحی فقہ اور چند احکام ومسائل کا جان لینا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد وسیع ترافق میں گہرے مطالعہ اور تحقیق وتجسس کے ذریعہ حکمت دین اور حکمت دعوت کی وہ سمجھ ہے جو انہیں دین کو برپا کرنے کی کوششوں کا اہل بنا سکے اس فرض کی ادائیگی کے لیے ایسے علماء کا وجود ضروری ہے جو کتاب وسنت کو براہ راست سمجھنے کے لیے عربی زبان وادب کے رموز سے آشنا ہوں، جن کی نظر مقاصد شرع پر ہو جو مدارج احکام میں فرق کر سکتے ہوں، جو دعوت کے عمومی اپروچ اور مخصوص مخاطبین اور مخصوص حالات میں خصوصی اپروچ کے درمیان ایثار کر سکتے ہوں، جن کی نظر حالات زمانہ اور بدلتے ہوئے عرف وعادات قوموں وملتوں کی نفسیات، ان کے ذہن وفکر کی تشکیل میں ان کی تاریخ کے اثرات نئے حالات میں اصول واحکام شرع کی تطبیق اور سلف کی کوششوں کے ذخیرہ پر ہو۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے مدارس دینیہ نے ایسے فضلاء پیدا کئے ہیں جو کم وبیش ان صلاحیتوں سے مزین ہیں، لیکن ہمیں اس کا اعتراف کرنا چاہئے کہ آج عام طور پر مدارس اسلامیہ کے قیام وتاسیس کے بنیادی اغراض ومقاصد اور ان کا خصوصی تصور ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوتا جارہا ہے اور ہم رسمی اور روایتی نظام تعلیم کے امیر ہو کر اپنی منزل سے دور ہوتے جارہے ہیں، مدرسہ چار چیزوں سے مرکب ہے، استاذ، طالب علم، نصاب تعلیم اور مدرسہ کا تعلیمی اور تربیتی ماحول۔ مشکل یہ ہے کہ ہم میں سے جو بھی مصلح اٹھتا ہے، اس کی اصلاحی کوششوں کا نشانہ نصاب تعلیم ہوا کرتا ہے، حالانکہ بنیادی عنصر استاذ، طالب علم اور مدرسہ کا ماحول ہے، ہمارے استاذ علامہ ابراہیم بلیاویؒ فرمایا کرتے تھے کہ استاذ اور طلباء سے کون جھگڑا مول لے، ساری زد بے زبان نصاب تعلیم پر پڑتی ہے۔

عام طور پر درس نظامی اپنی خصوصیات کے ساتھ بہر حال ہر نئے نصاب تعلیم میں نظر آتا

ہے، کچھ کٹر بیوقوف کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے، جہاں تک علوم وفنون اور موضوعات کا تعلق ہے، صرف ونحو عربی زبان وادب معانی وبلاغت، منطق وفلسفہ اور کلام، علم مناظرہ علم ہیئت حساب اور اقلیدس فقہ اصول فقہ حدیث واصول حدیث اور تفسیر واصول تفسیر درس نظامی کے بنیادی موضوعات ہیں، جن میں وقتاً فوقتاً غیر محسوس طریقہ پر تبدیلیاں کمی وزیادتی ہوتی رہتی ہیں۔ منطق جو بڑے وسیع پیمانے پر پڑھائی جاتی تھی، اب خود بخود سکڑ کر سلم یا قطبی، میر قطبی بلکہ بعض جگہ تہذیب وشرح تہذیب تک پہنچ گئی، یعنی منطق کی اصطلاحات اور اس کے مبادی پر طالب علم کی نظر ہو جائے اور بس.........فلسفہ اور علم کلام میں اب صدرا شمس بازغہ، امور عامہ پر زاہد رسالہ اور شرح موقف وغیرہ جیسی کتابوں کا نام بھی عام طور پر طلباء کو معلوم نہیں ہے، سعیدیہ یا میبذی اور نسفی کی شرح عقائد تک معاملہ محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ فقہ اپنے پورے تب وتاب کے ساتھ قائم ہے اور اصول فقہ میں بھی حسامی اور توضیح وتلویح جیسی کتابیں کم جگہ زیر درس نظر آتی ہیں، خوشگوار اضافہ عام طور پر مدارس میں ترجمہ قرآن سے متعارف کرانے کی صورت میں ہوا۔ تفسیر میں جلالین اور بیضاوی کے ابتدائی چند صفحات اپنی جگہ قائم ہیں۔ ابن کثیر اور مدارک وغیرہ کے مطالعہ کا موقع شاید چند طلبا کو تخصیص فی التفسیر کے درجہ میں ملتا ہو۔ اصول تفسیر میں شاہ صاحب کی الفوز الکبیر آج بھی ہر جگہ داخل نصاب ہے، کہیں اتفاقاً اس سے کچھ اجزاء کا اضافہ کیا گیا ہے، جو بہر حال مبارک ہے، حدیث میں مشکوٰۃ اور صحاح ستہ کل یا جز موطئین شرح معانی الآثار اور شمائل ترمذی یہ کتاب کلاً یا جزاً پڑھائی جاتی ہیں۔ اصول حدیث میں کہیں مقدمہ شیخ عبد الحق اور عام طور پر نخبۃ الفکر داخل ہے، اگر آپ پوری صورت حال کا جائزہ لیں تو اس نتیجہ پر پہنچنا پڑے گا کہ ایک عالم دین کو ابتداءً عربی زبان وادب کی مہارت جو کتاب وسنت کے نصوص کو سمجھنے کی استعداد پیدا کرے، اس سے کوئی چارہ نہیں ہے، اگر عربی زبان کے لکھنے اور بولنے پر قدرت حاصل ہو جائے تو بلاشبہ بیرون ممالک میں اور خاص کر علماء سے افادہ اور استفادہ کے لیے رابطہ کی زبان کی حیثیت سے، بہت اہم ثابت ہو سکتی ہے۔ کتاب وسنت اور فقہ اسلامی میں گہری مہارت کی ضرورت سے کس کو انکار ہے، اور ضروری حد تک منطق قدیم اور فلسفہ قدیم کی اصطلاحات ومبادی سے واقفیت کی اہمیت سے کیسے انکار کیا جا سکتا ہے۔ عقائد وکلام کے مسائل سے جو سابق میں زیر بحث رہے ہیں اور آج بھی نئی صورتوں میں ابھر رہے ہیں واقف رہنا

بہر حال علماء کی ذمہ داری ہے۔ پس مسئلہ مروج نصاب تعلیم میں کسی جوہری تبدیلی کا نہیں ہے کچھ ان مقصدی علوم میں اضافے مسالک فقیہہ کے تقابلی مطالعے کتاب وسنت کی تعلیم وتدریس کے لیے نئے اپروچ اختیار کرنے، جدید سوالات کو حل کرنے اور اسلام کو درپیش علمی چیلنج کا سامنا کرنے کی اہلیت پیدا کرنے کے لیے جو کچھ محنت سلف نے اپنے زمانہ میں کی تھی آج اس دور کے افکار ونظریات پر نگاہ اور کتاب وسنت کی روشنی میں ان پر نقد اور ردوقبول کا فیصلہ کرنے کی استعداد ضروری ہے، جو اس کائنات کی نت نئی تبدیلیوں، سائنسی اور ٹیکنالوجی ترقی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے مسائل کو سمجھنے اور ان کا حل کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ بلاشبہ جدید عہد میں معاشیات نے پوری انسانی زندگی پر نمایا اثرات چھوڑے ہیں اور جدید معاشی نظریات جو بسا اوقات اسلام کی بنیادی فکر سے متصادم ہیں ان کے ناقدانہ مطالعہ اور کتاب وسنت کے فقہ اسلامی میں مذکور معاشی اصول کو موجودہ دور کے تناظر میں سمجھنے اور موجودہ حالت پر ان کی تطبیق کے لیے کچھ بنیادی واقفیت ایک عالم کے لئے ضروری ہے، اسی طرح دعوت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے اگر بین الاقوامی ملکی یا مقامی زبان پر قدرت ضروری ہو تو اس کی تعلیم کے بھی مختلف مدارج قائم کیے جاسکتے ہیں۔

واضح رہے کہ مدارس کا جیسا بھی نصاب تعلیم تجویز کیا جائے وہ عالم نہیں پیدا کرتا استعداد علم عطا کرتا ہے، مطالعہ وتحقیق کی وہ صلاحیت ہم اپنے فضلاء میں پیدا کرسکیں جو ان میں اپنے ان موضوعات پر تحقیق ومطالعہ کی اہلیت پیدا کرسکے۔

دوسری طرف مسئلہ کردار کی تربیت اور سیرت کی تعمیر کا ہے ظاہر ہے اس کے لیے جہاں طلبا کا گھریلو ماحول ہے اور ذہنی ساخت کام کے لیے زمین فراہم کرتی ہے وہیں استاد اور مدرسہ کا ماحول بہتر اخلاق وعادات جذبہ وہمت، مقصد کے لیے لگن اور شخصی اور اجتماعی زندگی میں بہتر کردار پیدا کرنے میں موثر رول ادا کرتا ہے۔

یہ بھی یقینی ہے کہ اس سلسلہ میں سلف اور صاحب کردار بزرگوں کی سیرت کا مطالعہ اور خود اپنے لائق اساتذہ کی زندہ صحبت زندگیوں کے بدلنے اور ملکات فاضلہ میں رسوخ پیدا کرنے کا مجرب نسخہ ہے۔

بہر حال ہمیں مدارس کو اعلی تعلیم وتربیت کا ایسا ادارہ بنانا ہوگا جن سے پیدا ہونے والے

فضلاء ایک طرف سرچشمہ علوم ونبوت سے مربوط اور دوسری طرف اپنے عہد وزمانہ سے آشنا، اسلام کی صحیح نمائندگی کے اہل، اخلاق وکردار کے اعتبار سے نمونہ اور اپنے وقت کے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے اہل ہوں۔

داخلی اور خارجی خطرات

داخلی خطرات سے مراد ہمارے نزدیک وہی ہے جس کا تذکرہ اجمالاً اوپر کیا گیا، یعنی مدارس اسلامیہ سے پیدا ہونے والے افراد میں علمی استعداد کا فقدان، کردار کا بحران، اسلام کے لیے کام کے جذبہ کی کمی، جدید مسائل کے حل کی اہلیت کا کم ہوتا جانا اور ان سب چیزوں کے مخصوص اسباب وہیں ہیں جن کی طرف میں نے اوپر اشارہ کیا۔

لیکن اس کو کیا کیجئے گا عین اس وقت جب ہم اپنی زبوں حالی پر آنسو بہا رہے ہیں اور مدارس اسلامیہ کی کمزوریوں کا محاسبہ کر رہے ہیں، دشمنان اسلام انہیں مدارس کو اپنے لیے خطرہ کا سب سے بڑا مرکز سمجھ رہے ہیں، ان کی نگاہوں میں یہی مدارس ومکاتب کانٹے کی طرح چبھ رہے ہیں، انہیں مسجد کے اونچے مناروں میں اور مدرسوں کی چہار دیواری سے "قال اللہ وقال الرسول" کے گونجنے والے نغموں میں اسلام کی حیات نو کا خطرہ بنیاد پرستی کی بو، اور آئی ایس آئی کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ مدارس کو بدنام کرنے کے لئے انہیں کبھی اسمگلنگ کا اڈہ بتایا جاتا ہے، جن لوگوں نے بھی مدارس قائم کئے ہیں اور وہاں مسلمان بچے اور بچیوں نے تعلیم حاصل کرنی شروع کر دی ہے، ظاہر ہے وہاں کچھ تہذیبی تبدیلیاں بھی آئی ہیں۔ اگر راجستھان میں ہماری بچیاں راجستھان کے روایتی لباس گھاگھرا کی جگہ شلوار جمپر پہننے لگی ہیں، اگر ہمارے لڑکوں نے کرتا پائجامہ اور ٹوپی پہن لی ہے تو اس تہذیب ولباس کی تبدیلی بھی آئی ہیں اسے ایک بڑا خطرہ تصور کیا جا رہا ہے، مدارس کے خلاف نت نئے فتنے ابھارے جا رہے ہیں، بہار، یوپی، بنگال، آسام اور ہماچل پردیش کے سرحدی اضلاع میں مدارس کو آتنگ وادیوں کا اڈہ اور ہتھیاروں کا بھنڈار تصور کیا جا رہا ہے، بہار کے پورنیہ ضلع میں بعض مدرسوں میں پولس نے چھاپہ مارا اور نتیجہ میں قرآن کے نسخوں کے علاوہ انہیں کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ ہماچل پردیش کے آئی جی صاحب کو مسلمانوں کے ان چھوٹے چھوٹے مکاتب میں آئی ایس آئی کا بھوت نظر آتا ہے اور اصل خطرہ یہ بتایا جا رہا ہے کہ چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو

ایسی تعلیم دی جا رہی ہے کہ بڑے بڑے ہو کر بنیاد پرست (فنڈامنٹلسٹ) اور عسکریت پسند بنیں گے اور کسی کو یہ خوف ہے کہ جو طبقہ ان مدرسوں سے نکلے گا وہ اسلامی تشخص اور اپنی مذہبی شناخت کا سخت وکیل ہوگا۔

ہم جب اپنی ہندوستانی قوم اور خاص کر اکثریت اور خصوصیت کے ساتھ مختلف سطح پر اقتدار پر فائز لوگوں کی یہ ذہنیت دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ شدید احساس ہوتا ہے کہ وہ قوم جو نفسیاتی خوف اور باہمی بے اعتمادی اور بدگمانی کے ساتھ زندگی گذارے گی اور خاص کر کسی قوم کی اکثریت کے نمائندے اگر اپنی اقلیتوں کے تشخص اور ان کی شناخت کو مٹانے کی کوشش کریں گے اور ان کو تہذیبی ثقافتی لسانی اور مذہبی طور پر غلام بنانا چاہیں گے تو پھر وہ اس ملک کی یک جہتی اور سالمیت کس طرح برقرار رکھ سکتے ہیں، مسلمانوں کے ساتھ جوان کے تشخص کو نمایاں کرے، بے حرمتی اور عناد سے بھرا ہوا سلوک، مسلمانوں کے لیے نہیں پورے ملک کے لیے خطرہ ہے اور اس کی جمہوری و دستوری اقدار کی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔

یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

تعلیم امت مسلمہ کے لیے ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتی ہے

خطبۂ استقبالیہ

مدارس اسلامیہ کنونشن منعقدہ ۳۱/مارچ یکم و۲/اپریل ۱۹۷۸ء بمقام جامعہ رحمانیہ خانقاہ مونگیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب صدر، عمائدین ملت، حضرات علماء کرام اور معزز مندوبین!

آج کے اس تاریخی دن اور تاریخی سرزمین میں ہم دل کی گہرائیوں سے آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔

نہال باغ تمنا برگ وبار آمد
بیا بیا کہ بچشمم بہار و یار آمد

آج ہم آپ کو اس سرزمین پر خوش آمدید کہہ رہے ہیں، جو کسی زمانہ میں میر قاسم کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا مرکز رہی ہے، جسے مجاہدِ کبیر حضرت مولانا سید احمد شہید بریلویؒ کے مجاہدانہ سفر حج کی فرودگاہ ہونے کا شرف حاصل ہے، جو شیخ سلیم چشتی، نافع حسن شاہ لوہانی، استاذ حضرت شیخ شہباز بھاگلپوری سے نسبت رکھتی ہے، جس سرزمین پر اعلیٰ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ کی نظر عنایت رہی ہے، جس سرزمین کو قطب العالم حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی، علمی اور دینی فیوض کا سرچشمہ بننا مقدر تھا، یہی وہ سرزمین ہے جس کے خلوت کدوں میں بیٹھ کر مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے حضور اقدس کی مردہ سنت کو زندہ کرنے اور مسلمانوں کو جماعتی زندگی کے رشتوں میں باندھنے کے لیے امارت شرعیہ کے قیام کا عملی خاکہ تیار کیا تھا۔

آج یہ شہر اور یہ سرزمین اپنے معزز مہمانوں کو خوش آمدید کہنے کے لیے دیدہ و دل فرش راہ کئے ہوئے ہے، ہم اپنے خدائے ذوالجلال کی درگاہ میں نذرانۂ شکر پیش کرتے ہیں، جس نے آج

وقت کے اس انقلابی عمل کے لیے امت کے عمائدین کو اس ڈائز پر جمع فرمادیا ہے۔

ہم دل کی گہرائیوں سے آپ کے شکر گذار ہیں، آپ نے زحمت فرمائی، ہمیں اس کا احساس ہے کہ آپ جیسے معزز حضرات کے استقبال میں ہم سے کوتاہی ہوئی۔

لیکن ہمیں اس کا بھی یقین ہے کہ جس عظیم مقصد کی خاطر آپ نے یہ زحمت فرمائی اس مقصد کی عظمت اس زحمت کو راحت بنادے گی، پھر بھی ہم اپنی معذرت پیش کرتے ہیں۔" والعذر عند کرام الناس مقبول".

حضرات! آج جس اجتماع میں آپ مدعو کئے گئے ہیں، اس کا نقطہ آغاز تو وہ اضطراب ہے جو کچھ حساس دلوں میں مدارس کے موجودہ حالات کو دیکھ کر پیدا ہوا ہے۔ پانی سر سے اونچا دیکھ کر ہمارے رفقاء ہمہ دم حالات کی سنگینی کی وجہ سے سخت مضطرب تھے۔ مسئلہ اتنا نازک کہ کوئی قدم اٹھانا مشکل، ۱۱ر نومبر ۱۹۷۷ء کی تاریخ تھی، قطب العالم حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کے فاتحہ کی تقریر کا موقعہ تھا، علماء اور اصحاب مدارس کی ایک خاصی تعداد یہاں جمع تھی، خانقاہ کی اسی مسجد میں جس کی خاک نے علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ مفتی کفایت اللہؒ، مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ مولانا احمد سعید دہلویؒ، مولانا عبدالشکور لکھنویؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ، مولانا عبدالوہاب بہاریؒ (معقولی)، مولانا عبدالوہاب بہاری (محدثؒ)، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ مولانا ابوالقاسم بنارسیؒ، مولانا نثار احمد کانپوریؒ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ جیسے دیگر اکابر کی پیشانی کو بوسہ دیا ہے۔ اسی مسجد میں پچپن علماء جمع ہوئے اور مدارس کے موجودہ حالات کا جائزہ لیا، ہر شخص کا دل اس اضطراب سے بے چین نظر آیا جو اس اجتماع کے بلانے کا داعیہ بنا تھا۔ ہر شخص نے جو کچھ کہا ~

میں نے یوں سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

طے کیا گیا کہ مدارس کے موجودہ حالات کی اصلاح کے لیے ایک بڑا اجتماع بلایا جائے۔

بزرگان محترم! ۱۱ر نومبر کا وہ مختصر سا اجتماع جو ہمارے جامد سمندر میں ہلکی سی لہر تھا، آج اس نے اس کنونشن میں ایک طوفان کی شکل اختیار کر لیا ہے۔

لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ یہ کنونشن ہمارے سفر کی منزل نہیں بلکہ کام کا نقطۂ آغاز ہے۔

بزرگان محترم! تعلیم کسی بھی قوم کے لئے اور خصوصیت کے ساتھ امت مسلمہ کے لئے ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتی ہے، امت کو صاحب گنبد خضرا صلی اللہ علیہ وسلم سے مربوط رکھنے کا تنہا ذریعہ بھی تعلیم دین ہے، جب علوم آتے ہیں تو اعمال بھی آتے ہیں، یقین کا نور بھی آتا ہے، قلب کی کیفیات بھی آتی ہیں، ایمان کی بصیرت آتی ہے، اگر ہمارا علم وعمل کا رشتہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹوٹا تو ہم ایمان ویقین کے سرمایہ کی کس طرح حفاظت کر سکیں گے۔

حضرات! کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ دین سیکھنا اور سکھانا عبادت ہے اور عبادت وہی مقبول ہوگی جو خالصۃً للہ ہو، یہی وہ نقطۂ مرکزی ہے جس کے گرد ہماری پوری زندگی کو گھومنا چاہئے۔ آپ کو اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ ہماری گردش کا محور اور ہماری جدوجہد کا مرکزی نقطہ کہیں بدل تو نہیں گیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر ایسے فیصلے کیجئے جن کے ذریعہ گاڑی سیدھی پٹریوں پر لگ جائے ورنہ ؎

ایں رہ کہ تو می روی بترکستان است

حضرات! مسئلہ جو کچھ بھی ہے آپ سب کی نگاہوں کے سامنے ہے، مسئلہ کی سنگینی کا احساس دلانے کے لیے وہ تحریریں بہت کافی ہیں، جو آپ کی خدمت میں پہلے بھیجی جا چکی ہیں، آیئے اور اس مشکل کا کوئی حل نکالیے جس کے غم نے ہمارے بہت سے اکابر اور بزرگوں کی ہڈیاں پگھلا دی ہیں، وقت آپ کو آواز دے رہا ہے، ماضی میں ہمیشہ آپ نے اپنی عزیمت اور قربانی کے ذریعہ امت کی ناؤ بھنور سے نکالی ہے، آج پھر آپ سے صحیح سمت میں صحیح جدوجہد کا مطالبہ ہے، کیا آپ اپنے دین کی خاطر، آخرت کی نجات کی خاطر اس مطالبہ کو پورا کرنے کو تیار ہیں؟

حضرات! کنونشن میں آپ تشریف لائے، بحثوں میں آپ حصہ لیں گے، تجاویز آپ منظور کریں گے، لیکن ہم آپ کو یاد دلانا چاہتے ہیں کہ کنونشن کی شرکت اور تجاویز کی منظوری کے بعد آپ کی اصل ذمہ داریوں کا آغاز ہوگا۔ آپ کی راہ میں مشکلات آئیں گی، آپ کو مخالف حالات سے ٹکرانا ہوگا، آپ کو اپنی ضروریات کی قربانی دینی ہوگی، آپ کو عزت اور بڑائی کے معروف پیمانوں کو توڑنا ہوگا، جب ہی آپ کا یہ قافلہ منزل تک پہنچے گا۔

ع شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

حضرات علماء! اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو امت کی سیادت وامامت کا منصب سونپا گیا

ہے، لیکن یہ منصب جتنا عظیم ہے اس کی ذمہ داریاں بھی اتنی ہی گراں بار، آپ مدرسے کھول کر بیٹھے ہیں کیوں؟ اس لیے تا کہ آپ مستقبل کی نسل کو ابو یوسف اور محمد غزالی اور رازی، ابن ہمام اور ابن حجر، محدث، مفسر، فقیہہ، متکلم، دین کا درد رکھنے والے داعی اور ہر سطح پر دین حق کو غالب اور کلمۃ اللہ کو سربلند کرنے والے افراد اور کارکن دے سکیں۔ آپ کا کام کسی سرکاری مشنری کے لیے پرزے مہیا کرنا نہیں اور نہ چند اسکولوں کو "شمع اردو" اور "ہندوستان کی کہانی" پڑھانے والے استاذ فراہم کرنا ہے، نہ آپ کا کام امت کے چند غریب لوگوں کو آسانی سے روزی حاصل کرنے کے مواقع فراہم کرنا ہے، یہ سب کام کار خیر ہو سکتے ہیں، ہوا کریں، لیکن اس پر توجہ دیجئے کہ آپ کے ان مدارس کے قیام کا مقصد ان سب سے عظیم تر ہے، ان چھوٹے چھوٹے اور اچھے بھلے کاموں کو کر کے آپ خوش ہو جائیں تو کچھ اچھی بات نہیں ہوگی۔ جیسے رانچی مہیوی انجینیرنگ کا کارخانہ، کسی کسان کا ٹوٹا ہوا ہل مرمت کر کے خوش ہو جائے، کہیں ایسی ہی ہماری خوشی بھی تو نہیں ہے۔ آیئے اپنے وجود کے عظیم الشان مقاصد پر غور فرمایئے اور پھر اپنی کارکردگی کا جائزہ لیجئے۔

آپ کے یہ مدرسے تو اس لیے قائم ہیں کہ امت کو ان کے کارواں کا امیر اور ان کی کشتی کا ناخدا اور ان کے قافلے کا رہنما مل سکے۔ غور فرمایئے! کہ آپ اپنے بچوں کی علمی، دینی، اور اخلاقی تربیت میں اس پہلو کو ملحوظ رکھ رہے ہیں یا نہیں کہ ؎

نگہ بلند سخن دل نواز، جاں پر سوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

ہم آخر میں آپ سب حضرات کا شکریہ تمام اراکین استقبالیہ اور مونگیر کے مسلمانوں کی طرف سے ادا کرتے ہیں، جو کچھ آپ کو زحمت ہوئی ہو اس کے لئے معذرت چاہتے ہیں۔

میرا یہ فرض ہے کہ میں مونگیر شہر کے مسلمانوں، جامعہ رحمانی کے ذمہ داروں مستعد اور فعال اساتذہ اور طلبہ کا امارت شرعیہ بہار اوڑیسہ کی طرف سے خصوصیت کے ساتھ شکریہ ادا کروں، جن کی جدوجہد اور شب و روز کی مساعی ہی کا نتیجہ ہے کہ یہ کنونشن منعقد ہو سکا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام مخلصین کی خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین

ہمارے مخدوم حضرت مولانا منت اللہ رحمانی امیر شریعت بہار واڑیسہ جن کی عزیمت ہمارے عزائم کے لئے مہمیز اور جن کی بصیرت ہمارے کارواں کے لئے ہمہ دم شمع راہ کا کام دیتی رہی ہے۔ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا سایہ صحت وعافیت کے ساتھ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے،اور امت ان کے برکات وفیوض سے مستفیض ہوتی رہے۔آمین

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين

مالدار گھرانوں کے لڑکے

دینی علوم سے محروم کیوں رہیں؟

۱۶/اگست ۱۹۷۶ء میں معہدملت کے جلسے میں حضرت فقیہ امت کی فکر انگیز تقریر

شرعی فیصلوں کے آگے سر جھکانا دراصل بڑی کامیابی ہے، اگرچہ اس میں دنیاوی اعتبار سے کچھ کھونا ہی کیوں نہ پڑے۔ اس ہار میں بھی بڑی جیت ہوتی ہے، ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ ہم اپنے سارے معاملات قانون محمدی ﷺ کی روشنی میں حل کریں، اور خوش دلی کے ساتھ اسے قبول کریں۔

طلباء نے مادی فائدوں اور اعزاز کو نظر انداز کر کے اعلیٰ ڈگریوں کے بجائے محض دینی خدمت کے جذبے کے ساتھ دینی علوم کے لئے خود کو وقف کیا، بظاہر وہ گھاٹے میں نظر آتے ہیں، لیکن خدا اور رسول ؐ کے نزدیک وہی سب سے زیادہ باعزت اور محبوب ثابت ہوں گے۔

”خوش حال اور مالدار گھرانوں کے لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے مال واسباب سے نوازا ہے مدارس کو صرف چندہ دے کر چھٹی پا لیتے ہیں، وہ اپنے لڑکوں کو دنیاوی تعلیم اور کاروبار ہی میں لگانا پسند کرتے ہیں اور دینی علوم کی تحصیل غریب بچوں ہی کے لیے مناسب سمجھتے ہیں، بسا اوقات خوشحال اور مالدار افراد کہتے ہیں کہ پیسہ لے لو لیکن ہم اپنے لڑکوں کو علم دین کے لئے نہیں دیں گے۔ یعنی بقول اکبر ؎

کونسل میں بہت سید مسجد میں فقط جمن

اس سے علم دین کی تحقیر جھلکتی ہے، دین پر دنیا کو ترجیح دینا مسلمان کا شیوہ نہیں ہوتا، دینی علم کا وہ سرچشمہ جو گنبد حضریٰ اور مسجد نبوی ؐ سے چلا ہوا ہے، ہم دوسروں کو تو سیراب ہونے دیں، لیکن اپنے بچوں کو پیاسا اور محروم رکھیں بدنصیبی کی بات ہے۔ ملتیں عقائد، افکار اور طریقہ زندگی سے بنتی ہیں اس کی بقاء سے ملت کی زندگی وابستہ ہوتی ہے۔

❁❁❁

اسلامی زندگی اور نظام شرعی کا قیام

الحمد لله و کفی و سلام علی عباده الذین اصطفی

میرے دوستو! اور بزرگو!

آج آپ ایک اہم اور تاریخی اجتماع میں تشریف فرما ہیں، آج آپ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہم ترین سنت کو زندہ کرنے اور اسلام کی قدیم روح کو واپس لانے کا فیصلہ کرنے بیٹھے ہیں، آج آپ مسجدوں کی چہار دیواری سے باہر بھی اسلامی زندگی کو چلتا پھرتا دیکھنے کی تمنا لے کر جمع ہوئے ہیں، آج آپ جماعت مسلمین کے بکھرے ہوئے موتیوں کو کتاب وسنت کی لڑیوں میں پرو دینا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کی ان آرزوؤں کی تکمیل فرمادے، آپ کے خواب پورے کردے، آپ کی محنتوں کو قبول فرمائے۔ آمین۔ اس موقع پر میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں اور اس اہم اجتماع میں شرکت کو اپنی بڑی سعادت سمجھتا ہوں۔

اسلام کی روح:

برادران دینی!

اسلام کی اصل روح کیا ہے؟ اگر آپ کتاب وسنت اور تاریخ وسیر کا مطالعہ کریں تو آپ میرے اس خیال سے پوری طرح اتفاق کریں گے کہ ملت ابراہیمی اور دین محمدی کی اصل روح بس اتنی ہے کہ انسان خدا کی مرضی اور خوشی میں اپنے کو فنا کردے، یہی وہ مقام ہے جہاں بندہ اللہ کی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اسی کے کان سے سنتا ہے، اور اسی کی زبان سے بولتا ہے۔ سیدنا ابراہیم کو مقام خلیلیت ملا اس کی وجہ تو یہی تھی کہ انہوں نے اللہ کی خوشی کے لیے آگ میں کودنا، بیوی بچوں کو وادی غیر ذی زرع میں چھوڑنا اور اکلوتے بیٹے کی گردن پر چھری چلانا گوارہ کیا۔

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی قرآن نے اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کرایا: "قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العلمین" آپ کہہ دیجئے

میری نماز، میری قربانی، میرا مرنا، میرا جینا بس اللہ رب العلمین کے لیے ہے۔

اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی جب اللہ کی مرضیات کا نمونہ ہے تو اب کوئی شخص بھی مومن اس وقت ہوسکتا ہے جب اس کی ہر خواہش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کے تابع ہو جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک اس کی خواہشات میری شریعت کے تابع نہ ہو جائیں۔'' (رواہ فی شرح السنہ)

پس حاصل کلام یہ ہے کہ اسلام کی اصل روح بس رضاء خداوندی میں اپنے کو فنا کر دینا اور اپنی خواہشات کو شریعت محمدی (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کے تابع کر دینا ہے۔

اللہ کی اطاعت مسلمان کی زندگی کا نصب العین ہے

پس بندہ کو اگر اللہ سے صحیح تعلق ہے تو وہ ہر لمحہ ہر حال میں اور زندگی کے ہر موڑ پر اللہ کی اطاعت کو ہی اپنی زندگی کا نصب العین جانے گا، اور احکام الٰہی سے گریز اور اس سے روگردانی اس کے نزدیک ہلاکت کے مرادف ہوگی، اور وہ کبھی بھی اسلام اور خدا کی فرمانبرداری سے الگ ہو کر جینا گوارا کرے گا اور نہ مرنا، اسی حقیقت کی طرف قرآن نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

''یاایھاالذین اٰمنو اتقو اللہ حق تقاتہ و لا تموتن الا و انتم مسلمون ٥''

یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور ہرگز ہرگز اسلام اور فرماں برداری کی زندگی چھوڑ کر نہ مرنا، پس ایک مسلمان ہر لمحہ اللہ کے ساتھ مضبوط تعلق قائم رکھنا اپنا فریضہ جانتا ہے۔

رسولؐ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے

قرآن نے جہاں جہاں بھی اللہ کی اطاعت کا تذکرہ کیا ہے، اسی جگہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا بھی تذکرہ کیا ہے، جس کا اصل مقصود یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کی عملی صورت اس کے علاوہ ہو نہیں سکتی، قرآن کریم نے ایک جگہ یہ کہا ہے:

''قل اطیعوا اللہ و الرسول فان تولّوا فان اللہ لا یحب الکفرین ٥'' (آل عمران)

یعنی آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں، (اگر انہوں نے ایسا نہ کر کے اللہ اور رسول کی فرمانبرداری سے) روگردانی کی (تو کیا کریں) اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا، یہ آیت صاف بتاتی ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت سے روگردانی کفر ہے۔

اس طرح مختلف آیتوں میں اللہ اور ان کے رسول کی اطاعت کی اہمیت واضح فرمائی گئی ہے، اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کے پابند ہیں کہ زندگی کے تمام ہی معاملات میں زمانہ اور حالات کی تفریق کے بغیر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہیں، کہ یہی سیدھا راستہ ہے۔

"ومن یعتصم باللہ فقد ھدی الی صراط مستقیم ٥" (آل عمران)

جو اللہ کو مضبوطی سے تھام لیتا ہے اسے سیدھا راستہ مل جاتا ہے۔

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کل امتی یدخلون الجنۃ الا من ابی قیل ومن ابی قال من اطاعنی دخل الجنۃ ومن عصانی فقد ابی" (رواہ البخاری)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کہ میری امت کے وہی لوگ جنت میں جائیں گے جنہوں نے میری اطاعت کی اور جنہوں نے میری نافرمانی کی وہ منکرین کی صف میں داخل ہوں گے۔

شریعت محمدی کو زندہ رکھنے کی کوشش جہاد ہے

اس لیے اگر شریعت محمدیہ مٹ رہی ہو، حضور کی سنت مردہ ہو چکی ہو ایسے وقت میں شریعت محمدیہ کے قیام اور طریقہ رسالت مآب کی احیاء کی جدوجہد اس میں داخل ہے، اور مسلمان کا فریضہ ہے کہ جس کے پاس جتنی بھی صلاحیت ہے اسے بہر حال استعمال کرے، ورنہ سنت کو مردہ ہوتے ہوئے دیکھنا، شریعت کو مٹتے ہوئے دیکھنا اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا، غیر اسلام پر راضی اور قانع ہو جانا اور پھر ایمان کا دعویٰ کرنا، دونوں میں کوئی ربط نہیں، سیدنا حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ آنحضورؐ سے روایت بیان کرتے ہیں:

"مامن نبی بعثہ اللہ فی امتہ قبلی الا کان لہٗ الحواریون واصحاب یاخذون

بسنته ويقتدون بامره ثم انها تخلف من بعد هم خلفون يقولون مالا يفعلون ويفعلون مالا يومرون فمن جاهد هم بيدفهو مومن جاهد هم بلسانه فهو مومن ومن جاهد هم بقلبه فهو مومن وليس وراء ذالک من الايمان حبة خردل". (رواہ مسلم)

یعنی جو نبی بھی اللہ نے بھیجا ان کے ساتھ ان کی امت میں کچھ جان نثار ساتھی ہے جو نبی کی سنت پر عمل کرتے رہے، اور نبی کے احکام پر چلتے رہے، پھر ان کے بعد کچھ لوگ ایسے پیدا ہوئے ہیں جو کہتے ہیں مگر کرتے نہیں، اور ایسے کام کرتے ہیں جن کا انہیں حکم نہیں ملا، پس ایسے حالات میں جو ایسے لوگوں کے ساتھ طاقت سے مقابلہ کرے وہ مومن ہے، اور جو زبان سے مقابلہ کرے وہ مومن ہے اور جو کم از کم دل سے جہاد کرے وہ مومن ہے، اور اس کے بعد ایمان کی ایک رائی باقی نہیں رہتی۔

اسی مضمون کو دوسری حدیث میں اس طرح بیان فرمایا:

"من راى منكم منكرا فليغيره بيده ومن لم يستطع فبلسانه ومن لم يستطع فبقلبه وذالک اضعف الايمان"

جب یہ بات صاف ہوگئی کہ اسلام کی اصل روح رضاء خداوندی میں اپنے کو فنا کر دینا ہے اور رضاء خداوندی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہوتی ہے اور یہی نجات کا اکیلا راستہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جب شریعت محمدیؐ انسانوں کی عملی زندگی سے مٹائی جا رہی ہے، ایسے حالات میں ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ دین محمدیؐ کے قیام کی جدوجہد کے لئے اٹھ کھڑا ہو، پس ایسے حالات میں ہم ایک ایسے بنیادی فریضہ کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں، جو مسلمانوں کی زندگی سے مٹتا جا رہا ہے، اور جس کے قیام کی جدوجہد ہمارا اور آپ کا دینی فریضہ ہے۔

اسلام انتشار کو پسند نہیں کرتا

میرے بزرگو! خدا نے اور خدا کے رسول نے مسلمانوں کی زندگی کو اجتماعیت کے مضبوط دھاگے سے باندھ دیا ہے، اسلام انتشار، انارکی اور لامرکزیت کو کسی حال میں پسند نہیں کرتا، وہ مذہب کو انسانوں کا پرائیوٹ مسئلہ قرار نہیں دیتا بلکہ قرآن کی روشنی میں اسلام انسانوں کی پیدائش سے لے کر موت تک اور خالص نجی زندگی سے لے کر اجتماعی اور تمدنی مسائل تک میں یہ چاہتا ہے کہ بندے بس خدا کی مرضی پر چلیں، یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ چند وقتوں کی نماز پڑھ کر اپنے کو فارغ کر لیں،

دین کو مسجد کی چہار دیواریوں میں محدود کردیں، گھر، دنیا میں، بازاروں میں، کاروبار میں شادی بیاہ میں اور مرنے جینے میں نیز دوسرے سیاسی اور تمدنی مسائل میں اسلام کی رہ نمائی سے الگ ہوکر زندگی گذاریں، ایسا نہیں ہوسکتا، قرآن پاک صاف کہتا ہے:

"یاایھاالذین امنوا ادخلو فی السلم کافۃً" .

اے ایمان والو! پوری طرح اسلام میں داخل ہو جاؤ۔

اور دوسری جگہ فرمایا گیا: "اتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض"

کیا تم کتاب اللہ کے کچھ حصوں پر ایمان رکھتے ہو، اور کچھ کا انکار کرتے ہو؟

اسی طرح قرآن نے انسانوں کے تین طبقات کئے ہیں اور تینوں کی زندگی کے تین حالات بیان کئے ہیں، ایک طبقہ تو کافروں کا ہے، جن میں باہم کھلی ہوئی عدوات اور دشمنی ہوتی ہے، اور دوسرے مسلمان جن کے دل باہم ملے ہوئے ہوتے ہیں، اور وہ باہم بھائی بھائی ہوتے ہیں، اور تیسرا طبقہ منافقین کا ہے جو اوپر سے اکٹھے لگتے ہیں اور اندر سے ان کے دل ٹوٹے ہوئے اور ایک دوسرے سے نفرت وعناد رکھتے ہیں، حالت کفر اور حالت اسلام کا موازنہ کرتے ہوئے اور اپنا احسان جتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا و کنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا کذالک یبین اللہ لکم آیتہ لعلکم تھتدون ○" (آل عمران:۱۰۳)

"یعنی اللہ نے تم پر جو احسان کیا ہے اسے یاد رکھو! جبکہ تم باہم دشمن تھے، بس اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا، اور اللہ کی مہربانی سے تم بھائی بھائی ہوگئے اور تم جہنم کے گڑھے کے کنارے تھے، اللہ نے تمہیں اس سے نجات دی، ایسے ہی اللہ اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم ہدایت پاسکو"۔

اور منافقین کا حال بیان کرتے ہوئے قرآن فرماتا ہے:

"تحسبھم و قلوبھم شتیٰ ○" (تم ان کو اکٹھا محسوس کرو گے حالانکہ ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں۔)

اسلامی زندگی اور غیر اسلامی زندگی میں فرق

پس ان آیات کی روشنی میں اسلامی زندگی سے امتیاز اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی

زندگی پوری طرح اللہ کی مرضیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو سونپ دی جاتی ہے اور دوسری طرف اسلامی زندگی باہمی الفت وموانست، قلبی ربط، بھائی چارہ اور تعاون وتناصر کی زندگی ہوتی ہے، پس معلوم ہوا کہ جو شریعت اسلامی سے بے تعلق ہو کر اور باہمی انتشار، لامرکزیت اور انارکی کا شکار ہو وہ غیر اسلامی زندگی ہے۔

اجتماعیت اسلام میں مطلوب ہے

دوسری طرف قرآنی آیات اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں اس کی بھی شہادت دیتی ہیں کہ "اجتماعیت" اور "واعتصموا بحبل الله جميعا" اسلام میں مطلوب ہیں۔

"واعتصموا بحبل الله جميعاو لاتفرقوا" (آل عمران)

اللہ کی رسی، یعنی اس کے دین کو سب مل کر مضبوطی کے ساتھ پکڑلو، اور تفریق کا شکار نہ ہو۔

"ولاتكونو ا كالذين تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاء هم البينٰت واولئک لهم عذاب عظيم o" (آل عمران)

ان لوگوں کی طرح مت بن جاؤ جو آپس میں فرقے بن گئے اور اختلاف میں پڑ گئے اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی ہوئی ہدایتیں آچکی تھیں، ایسے لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔

امام احمد بن حنبل نے سیدنا معاذ بن جبل سے روایت کی ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا:

"ان الشيطان ذئب الانسان كذئب الغنم يا خذ الشاذة والقامية والناحية واياكم والشحاب وعليكم بالجماعة والعامة"

یعنی جس طرح بھیڑیا اکیلی ریوڑ سے دور اور کنارے رہ جانے والی بکریوں کو پکڑ لے جاتا ہے اسی طرح شیطان ایک بھیڑیا ہے جو تم میں سے ان لوگوں کو گمراہ کر لینے میں جلد کامیاب ہو جاتا ہے، جو جماعت سے الگ تھلگ ہوں، پس کبھی گروہ بندیوں میں مت پڑنا اور جماعت کو مضبوطی سے پکڑے رہنا۔

یہ حدیث مسلمانوں کی زندگی میں جماعتی نظام کی ضرورت پر واضح دلیل ہے کہ انفرادیت شیطانی بھیڑیے کا شکار بنا دیتی ہے۔

سیدنا ابوذرؓ راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه" (رواہ احمد وابوداؤد)

یعنی جس نے جماعت سے ایک ذرا علیحدگی اختیار کی اس نے اسلام کا ہار اپنی گردن سے نکال دیا۔

اور سیدنا اشعریؓ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں۔

(۱) جماعتی زندگی گذارنے کا

(۲) امیر کے احکام کو سننے اور اس کو ماننے کا

(۳) اللہ کے دین کے لیے ہجرت کا

(۴) اللہ کی راہ میں جہاد کا

(۵) اور یہ کہ جو جماعت سے ایک بالشت برابر نکلا اس نے اسلام کی رسی اپنے گردن سے نکال دی، الا یہ کہ وہ واپس آجائے۔ (ترمذی، امام احمد)

یہ آیات واحادیث مسلمانوں کے لیے اجتماعی زندگی کے لزوم کی واضح دلیل ہے۔

جماعتی زندگی کی تشکیل

یہ سوال رہ جاتا ہے کہ اس جماعتی زندگی کی تشکیل کس طرح ہوگی اسے سمجھ لینے کے لیے سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کے مشہور قول سے رہ نمائی ملتی ہے، جس میں وہ جماعتی زندگی کے بغیر اسلام کی نفی کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

”لا اسلام الا بجماعة ولا جماعة الا بامارة ولا امارة الا بطاعته“

یعنی جماعتی زندگی کے بغیر اسلام کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اور جماعت کی تشکیل اسی صورت میں ممکن ہے جب افراد کسی امیر کو مرکز بنا کر اس کے گرد جمع ہوجائیں اور امارت کے فوائد اسی وقت ظاہر ہوں گے جب لوگ طاعت اور فرمانبرداری کریں۔

پس معلوم ہوا کہ اسلامی زندگی کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان جماعت بن کر رہیں، ان کا امیر ہو، جسے ان کی پوری زندگی میں مرکزی حیثیت حاصل ہو اور مسلمان ہر مطابق شرع حکم میں اس کی اطاعت وفرمانبرداری کریں۔

امیر کی اطاعت کیوں اور کب تک؟

واضح رہے کہ امیر کی اطاعت اس کی ذاتی شخصیت کی وجہ سے نہیں کی جائے گی بلکہ اس کی

اطاعت محض اس لیے کی جائے گی کہ وہ ہماری دینی زندگی کا ایسا مرکز ومحور ہے جو ہمیں اللہ کی رضا اور رسول کی شریعت کے مطابق متحرک رکھتا ہے، پس امیر کی اطاعت درحقیقت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے، اسی لیے جس لمحہ امیر اللہ کی رضا اور اس کے رسول کی شریعت کے خلاف معصیت کا حکم دے، اس میں اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی، ٹھیک جس طرح نماز میں امام کی اتباع مقتدی پر واجب ہے، لیکن جس لمحہ نماز کے مقررہ ضابطوں کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ مقتدی اس غلطی میں امام کی اتباع نہیں کرتا، بلکہ اسے غلطی پر متنبہ کرتا ہے اور اسے روکتا ہے، اسی لیے سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد فرمایا تھا کہ: ''اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر دینا''۔

اس مضمون کو کہ امیر کی اطاعت مسلمانوں پر ضروری ہے اور معصیت خالق میں کسی مخلوق کی اطاعت نہ کی جائے، قرآن کی آیتوں میں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک احادیث میں بار بار بیان کیا گیا ہے۔

قرآن کہتا ہے:

''یاایها الذین امنوا اطیعوا الله واطیعوالرسول واولی الامر منکم''

''یعنی اے مسلمانو! تم اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت کرو نیز اپنے میں سے'' اولی الامر'' کی اطاعت کرو۔''

بخاری اور مسلم کی روایت ہے:

'' السمع والطاعة علی المرء المسند فی ماحب وکره مالو یومر بمعضیة فاذا امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة''

یعنی مسلمان پر سمع وطاعت یعنی امیر کے حکم کو سننا اور ماننا لازم ہے، چاہے یہ حکم اس کے جی کے مطابق ہو یا ناگوار، ہاں اگر کسی معصیت اور گناہ کا حکم دیا جائے تو اسے نہیں مانا جائے گا۔

حضور صلی اللہ وسلم کی وصیت

امام احمد بن حنبل ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت ہے۔

''عن العرباض بن ساریه قال صلی بنا رسول الله صلی الله علیه وسلم ذات یوم ثم اقبل علینا بوجهه فوعظنا موعظة بلغة زرفت منها العیون ووجلت منها

القلوب فقال رجل یا رسول الله کان هذه موعظة مودّع فاوحینا ، فقال اوصیکم بتقوی الله والسمع والطاعة وان کان عبدا حبشیافانہ من لعیش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذوایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار ."

یعنی حضرت عرباض بن ساریہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور پھر ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر ایک بلیغ اور موثر وعظ فرمایا، یہاں تک کہ آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں، اور دل لرز اٹھے، کسی نے کہا یا رسول اللہ! یہ تو وداعی اور رخصتی وعظ معلوم ہوتا ہے، پس آپ ہمیں کچھ وصیت فرمائیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ: "اللہ سے ڈرتے رہنا، امیر کا حکم سنتے اور مانتے رہنا، اگر چہ تمہارا امیر حبشی غلام کیوں نہ ہو، اس لیے کہ تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بہت سے اختلاف دیکھیں گے، ایسی حالت میں تم کو چاہئے کہ میرے طریقہ اور ہمارے خلفاء راشدین کے طریقہ کو مضبوطی سے پکڑے رہو، اور دیکھو نئی باتوں سے بچتے رہنا کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں پہنچانے والی ہے"۔

مسلمانوں کے باہم جھگڑوں میں کتاب وسنت کی حیثیت

پس مسلمان جو ہر لحہ رضاء الٰہی کا طلب گار ہے، شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیروکار ہے اور ایک مضبوط مرکز یعنی امیر سے اطاعت وتسلیم کے رشتوں میں بندھا ہوا ہے اپنی زندگی کے جملہ معاملات میں احکام خداوندی کو ہی تسلیم کرنے کا پابند ہے اس کے تمام نزاعات کا فیصلہ بس کتاب وسنت سے ہی ہوسکتا ہے اور وہ ہر لحہ اپنے اوپر اپنی رضا سے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو نافذ کرتا ہے۔

قرآن کہتا ہے:

"فان تنازعتم فی شئی فردوه الی الله والرسول "

یعنی اے مسلمانو! اگر کسی معاملہ میں تمہارے درمیان باہم تنازع پیدا ہو تو اللہ اور اس کے رسول کے پاس لے جاؤ۔

اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ جب بھی مسلمانوں میں کوئی اختلاف یا نزاع پیدا ہو تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ان جھگڑوں کا فیصلہ دوسروں سے طلب کرنے کے بجائے اللہ اور رسول سے طلب کریں، اور دوسری بات یہ بھی ہوئی کہ مسلمانوں کے سارے جھگڑوں میں نافذ ہونے والا فیصلہ بس اللہ ورسول کا ہے، آج ہمارے درمیان اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت موجود ہے، پس آج بھی ہمارے سامنے نزاعات میں کتاب وسنت کا فیصلہ ہی واجب التسلیم ہے۔

کتاب وسنت سے فیصلہ طلب کرنا اور اسی پر عمل کرنا تقاضۂ ایمانی ہے

اس موقع پر یہ بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ کتاب وسنت کے فیصلوں کا ہی واجب التسلیم ہونا، اور مسلمان کی زندگی میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا ہی نافذ ہونا حکومت وطاقت پر موقوف نہیں، بلکہ ہر مسلمان جب کلمہ پڑھ لیتا ہے اور اس یقین کا اظہار کر دیتا ہے کہ وہ بس خدا ہی کا بندہ ہے، اسی کی خوشی چاہتا ہے، اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ اللہ کی رضا کو جان سکتا ہے، اور اس کی اطاعت اور رسول کی اطاعت اس پر واجب ہے اس عقیدہ اور یقین کے بعد خدا اور رسول کے احکام کو وہ اپنے اوپر نافذ کرنے میں کسی بیرونی دباؤ کی ضرورت محسوس نہیں کرے گا، اس کا اندرونی ایمان اور آخرت کی فکر مجبور کرے گی، کہ وہ اللہ کے احکام پر عمل کرے، اگر کوئی خارجی رکاوٹ اسے اللہ کے حکم پر عمل کرنے سے روکے گی تو وہ ان موانع کو اپنے بس بھر دور کرنے کی کوشش کرتا رہے گا، اور جن احکام پر اس کے لیے عمل کرنا ممکن ہوگا اسے وہ پوری مستعدی کے ساتھ کرتا رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے جہاں یہ کہا ہے کہ: ”مسلمانو! اگر تم کسی معاملہ میں جھگڑو تو اللہ اور رسول کے پاس لے جاؤ“۔ وہاں یہ کہہ کر: ”ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر“ اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہو، اور اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ تمہارے ایمان ویقین کا تقاضہ ہے کہ تم کتاب وسنت کو ہی معمول بناؤ، اور اپنی زندگی پر رسول کی شریعت کو نافذ کرو، احکام الٰہی کے یہ تنفید تمہارے داخلی داعیہ (یقین) کی وجہ سے ہونی چاہئے نہ کہ خارجی دباؤ (حکومت) کی وجہ سے ہونی چاہئے۔

❁❁❁

اسلامی زندگی کی اصل روح

فقیہ امت قاضی شریعت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے ۲۴ر فروری ۱۹۶۸ء کو پورینی ضلع سہرسہ میں بصیرت افروز تقریر فرمائی تھی۔

محترم بزرگو اور بھائیو!

ہم اور آپ انسان ہیں، اور پھر مسلمان ہیں، مسلمان اس دنیا میں کیسی زندگی گذاریں اس کو قرآن نے تفصیلی طور پر بیان کر دیا ہے۔

دنیا کے تمام انسان خود بخود عالم وجود میں آگئے ہیں، یا ان کا کوئی پیدا کرنے والا ہے، اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا، کہ ان کا پیدا کرنے والا ایک اللہ ہے، جس نے انسانی تخلیق میں جن حکمتوں کا مظاہرہ کیا ہے وہ انسانی طاقت سے بالاتر ہیں، جب اللہ نے عالم کو وجود میں لایا اور وہی اس کا مربی ہے تو ہر ایک شئے اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔

پیدائش اور موت ہمارے اختیار سے باہر کی چیزیں ہیں ''لائی حیات آئی قضا لے چلی چلے'' اس قادر مطلق نے پیدا تو کر دیا مگر زندگی کی کنجی اپنے ہاتھ میں رکھا، تاکہ انسانوں کو پیدائش اور موت کی داستان یاد رہے۔ ''خلق الموت والحیات لیبلوکم ایکم احسن عملا'' اور عمل کے اعتبار سے کون بہتر بن سکتا ہے؟

اب ہم کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ یہ مختصر سی زندگی من مانی گذاریں یا اللہ کے حکم پر گذاریں جن لوگوں نے عالم وجود میں آنے کے بعد اللہ کی اطاعت وبندگی اور اس کی مرضیات پر چلتے رہنے کا فیصلہ کرلیا، دراصل وہی اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور ان کے لیے اللہ کے نزدیک بہتر مقام ہے اور جن لوگوں نے اللہ کے احکام کو ٹھکرادیا اور ہر کام میں اپنی مرضی کو دخل دیا وہ دراصل اللہ کی نعمتوں اور اس کی پھٹکار کے مستحق ہیں اور ان کے لیے برا پھٹکار ہے۔

جن لوگوں نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ جان اللہ کی دی ہوئی امانت ہے، اس کے بتائے ہوئے حکم کے مطابق خرچ ہوگی، مال دولت، عزت ومرتبہ سب اللہ کی جانب سے ملتے ہیں، اس کی مرضی کومشعل راہ اور نشان منزل بنالیا وہی درحقیقت مسلمان ہیں، جن لوگوں نے اس کے خلاف کیا وہی لوگ کافر ہیں۔

اسلامی زندگی کی اصل روح بس اتنی ہے کہ اللہ کی رضا میں اپنی زندگی فنا کردے، اگراللہ کا حکم ہوکہ زندہ رہوتو زندہ رہیں گے اور جب حکم ہوکہ جام شہادت نوش کرجاؤ تو دیر نہیں کریں گے، حتی کہ عزیز ترین دولت کواللہ کے راستے میں قربان کئے بغیر باقی نہ رہیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کواللہ نے پیدا کیا، پرورش کی، کہا کہ آگ میں چھلانگ لگادیں، چھلانگ لگادیا۔ اللہ کا حکم ہوا اپنے لخت جگر کو بے آہ وگیاہ میدان میں چھوڑدیں وہ بھی کیا، پھر حکم ہوا اپنے لخت جگر کی گردن پر چھری چلادیں، یہ تھا مردمومن کا آخری امتحان جہاں پہنچ کر انسان سوچنے لگتا ہے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اس آخری کسوٹی پر بھی کھرے ثابت ہوئے اور زبان حق سے یہ اعلان کیا: ”ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین ٥“۔

آج ہم اور آپ جو اپنے کومسلمان کہتے ہیں دراصل یہ نام ابراہیم علیہ السلام۔ نے رکھا۔ ”مسلمین“۔

پس مسلمان وہ ہے۔ جوحضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح کفر کی آندھیوں میں بھی اسلام کا چراغ جلاتا رہے۔

مال، اولاد، جان، ہجرت ہر چند کہ مطالبہ پورا کرتا رہے۔ فرمان نبوی ہے: ”لا یومن احدکم حتی یکون هوا تباعا لموا جئت“ تم میں سے کوئی بھی مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ میری لائی ہوئی شریعت کو نہ مان لے۔

یہ کیفیت ایک مومن کے دل میں جب پیدا ہوجائے گی تو محبت بس اللہ سے ہوگی اور خوف تو بس اللہ کا، ایمان کا مطلب ہی یہ ہوا کہ اللہ کوچھوڑ کر کسی سے نہ ڈرا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ”ایمان اور بزدلی ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتی، اس لئے مومن کبھی بزدل نہیں ہوسکتا، مومن ہتھیاروں سے نہیں گھبراسکتا، زندگی جائے تو جائے وہ تو بس اللہ کی امانت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت تلوار کے سائے میں ہے۔“

جو شخص دین اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا دین اپنائے گا وہ قابل قبول نہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ اسلام کی بنیاد دو کھمبوں پر ہے ایک اللہ کی اطاعت اور دوسرے رسول کی اطاعت اور اس کتاب وسنت کے مطابق امیر شرعی کی اطاعت جس سے معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمانوں کو جماعتی زندگی گذارنی چاہئے۔ اللہ یہ نہیں چاہتے کہ تم انفرادی اور بھیڑ والی زندگی بسر کو۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق ایک امیر کی اطاعت کا قلادہ اپنے گردن میں ڈال لینا دراصل یہی اسلامی اور جماعتی زندگی ہے۔

۞۞۞

مسلمان کی شان

۱۰ر جون ۱۹۹۱ء میں فقیہ امت قاضی شریعت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے امارت کانفرنس بگھیلا گھاٹ دربھنگہ میں امت مسلمہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

الحمد لله رب العالمين و الصلوٰة والسلام على خاتم النبيين . قال الله تعالىٰ في كلامه الكريم .... اطيعو الله و اطيعو الرسول و اولى الامر منكم

لوگو! اللہ کا بہت بڑا احسان یہ ہے کہ ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا فرمایا اور مسلمان بنایا، مسلمان کہتے ہیں بات ماننے والے کو جو اللہ کے سامنے سر جھکا دے اس کو کہتے ہیں مسلم۔

مسلمانو! خوب یاد رکھو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان جو بنیاد ہے وہ ہے اطاعت کرنا اللہ کے حکم کو ماننا ہر مسلمان مرد و عورت پر لازم ہے، من مانی کرنے والا مسلم نہیں رہ سکتا۔ حکم الٰہی کے سامنے سر جھکا دینا مسلم کی شان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ اللہ اور اس کے رسول اور اپنے میں سے "اولو الامر" امیر کی اطاعت کرو۔ اللہ کا یہ حکم عسکری طاقت کے ساتھ مشروط نہیں ہے بلکہ اگر دل میں ایمان ہے تو اسی ایمان کے تقاضا کو مانتے ہوئے ماننا پڑے گا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: "لا اسلام الا بجماعة ولا جماعة الا بامارة ...." یعنی اسلام بغیر جماعت کے نہیں اور جماعت بغیر امیر کے وجود میں نہیں آسکتی۔ لیکن ہمارے لیے مشکل یہ ہے کہ ہم میں سے سب کے سب امام ہیں اور سب حاکم ہیں، کوئی بھی ماتحتی قبول کرنا نہیں چاہتا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جب تک بات ماننے کا جذبہ پیدا نہیں ہوسکتا اس وقت تک طاقت وقوت پیدا نہیں ہو سکتی۔ چھوٹی چھوٹی قوم بات ماننے کی وجہ

سے بڑی طاقت بن کر ابھری اور بڑا سے بڑا کارنامہ انجام دیا، اور جو قوم ماتحتی قبول نہیں کیا وہ قوم زوال پذیر اور کھوکھلی ہوگئی۔

لوگو! امیر کے تحت رہنے والا پروئے موتی کے مانند ہے اور امیر سے الگ رہنے والا بکھرا ہوا، پھینکا ہوا موتی ہے۔ امیر کی اطاعت اور مل جل کر رہنے کی مثال بکری کے اس ریوڑ کی طرح ہے جو جھنڈ میں ایک ساتھ رہتی ہے، اس پر کوئی بھیڑیا حملہ نہیں کر سکتا، لیکن وہ بکری جو جھنڈ سے الگ اور پیچھے رہ جائے گی اس پر بھیڑیا حملہ آور ہوگا۔ اس لیے امیر کی اطاعت ضروری ہے۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے حضرت امیر شریعت رابع رحمۃ اللہ کی وفات کے بعد شرعی طریقہ پر عارف باللہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب دامت برکاتہم امیر مقرر ہوئے، اس لئے سب پر لازم ہے کہ ان کی اطاعت کریں اور سمع وطاعت کا اظہار کریں (پنڈال میں ہزاروں کی تعداد میں موجود سب لوگوں نے ہاتھ اٹھا کر بیعت کی اور سمع وطاعت کا اظہار کیا)

لوگو! وہ مسلمان قوم جو تیز طوفان آندھی اور تلوار سے کبھی نہ بھاگی اور نہ گھبرائی جس نے وقت کے طوفان اور قوت وجبر کو جب چیلنج کیا تو وقت کو منہ موڑنا پڑا۔ لیکن اس بہادر قوم نے کبھی منہ نہیں موڑا۔ یہ قوم ہواؤں اور سیلابوں سے ڈرنے اور بھاگنے والی نہیں ہے، اس امت کے دل ودماغ پر یہ سوار تھا کب قیامت آجائے گی، اس امت کی تاریخ یہ رہی ہے کہ میدانوں کو چھوڑ کر مسجد تو آئی ہے، لیکن مسجد چھوڑ کر میدان کی طرف نہیں بھاگی ہے۔

لوگو! یاد رکھو! اپنا مکان بنالو، اپنے پیٹ کو بھرلو، اپنا سب کام خوب کرلو، تمہارا سماج پڑوسی اور بوڑھی عورت جاڑے میں ٹھٹھر کر اور بھوک سے مرجائے، غریبوں کے بچے مرجائیں وہ تعلیم پائے یا نہ پائے کوئی پرواہ نہیں، لیکن تم اپنے بچوں کو لندن اور انگلینڈ سے پڑھوالاؤ یہ اسلام کی شان نہیں ہے، بھوکوں کے غم کو دیکھ کر، دکھیوں کے دکھ کو دیکھ کر ننگوں کو کپڑا پہنا کر ہمارے رسول کا چہرہ چاند کی طرح کھل جاتا تھا۔

لوگو! اپنے لیے جینا کسی اور طریقہ ہوسکتا ہے، لیکن رسول اللہ کا طریقہ نہیں ہوسکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصہ''۔

لوگو! اس وقت جماعتیں تین طرح کی ہیں۔

(۱) ایک جماعت وہ ہے کہ جس کے دل میں آگ لگ رہی ہے، بغض سے پریشان ہے یہ کفار و مشرکین کی جماعت ہے۔

(۲) دوسری جماعت وہ ہے کہ اندر سے تو جل رہا ہے، لیکن زبان سے میٹھی میٹھی بولی بولتا ہے، یہ منافقوں کی جماعت ہے۔

(۳) تیسری جماعت ان لوگوں کی ہے جن کے دل میں الفت و محبت ہے اور زبان پر بھی میٹھی بات ہے اور ایک دوسرے کے مددگار ہیں مومن کی شان اور زندگی یہی ہے۔ اہل ایمان کی سب سے بڑی شان یہ ہے کہ وہ یہ نہیں جانتا ہے کہ کون میرا بھائی ہے کون میرا رشتہ دار ہے، کون گاؤں کا ہے کون ضلع کا ہے، وہ ملک زبان اور بولی سب سے اونچا اٹھ کر دیکھتا ہے کہ حق کیا ہے؟ ناحق کیا ہے؟

جاہلیت میں لوگ صرف ایک بات جانتے تھے کہ میرے قبیلہ کا ہے یا نہیں، کالا، گورا، اچھا بُرا سے کوئی تعلق نہیں۔

لوگو! یاد رکھو! جاہلیت کی باتوں سے پرہیز کرو، جب حق و باطل کی گواہی کا معاملہ آئے تو مسلمان کی شان یہ ہونی چاہئے کہ باپ بیٹے کے خلاف گواہی دے اور بیٹا باپ کے خلاف گواہی دے اگر باپ ناحق پر ہے۔.......... مظلوم کی مدد ظالم کے خلاف کرنا مسلمان کی شان ہے۔

لوگو! تم شادی بیاہ میں روپے پیسے لڑکی والوں سے لیتے ہو وہ ناپاک ہے، پیشاب ہے، رشوت ہے، تم بارات لے جا رہے ہو لوگ شراب اور نشہ میں چور ہیں کیا رسول اللہ کا یہی طریقہ ہے، پھر لڑکی والوں کے یہاں جا کر باراتی کیا کیا کرتے ہیں تم خود سوچو، ناجائز فعل کے مرتکب ہوتے ہیں ،شراب وغیرہ پی کر اور لڑکی والوں کو بے عزت کرنا بھی مقصد ہوتا ہے یہ سب گناہ اور ناجائز ہے، اس لئے میں یہ کہتا ہوں کہ اس رسمی بارات کو ختم کرو، ہمارے معاشرے کا سدھار ہوگا، اور ہر حال میں اللہ سے ڈرو، اور تقویٰ کی زندگی پر قائم رہو، اسی میں دنیا و آخرت کی فلاح و کامیابی ہے۔

مسلمان ایک امیر کی اطاعت میں

شریعت کو اپنی زندگی پر جاری کریں

۲۴؍فروری ۱۹۹۲ء کو امارت کانفرنس کشن گنج میں فقیہ امت قاضی شریعت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے خطاب فرمایا تھا

برادران ملت! کشن گنج کی سرزمین میں علماء ومشائخ کا برابر ورود ہوتا رہا ہے، اور یہاں کے مسلمانوں نے دینی واجتماعی اور ملی کاموں میں ہمیشہ دل چسپی لی ہے، لیکن آج یہاں کے مسلمان جن حالات سے گزر رہے ہیں ان کا تقاضا ہے کہ زیادہ بیدار مغزی اور شعور کے ساتھ یہ غور کیا جائے کہ یہ سرزمین جو صدیوں سے ہماری جدوجہد کا مرکز رہی، اس پر ہماری تہذیب وتمدن کے نقوش ثبت ہیں، اس کو ہم نے علم دیا، فکر دیا، بہت ساری صنعتیں قائم کیں، اپنے اپنے خون سے سینچا، اس سرزمین پر برکت اللہ بھوپالی، اشفاق اللہ اور جنگ آزادی کے حریت پسند علماء ومشائخ کے خون کی چھینٹیں پڑیں، آج اسی سرزمین پر ہمیں دوسرے درجہ کا شہری قرار دینے کی کوشش ہو رہی ہے، کشن گنج، پورنیہ، کٹیہار اور دیگر اضلاع کے مسلمانوں کو اجاڑنے کی سازش کی جا رہی ہے، فرقہ پرست تنظیمیں شہریت کا ثبوت طلب کر رہی ہیں، کچھ لوگ اشتعال انگیزی کرتے ہیں، گالیاں دے رہے ہیں، ہمیں مشتعل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن ہم جانتے ہیں کہ گالیاں کمزور لوگ دیتے ہیں، اس لئے ان کے اشتعال دلانے سے غصہ میں نہیں آئیں گے، اس لئے کہ ہم یہیں کے باشندے ہیں، یہیں رہیں گے، ہم پانی کے بلبلے نہیں ہیں، بلکہ پہاڑ کی طرح ثابت قدم رہنے والے ہیں، ہم مر کر بھی اسی زمین میں دفن ہو کر اپنا وجود برقرار رکھتے ہیں، اس لئے مسلمانو! میں تم سب سے کہتا ہوں کہ یہ تمہارے مورل کو گرانے کی سازش ہے، اس لئے تم ہرگز جوش اور غصے میں آکر ان کی سازش کا شکار نہ بننا، اس دھرتی پر ہمارا حق ہے، ہم اسی سرزمین کے بیٹے ہیں، ہم نے

ہندوستان کو زمانۂ قدیم سے ریشم کی صنعت، ڈھاکہ کا ململ، مراد آباد اور میرٹھ کی صنعتیں دیں اور دنیا میں اس ملک کو وقار اور عظمت عطا کیا، کبھی اپنے ملک کا سودا نہیں کیا، اس لئے تمہیں کوئی اس دھرتی سے ہٹا نہیں سکتا۔

دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

لیکن میرے عزیزو اور دوستو! خطرہ باہر کا نہیں اندر کا ہے، یہ ذات برادری کا بٹوارہ، بھاٹیا اور کلھیا کے نام پر جھگڑے، دیو بندی اور بریلوی کے نام پر مسلمانوں کو تقسیم کرنے کی کوشش، حنفی اور اہل حدیث کے نام پر تفریق یہ ہے اصل خطرہ، کاش! تم اس خطرے کو سمجھ سکو، ہم اس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں جنہوں نے روم کے گورے صہیبؓ کو، حبش کے کالے بلالؓ کو اور یمن کے ابو موسیٰ اشعریؓ کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا تھا۔ جب تمہارا قرآن ایک ہے، اللہ ایک ہے، رسول ایک ہیں، تو پھر یہ الگ الگ فرقے کیسے؟ قرآن تو لوگوں کی شیرازہ بندی کے لئے آیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ کی بنیاد پر تمام مسلمانوں کو ایک امت قرار دیا تھا۔ قیامت کے دن بنگلہ، اردو، سید، شیخ، مرزا، پٹھان کسی کا خدا کی قسم الگ جھنڈا نہیں ہوگا، ایک چیز جو تم کو جوڑتی ہے وہ کلمہ ہے، تمہارا رب ایک ہے، کتاب ایک ہے، رسول ایک ہیں، وہ تم کو وحدت اور تنظیم کا حکم دیتے ہیں، پھر اس سے کیوں منہ موڑتے ہو۔

کوئی پوچھتا ہے آپ کیا ہیں؟ میں جب جواب میں کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو وہ مطمئن نہیں ہوتا، دراصل وہ پوچھنا چاہتا ہے کہ تم حنفی ہو، بریلوی ہو، دیو بندی ہو، حالانکہ اس کا ایک ہی جواب ہے کہ ہم مسلمان ہیں، بھول جاؤ سارے اختلاف کو اور تمام کلمہ کو بنیاد بناؤ۔ یہی امارت شرعیہ کا پیغام ہے، امارت کسی سید، پٹھان، مغل کی تنظیم نہیں، بلکہ وہ تمام کلمہ گو کی تنظیم ہے، اس کی اساس "واعتصموا بحبل لله جميعاً ولا تفرقوا" (تم اللہ کی رسی کو ایک ساتھ مل کر مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو) ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو بکری جھنڈ سے کنارہ رہ جائے، پیچھے رہ جائے تو بھیڑیا اسی کو شکار بناتا ہے، منشا یہ ہے کہ جماعت سے الگ رہنے والے لوگ ہمیشہ خطرہ میں رہتے ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں ہر خاندان اپنے اپنے قبیلہ یا معاہدہ والوں (پارٹی) کو بلاتے تھے،

حضورؐ نے اس سے روک دیا، فرمایا: ''کہ جس نے جاہلیت کا نعرہ دہرایا وہ جہنم کا ایندھن ہوگا۔'' صحابہ نے پوچھا کہ خواہ نماز روزہ کو ادا کرے اور خود کو مسلمان سمجھے، فرمایا کہ ''ہاں! وہ جہنم کا نمائندہ ہوگا خواہ وہ نماز پڑھے، روزہ رکھے اور خود کو مسلمان سمجھے۔'' مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے بھی یہی بات کہی تھی، تمہارے کلیجہ میں درد محسوس ہونا چاہئے، پورب کے آدمی کو تکلیف پہنچے تو پچھم کے آدمی کو اس کی ٹیس محسوس کرنا چاہئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کہ ''اہل ایمان کی آپس میں محبت وہمدردی اور غمخواری کی مثال ایک جسم کی سی ہے۔'' کانٹا چبھتا ہے تلوے میں، لیکن سنسناہٹ محسوس ہوتی ہے دماغ میں، اسی طرح ایک مومن کی تکلیف سے سارے مومن کو تکلیف ہونا چاہئے۔ حضورؐ نے فرمایا: ''کہ تمہاری مثال عمارت کی اینٹ کی طرح ہے، اگر ایک اینٹ اکھڑ جائے تو دوسری اینٹ کا اکھڑنا مشکل نہیں رہتا۔''

مدینہ کے دو قبیلے اوس وخزرج ہمیشہ آپس میں لڑا کرتے تھے، ہتھیار کی سپلائی یہودی کیا کرتے تھے، ذلت کا عالم یہ تھا کہ لوگ لڑتے لڑتے اپنی بیویوں کو گروی رکھ دیا کرتے تھے، لیکن آپ کی تشریف آوری کے بعد سب ایک ہوگئے، اس پر یہودی کو فکر لاحق ہوگئی کہ ہتھیاروں کی سپلائی کا دھندہ ٹھپ ہوکر رہ جائے گا، ایک بوڑھا یہودی ایک سازش کے تحت مسلمانوں کی ایک جماعت میں گیا، جہاں اوس وخزرج کے لوگ موجود تھے، اس نے پرانی باتیں یاد دلانا شروع کردی، نتیجہ دونوں قبیلوں میں اشتعال پیدا ہوتا چلا گیا، اور نوبت لڑائی کی پہنچنے ہی کو تھی کہ اللہ نے حضرت جبرئیل کے ذریعہ آں حضورؐ کو اطلاع دی۔ آپ تشریف لے گئے اور معاملہ کو رفع دفع کردیا۔ اس موقع سے یہ آیت نازل ہوئی: ''واذکروا اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم ......'' کہ تم یاد کرو اس وقت کو جب تم آپس میں دشمن تھے، اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا، پس اتحاد اور تنظیم اللہ کی بڑی نعمت ہے۔

قرآن قصے کہانی کی کتاب نہیں ہے، بلکہ ہدایت کی کتاب ہے، جب ساری دنیا تمہارے آپسی اختلاف کی وجہ سے تمہارے اوپر ذلت کی مہر ثبت کررہی ہے تو کیا اب بھی اختلاف کو نہ بھولو گے؟ الیکشن سے فائدہ کوئی حاصل کرتا ہے، پارلیامنٹ کی ممبری کسی کو ملتی ہے، اسمبلی کی سیٹ پر کوئی بیٹھتا ہے اور آپس میں اختلاف کے نتائج، مدارس ومساجد میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ''کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی مسلمان

سے تین دن سے زائد سلام وکلام ترک کردے، آج تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہو، یادرکھو! آپسی اختلاف انسان کو بزدل بنادیتا ہے، اور بزدلوں کے لیے اس سرزمین پر کوئی جگہ نہیں ہے، اسلام کے لیے جینا ہے تو تم کو بہادر بن کے جینا ہے، مومن کا ایمان ہے کہ موت اپنے وقت پر ہی آئے گی، پھر حق کی جرأت کیوں نہیں ہے؟''

تم کو اسمبلی کی ممبری چاہیئے، یا پارلیامنٹ کی سیٹ چاہیے، دولت چاہیے ان کی خوشامدوں میں پڑکر بزدل بن جاتے ہو، جرأت و بہادری کے ساتھ حق بات بولنا مومن کی ذمہ داری ہے۔

ہر جگہ یہ بحث ہے کہ لیڈر شپ نہیں ہے، یہ کہنا صحیح نہیں ہے، قیادت آسمان سے نہیں آئے گی، زمین سے نہیں ابلے گی، یہ تمہارے ہی اندر سے بیدار ہوگی۔ آج قیادت کی کمی نہیں ہے، کمی ہے قیادت کو ماننے کی، سمع وطاعت کی، ہم میں یہ مزاج ہونا چاہئے کہ اگر ایک حبشی کالا کلوٹا غلام بھی امیر بن جائے تو ہم اس کا حکم مانیں، آج صورت حال یہ ہے کہ ہم میں کا ہر آدمی امام ہے، کوئی مقتدی نہیں۔

مانا کیسے جاتا ہے، سمع وطاعت کس طرح کی جاتی ہے؟ میں بتاتا ہوں خالد بن ولیدؓ اسلامی فوج کے عظیم جنرل تھے، انہوں نے اس زمانہ کی سوپر طاقت ایران کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ یہ زمانہ ابوبکر کا ہے، رستم جیسے بڑے بڑے سورما لاکھوں کی فوج لیے ہوئے مسلمانوں کے مقابل کھڑے ہیں، مسلمانوں کی تعداد نسبتاً انتہائی کم ہے، طبل جنگ بج چکا ہے، عین جنگ کی حالت میں ایک قاصد دو خط لے کر آتا ہے، ایک خط میں لکھا ہے کہ ابوبکر کا انتقال ہوگیا، ان کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ مقرر ہوئے۔ اور پہلا آرڈر یہ تھا کہ کمانڈر انچیف کا عہدہ ابوعبیدہ کو دیا ہے، یہ کڑی جانچ کا موقع تھا، کہ وہ مانتے ہیں، یا بغاوت کر بیٹھتے ہیں، بتلاؤ آج اگر امیر شریعت تم کو حکم دیدیں کہ اسمبلی کی سیٹ چھوڑ دو، پارلیامنٹ سے استعفاء دیدو، مکھیا کے عہدے سے دست بردار ہو جاؤ کیا بات مانو گے؟ خالد کا کیا معاملہ تھا؟ ان کا جملہ تھا، لکھو! یہ جملہ بہت قیمتی ہے، ہر شخص اسے لکھ کر اپنے گھر میں لٹکالے، انہوں نے کہا تھا: ''وہ خالد جو کل تک کمانڈر انچیف کے طور پر اسلام کے لیے لڑ رہا تھا، آج اسلام کے معمولی سپاہی کے طور پر اللہ کی رضا کے لیے لڑے گا۔''

آج ہمارے یہاں بات ماننے کی کمی ہے قیادت کی کمی نہیں، ہر جگہ حکم ہے کہ امیر کی

آتی اور بے تکلف کرتے ہیں۔ فاطمہ کو آپ نے دیکھا یہ سلام کچھ سمجھ کر کرتی ہے۔ بار بار اس سے سلام کرایا وہ سمجھی یہ بھی کوئی مذاق ہے اس مذاق میں اس کی جھجک نکل گئی اب اسے جس بات کی چاہیے تعلیم دے لیجئے

ماں کے تعلیم یافتہ ہونے کی ضرورت

مگر یہ سب باتیں اُسوقت ہو سکتی ہیں جب ماں تعلیم یافتہ ہو۔ خود بچوں کو سمجھانے کا طریقہ جانتی ہو اور ہر کام کی اچھائی برائی سمجھتی ہو۔ بے پڑھی مائیں جو خود ہی کچھ نہیں جانتیں وہ بچوں کو کیا بتائیں گی۔

یہ ایک قدرتی بات ہے کہ بچہ جب سن تمیز کو پہنچتا ہے اور اپنے چاروں طرف نئی نئی چیزیں چاند سورج۔ آسمان، ستارے وغیرہ دیکھتا ہے موسموں کے تغیرات مشاہدہ کرتا ہے۔ دن رات۔ صبح، دوپہر، شام کی مختلف حالتیں اس کی نظر سے گزرتی ہیں تو اس کی تحقیق کی نظر اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ ان سب باتوں کی حقیقت اور اصلیت اور تغیرات کی وجہ معلوم کرے۔ اس کے نزدیک سب سے زیادہ جاننے والی ماں ہوتی ہے وہ اسی سے پوچھ کر اپنے علم کی پیاس بجھانا چاہتا ہے۔

اگر قسمت سے ماں ان باتوں کی جاننے والی ہے اور صحیح جواب دے سکتی ہے تو بچوں کے اس قدرتی مادہ سے فائدہ اٹھا کر ہر چیز کی حقیقت بتلاتی ہے۔ مفید اور نصیحت خیز قصے کہانیاں سنا کر ان کے اخلاق کی درستی کرتی ہے۔ بڑوں اور چھوٹوں کا ادب سکھلاتی ہے، اپنے اور غیر کا فرق بتلا کر ان سے محبت کرنے اُن کی قرابت کا لحاظ رکھنے کی

سونپا جائے، چنانچہ کتاب لکھی گئی، تربیتی کیمپ لگے، میں نے اسی تربیت گاہ میں تربیت پائی۔ دوسرا یا تیسرا دارالقضاء کشن گنج میں قائم ہوا، ان کی خواہش تھی کہ اپنا مکان ہو، اپنی جگہ ہو، سہولت ہو، ہمارے دوستوں نے حضرت کی آواز پر لبیک کہا، پچھلی بار اپنے سفر میں میں نے لوگوں کو حضرت کا وعدہ یاد دلایا، انہوں نے حضرت کے یادگار فیصلہ کو قبول کیا۔

ایک بات اور کہے دیتا ہوں اپنے سماج کو ٹھیک کیجئے، طلاق دینے کے معاملے میں احتیاط کیجئے، تین طلاق یکبارگی دینا سخت گناہ کی بات ہے، طلاق کا جو مسنون طریقہ ہے اس کو اختیار کیجئے، طلاق کا استعمال انتہائی مجبوری اور ناگزیر حالت میں کرنا چاہئے۔ نکاح کرتے وقت کتنی تفتیش کرتے ہو اور طلاق دیتے وقت کچھ خیال نہیں کرتے۔ اور بعد میں کہتے ہو کہ مولانا کوئی صورت نکالئے!

اللہ کہتا ہے کہ اگر زن وشو میں جھگڑا ہو جائے۔ "فعظوهن" تو ان کو نصیحت کرو، سمجھاؤ بجھاؤ، اب بھی نہ مانیں تو ان کے ساتھ سونا بند کردو، خلاف ورزی کرنے پر بعد میں تھوڑی مار پیٹ بھی کرسکتے ہو، آپ لوگ قرآن نہیں پڑھتے، قرآن پڑھئے اور سمجھ کر پڑھئے، تو یہ صورت حال نہ ہوگی، ہمارے معاشرہ میں آج قرآن کا تین مصرف رہ گیا ہے۔

(۱) بیٹی کو جہیز میں دیا جائے۔

(۲) طاق کی زینت بنا دیا جائے۔

(۳) اگر کسی کی جان نہیں نکل رہی تو سورہ یٰسین پڑھا جائے۔

بیویوں کے بارے میں قرآن کیا کہتا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ جس چیز کو تم ناپسند کرتے ہو وہ تمہارے لئے بہتر ہو، اور اس میں اللہ نے خیر رکھا ہو اور جس چیز کو پسند کرتے ہو، ہوسکتا ہے اس میں تمہارے لئے کوئی خیر نہ ہو، پس لوگو! تین طلاق دینے سے بچو اس سے اسلام کی بدنامی ہوتی ہے۔

ہمارے سماج میں جہیز کی وبا بھی بری طرح پھیل گئی ہے، آپ کے کشن گنج میں پہلے تو یہ حال تھا کہ لڑکے والے لڑکی والوں کے پاس روپے پیسے لے کر جاتے تھے، اب یہاں بھی تعلیم آگئی ہے، لوگ ڈاکٹر، انجینئر بننے لگے ہیں، اس لیے ہوسکتا ہے کہ لڑکوں کا دام یہاں بھی بڑھ گیا ہے،

یادرکھو! لڑکوں کی بکری اسلام میں جائز نہیں ہے۔

پس لوگو! ہمیں اپنے سماج کو ان برائیوں سے نجات دلانا ہے، ہمیں یہ عہد کر کے اٹھنا ہے کہ ہم شریعت کی اتباع کریں گے، امیر کی اطاعت کریں گے، ہم مسلمانوں کو ایک امت اور ایک جماعت بن کر رہنا ہے، اور اس ملک میں عزت اور اسلام کے ساتھ جینا ہے، ہمارے خلاف کی جارہی سازشوں پر ہمیں مشتعل نہیں ہونا ہے، تدبیر اور سمجھداری کے ساتھ اپنے وجود اپنے امتیازات کے ساتھ برقرار رہنا ہے۔

میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ ہماری شہریت کو مشکوک بنانے کی کوشش ہمیں غیر ملکی ہونے کا طعنہ دینا ہمارے لیے توہین کی بات ہے، وزیر اعظم پی وی نرسمہاراؤ اور بہار کے چیف منسٹر لالو پرشاد یادو سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ اس پر پابندی عائد کریں، اور ہمارے برادران وطن بھی ہمیں اشتعال نہ دلائیں۔ ہم اس ملک کے ہیں اور رہیں گے، اور برابر درجہ کے شہری بن کر رہیں گے۔

❁❁❁

ہم تاریخ کے ایک نہایت نازک موڑ سے گذر رہے ہیں

ایک مربوط جدو جہداور موثر و موقر اجتماعی پلیٹ فارم کی ضرورت ہے

۲۲ / جون ۱۹۹۲ء میں اتحاد ملت کانفرنس ممبئی میں فقیہ امت قاضی شریعت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے کلیدی خطبہ کے اہم اقتباسات

بزرگان ملت اور عزیزان گرامی!

بحمد اللہ آج ہم اس جذبہ کے ساتھ جمع ہوئے ہیں کہ اس ملک میں ملت اسلامیہ کے عزت و وقار اور اس کی سربلندی کے لیے اجتماعی طور پر جدو جہد اور زیادہ سے زیادہ باہمی ربط و تعاون کے امکانات پر غور کریں۔ کوئی بھی شخص جو اس ملت کے خمیر اور اس کے اندر جاری و ساری روح سے آگاہ ہے وہ کبھی بھی اس وہم و باطل کا شکار نہیں ہوسکتا کہ اب مسلمانوں کے اندر اعلیٰ مقاصد کے لیے منظم و مجتمع ہونے کی صلاحیت ختم ہو چکی ہے۔ ایک ایسی امت جسے خدا نے خیر امت کا منصب عطا کیا ہے، جو ایسے عقیدہ اور ایسی فکر کی حامل ہے جو عالم انسانیت کی فوز و فلاح کی ضامن ہے جو ابنائے آدم کے درمیان تفریق کو مٹاتی ہے، ظلم کا سد باب کرتی ہے، عدل کو سربلند کرتی ہے، انسان دوستی کو فروغ، معاشرہ کے روزانہ کے اعمال و اشغال کا ناگزیر جزء قرار دیتی ہے، کیونکر دنیا میں ناکام ہوسکتی ہے۔ جب کہ اس کے فرد کے خون کے ایک ایک قطرہ میں وحدت و اخوت کی حرارت موجود ہے، انہیں ایک دوسرے سے مربوط کرنے کے لیے بے شمار رشتے موجود ہیں، اسی احساس کے ساتھ ہر دور کے صاحب بصیرت اور حوصلہ مند لوگوں نے ہزار مشکلات کے باوجود اسے جوڑنے کی کوشش کی ہے، اسی احساس و شعور کے ساتھ آج یہ اجتماع منعقد کیا جا رہا ہے۔

اس تلخ حقیقت کے اعتراف میں بھی کوئی تکلیف نہیں ہونا چاہئے کہ آزادی کے بعد کئی قابل قدر کوششیں ہوئیں مگر اس کے باوجود ہندوستان گیر پیمانہ پر ملت اسلامیہ کا کوئی ایسا اجتماعی پلیٹ فارم نہ بن سکا جو ان کے ملک گیر اور مشترک مسائل میں اتفاق رائے تک پہنچنے میں معاون

ہوتا، اور ملت کی اجتماعی رائے کے اظہار کا ذریعہ بنتا۔ ہمارے مسائل دینی، سیاسی، معاشرتی، تعلیمی، ثقافتی اور اقتصادی نوعیت کے تھے اور ملک کے حکمراں طبقہ نے ہمارے انتشار سے فائدہ اٹھا کر ان مسائل کو سنگین سے سنگین تر بنانے کی کوشش کی۔ دوسری طرف ایک جمہوری ملک میں اداروں، جماعتوں اور تنظیموں کی تشکیل کی آزادی کے باوجود ملک کی اکثریت یا ارباب اقتدار نے کبھی یہ پسند نہ کیا کہ مسلمان ہندوستان گیر پیمانہ پر منظم و مجتمع ہو کر اپنے دیرینہ مسائل کے حل کی کوشش کریں اور سچ ہے کہ ہمارے اجتماعی مسائل میں سے بیشتر سیاسی سطح پر حل کے طالب تھے۔ لیکن بدقسمتی سے ہم ایک متحدہ سیاسی موقف اختیار کرنے میں بھی ناکام رہے۔ ہمارے ذہنی انتشار کا فائدہ اٹھا کر فرقہ پرست طاقتوں نے طرح طرح کے فتنے اٹھائے، کاش کہ مسلمانوں کا مشترکہ پلیٹ فارم موجود ہوتا جو ان کی آرزوؤں کا سچا ترجمان بنتا، اور ان مسائل کو پوری قوت کے ساتھ پیش کر سکتا تو شاید صورت حال کچھ اور ہی ہوتی، کم از کم وہ پراگندہ خیال دور ہو سکتی جو ملت کے لیے ترجیحات کی تعین اور اپنے اہداف ونصب العین کی نشاندہی کے معاملہ میں بسا اوقات پیش رہی ہے، اس طرح شاید ہم ایک متحدہ موقف اختیار کرنے اور اپنے مقاصد کے لیے ایک مربوط جدو جہد کرنے کے معاملہ میں زیادہ بہتر پوزیشن میں ہوتے۔

مسلمانوں کی متحدہ جدو جہد اور کوششوں کے سلسلہ میں ہمیں ماضی قریب کے ان تجربات سے بھی کافی رہنمائی حاصل ہوتی ہے، جبکہ ہم نے اپنے بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کے اپنے سب سے بڑے جدید تعلیم کے مرکز، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اسلامی اقلیتی کردار کی بحالی اور مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کے لیے ایک متحدہ اور مربوط جدو جہد کی، تو خدا کا شکر ہے کہ ہمارے مطالبات کو پوری ملت کے مطالبات سمجھ کر حکمرانوں کو ہمارے سامنے جھکنا پڑا۔ اس کے باوجود افسوس ہے کہ آزادی کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی تاریخ انحطاط، انتشار، نامرادی اور شکست خوردگی کی کہانی محسوس ہوتی ہے، ہمیں ان کوششوں اور ناکامیوں کو بھی ذہن میں رکھنا چاہئے جو مسلمانوں کو بحیثیت ایک خیر امت سر بلند کرنے کے سلسلہ میں ہوئیں، اور کسی طرح ایسی تمام کوششوں کو ملک کے حکمراں طبقے، قومی جماعتیں اور پریس اسے ملک کے خلاف سازش اور جمہوریت سیکولرزم پر قاتلانہ حملہ قرار دیتے رہے ہیں، مگر اب زمانہ بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ ہم اپنی اجتماعی شیرازہ بندی اور اس ملک کے عام

مسائل سے دلچسپی کے معاملہ میں کوتاہی برت کر بے پناہ نقصانات اٹھا چکے ہیں۔ رفتہ رفتہ ہمارا وجود غلاموں اور دوسرے درجہ کے شہریوں میں تبدیل ہو چکا ہے، آج صورتحال یہ ہے کہ جدید ہندوستان میں ہماری کوئی آواز نہیں۔ ہماری قیادت کا کوئی وزن نہیں، ہمارے جذبات کا احترام نہیں، ہمارے نفع ونقصان کی کسی کو فکر نہیں، دستور ہند اگر چہ اقلیتوں کو بہت سے تحفظات دیتا ہے اور ان کو ایک مساوی شہری کا مرتبہ عطا کرتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ اس دستور کی کچھ کمزوریوں کا سہارا لے کر ملک کی سیاسی واجتماعی زندگی میں مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کو ایسے حقیر اور پست مقام تک ڈھکیل دیا گیا ہے جہاں وہ ایک باوقار زندگی گزارنے کا تصور نہیں کر سکتے۔ ہمارے شرعی قوانین زبان، کلچر، تعلیمی اداروں کے اسلامی کردار، عبادت گاہوں کا ناموس، ملازمتوں میں آبادی کے اعتبار سے معقول نمائندگی، جان ومال کی سلامتی کے بارے میں حکمرانوں نے بھی سنگین کوتاہیاں کی ہیں، اور حزب اختلاف نے بھی ان امور میں کسی جرأت مندانہ اور مخلصانہ کردار کا مظاہرہ نہیں کیا۔

حضرات! اس بات میں شک نہیں کہ ہم نے ملک کے روشن مستقبل کے لیے تمنائیں بھی کی ہیں اور کچھ محدود کوششیں بھی کی ہیں۔ لیکن افسوس کہ ملت کے مسائل کا گہرائی کے ساتھ مکمل تجزیہ کرنے اور ان مسائل کو حل کرنے کے لیے طویل المیعاد منصوبہ بندی کی کوششیں بہت کم ہوئیں۔

اس حقیقت سے کسے انکار ہے کہ ہم میں اگر چہ ایسے نیک انسان موجود ہیں جو دلوں کے دروازوں پر دستک دیتے رہے ہیں، اور خیر سگالی اور انسان دوستی کا چراغ برابر جلاتے رہے ہیں، ان کے پیغام نے بہت سے دلوں کو چھو لیا ہے اور بہت سی آنکھوں کو نمناک بنا دیا ہے، لیکن ارباب اختیار واقتدار اور شر پسندوں طاقتیں جو کافی منظم ومستحکم ہیں انسانی قدروں کو جھلسا دینے والا آتش فشاں بن کر دن رات نفرت وعناد کا لاوا اگلتی رہی ہیں۔ حیرت ہے کہ ان حالات میں وہ امت جس کے مسائل ومشکلات کی ایک مشترک تاریخ ہے اپنی اجتماعی زندگی کو ایک وحدت میں بدلنے میں اپنے فکر وعمل میں مطابقت پیدا کرنے اور مضبوط طریقہ سے اپنے فروغ اور ارتقاء کی جدوجہد سے کیوں غافل ہے؟

حضرات! یہ سچ ہے کہ مشیت الہی بہت دنوں تک ظالموں کو چھوٹ نہیں دیتی، لیکن اگر مظلوم بھی اپنے احوال کو تبدیل کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور ہوش مندانہ مخلصانہ رہنمائی اور

مشوروں کو قبول نہیں کرتا اور اپنے اندر اجتماعیت واتحاد کی اسپرٹ نہیں پیدا کرتا تو اسے میدان ظلمت میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس وقت ہم تاریخ کے ایک نہایت نازک موڑ سے گزر رہے ہیں، ملی اور بین الاقوامی دونوں احوال ہمارے لیے ایک چیلنج بن کر سامنے آرہے ہیں۔

ان حالات کا اولین تقاضا ہے کہ ہم اپنی اجتماعی آواز ظلم وفساد کے خلاف بلند کریں اور اپنے اندر ایسی غیرت پیدا کریں کہ ملک کے ہر مظلوم کا سہارا بن سکیں اور ہر بگاڑ وفساد کے سرچشمہ کا منھ بند کر سکیں، تاریخ کے اس مرحلہ میں یہ کام ہمارے لئے دشوار نہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہماری نوجوان نسلوں کے دلوں میں اپنی اسلامی شناخت کو برقرار رکھنے کی تمنا کروٹیں لے رہی ہے۔ اور وہ گردوپیش کے احوال سے باخبر رہنے اور انہیں تبدیل کرنے کی ہر جدوجہد میں حصہ لینے کے لئے تیار نظر آتے ہیں۔ اگرچہ موجودہ نظام تعلیم نے اسلامی شعائر سے انہیں قطعاً بیگانہ بنادیا ہے مگر ان کے اندر اپنے دین سے لگاؤ ہے اور وہ اس احساس پر قائم رہنے کے لیے بے حد آرزومند ہیں۔ ان نسلوں کے دینی شعور کو بالیدہ بنانے اور ان کی صلاحیتوں کو تعمیری کاموں میں لگانے کے لیے زبردست منصوبہ بندی اور مربوط جدوجہد کی ضرورت ہے۔

بدقسمتی سے اب بھی بسا اوقات افراد ملت کی بیشتر توانائیاں ان کے دینی یا دنیوی رہنماؤں کی باہمی چپقلش یا حریفانہ کشمکش یا چھوٹے چھوٹے فروعی مسائل میں الجھ کر ضائع ہوجاتی ہیں۔ حالات کی اس قدر نزاکت وسنگینی کے باوجود آج ہم ذرا ذرا سی باتوں پر باہم دست وگریباں ہوجاتے ہیں، کبھی کبھی عقائد وعقیدت کی جنگ برادر کشی کی منزل تک بہت سے نادانوں کو پہنچادیتی ہے، مذہبی واخلاقی لحاظ سے ملت کی زبوں حالی کا ایک بہت بڑا سبب جو ہے وہ داخلی انتشار ہے، جس کے سبب اہم مسائل میں کسی اجتماعی جدوجہد کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

ان حالات میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ایسی قیادت کی نشوونما ہو جو حکمت وجرأت کے ساتھ مسلمانوں کی رہنمائی کرسکے۔ ان کے درمیان اتحاد ویکجہتی کو فروغ دے سکے اور اس ملک میں جس کی آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں شدید غلط فہمیوں میں مبتلا ہے اس کے سامنے اسلام کی ایک روشن تصویر پیش کرسکے، ایسی قیادت ملک میں امن وامان کے فروغ اور طبقہ داری اور فرقہ وارانہ کشمکش کے خاتمہ کا ایک موثر ذریعہ بن سکتی ہے، ملک

کے پسماندہ اور مظلوم طبقات کے زخموں پر مرہم رکھنے اور ان کے آنسو پوچھنے کا فریضہ ادا کر سکتی ہے اور رنگ ونسل، زبان ومذہب کی بنیاد پر جو باہمی آمیزش ہے اس کو انسان دوستی، اعلیٰ جذبات اور بلند انسانی اقدار کی رہنمائی میں ختم کرنے میں کامیاب ہوسکتی ہے۔

حضرات! ہم یہ کنونشن ماضی کے دیگر کنونشنوں کی طرح اس لیے نہیں کر رہے ہیں کہ سیکولرزم کی دہائی دے کر، قوم پرستی وحب الوطنی کا واسطہ دے کر ملک کے حکمرانوں سے مسلمانوں کی جان ومال کے تحفظ اور ان کی خیر وفلاح کی درخواست کریں۔ کسی بھی ہندوستانی شہری سے کسی کو حب الوطنی اور سیکولرزم پر ایمان لانے کا مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ حب الوطنی انسانی فطرت کا ایک حصہ ہے اور دوسروں کے دین ومذہب کی توہین وتذلیل یا اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنا ہر دور کے صحیح الفطرت انسانوں نے نہایت بُرا اور نہایت ناگوار کام تصور کیا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے کسی اجتماع کو اس طرح کی سند توثیق کسی سے طلب کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ ہم یہاں ملت کے مسائل کی فہرست سازی کے لیے نہیں اکٹھا ہوئے ہیں۔ نہ ہم کسی عظیم وعالی مرتبہ قائد کے ظہور کی اطلاع دینے یا اس کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔

ہم اس اجلاس کی اپنی آرزوؤں، تمناؤں خوابوں اور خوش خیالیوں کے محشرستان میں تبدیل کرنے کے بھی قائل نہیں، ہمیں حقائق کی زمین پر قدم رکھ کر گردوپیش کے احوال واقعی پر غور کرنا ہے۔

اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ ہم یہ آرزو لے کر ''مردے از غیب آید وکارے کند'' منتظر فردا رہیں۔ اس وقت ایک اجتماعی قیادت کے ابھرنے اور سب کو ایک ساتھ مل کر قدم بڑھانے کا وقت ہے، بیشک ہمارے لیے آئیڈیل بات تو یہی ہے کہ ہم ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں، لیکن اگر ہم اپنے درمیان مشاورت مطابقت وارتباط کا سلسلہ جاری رکھیں تو کم از کم ایک صف میں ضرور کھڑے ہوسکتے ہیں۔ گاہے گاہے ہمارے اہل فکر مل بیٹھ کر اہم اور تاریخ ساز امور پر ایک اتفاق رائے حاصل کر سکتے ہیں، اور اس کی روشنی میں ایک مشترکہ پروگرام وضع کر سکتے ہیں، اس وقت ہم اس قدر بھی اپنی اجتماعی شیرازہ بندی نہ کر سکیں تو پھر ہمارا اللہ مالک ہے۔

حضرات! ہماری اجتماعی شیرازہ بندی اپنے لیے محض ضروری ہے کہ ہم اس ملک میں دفاعی

پوزیشن کے بجائے اقدامی پوزیشن میں آسکیں۔ خیر امت کی پوزیشن کی ذمہ داریاں ادا کرسکیں، ظلم وفساد مٹاسکیں، اور ملک میں عدل وانصاف قائم کرسکیں۔ ہم کسی ردعمل یا اکثریت کے خوف کی وجہ سے یہ اقدام نہیں کر رہے ہیں، بلکہ ہم اس ملک کی خیر وسلامتی کے لیے اسے ٹوٹنے اور بکھرنے سے محفوظ رکھنے کے لیے اور ملکی سماج کے اجتماعی فساد کو دور کرنے کے لیے ہم مسلمانوں کو آگے بڑھنے کی دعوت دے رہے ہیں۔

حضرات! اس موقعہ پر میں مسلمانوں کی ہر سطح کی لیڈرشپ، اداروں اور جماعتوں کے رہنماؤں سے دست بستہ التماس کروں گا کہ وہ اس نازک مرحلہ میں آپس میں اکرام مومن پر سختی سے عمل کریں، اور بلاوجہ بدگمان ہونے یا شک وشبہ میں مبتلا ہونے کے بجائے ہر مرحلہ میں سوجھ بوجھ اور ٹھنڈے ذہن ودماغ سے کام لیں، اس وقت ہمارے حریفوں کی سب سے زیادہ کوشش اس بات کی ہے کہ ہماری صفوں میں دراڑ اور دلوں میں ایک دوسرے کے تعلق سے شکوک وشبہات پیدا ہوجائیں۔ شاید اب جذباتی نعروں اور شعلہ خیز بیانات کا دور گذر چکا ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں کے بے شمار مسائل حل طلب ہیں، لیکن ان کا حل جس درجہ اجتماعی جدوجہد اور کوششوں کا طالب ہے، اس کی بڑی حد تک کمی محسوس ہوتی ہے، سب سے قوی احساس جو نمایاں شکل میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا کوئی مؤثر وموقر پلیٹ فارم ایسا نہیں جو نہ صرف ان کے احساسات کا ترجمان ہو بلکہ اس کی آواز سارے مسلمانوں کی آواز تصور کی جاسکے اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد ویکجہتی اور ان کی مختلف جماعتوں اور تنظیموں کے درمیان اشتراک وتعاون کو فروغ دے سکے، جبکہ گذشتہ برسوں کے دوران مسلمانوں کے مسائل کی شدت اور سنگینی میں اضافہ ہوا ہے، ہولناک فسادات کے تسلسل کے نتیجہ میں ملی وتہذیبی وجود کو خطرہ لاحق ہوگئے ہیں، ملک کے سیاسی حالات میں فسطائی رجحانات کے بڑھتے ہوئے اثرات کی بنا پر حالات سنگین تر ہوگئے ہیں، مزید برآں حالیہ دنوں میں ملکی وبین الاقوامی سطح پر جو دوررس تبدیلیاں ہوئی ہیں اور ان کے نتیجہ میں جو حالات رونما ہو رہے ہیں وہ بھی مسلمانان ہند کو خطرہ کا زبردست سگنل دے رہے ہیں، ان مخصوص حالات سے نبرد آزما ہونے اور مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ہندوستان کی امت مسلمہ کے درمیان باہمی اشتراک اور خیرسگالی کی فضا پیدا کی جائے۔

مسلمانوں کی جو جماعتیں اور تنظیمیں پہلے سے موجود ہیں وہ اپنے مخصوص مقاصد اور دائرہ کار میں قابل قدر کام کررہی ہیں، لیکن مسلمانوں کے مسائل اس قدر وسیع الاطراف اور کثیر الجہات ہیں کہ ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ایک ایسے پلیٹ فارم کی واقعی ضرورت ہے جس میں بلالحاظ مسلک وخیال،، ملک کے سبھی اجزاء وعناصر شامل ہوں، اور اسے پوری ملت اسلامیہ ہندیہ کا اعتماد وحمایت حاصل ہو۔

اس اجتماعی پلیٹ فارم کو ملت اسلامیہ کے ان باصلاحیت افراد پر مشتمل ہونا چاہئے جو مختلف شعبہ جات اور سرگرمیوں میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

اس اجتماعی ہئیت کی تشکیل اس طرح کی جانی چاہئے کہ اس میں طرز فکر، مسالک، جماعتوں اور دیگر وابستگیوں کا لحاظ کئے بغیر ملت کے سبھی عناصر شامل ہوں۔

ملت اسلامیہ میں مقامی سطح سے ملکی سطح تک فعال قیادت کی نشو ونما ضروری ہے۔ تاکہ ہر سطح پر ملی مسائل میں فوری رہنمائی مسلمانوں کو مل سکے، لہٰذا نہایت ضروری ہے، کہ ایسے اجتماعی پلیٹ فارم کی تشکیل کے لیے عملی اقدامات کا آغاز کیا جائے۔

اغراض ومقاصد

(۱) کلمہ طیبہ کی بنیاد پر مسلمانوں میں اجتماعیت اور اتحاد پیدا کرنا کہ مسلمان بحیثیت خیر امت اس ملک میں اپنی ذمہ داریاں پوری کریں۔

(۲) ہندوستانی مسلمانوں کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کرنا۔

(۳) مسلمانوں کے دینی ومذہبی تشخص نیز تہذیبی وثقافتی شناخت کے تحفظ کی کوشش کرنا اور اس سلسلہ میں اس مقصد کے لیے کی جانے والی دیگر تمام کوششوں میں خواہ وہ کسی جہت سے ہورہی ہوں، ربط وتوافق پیدا کرنا اور ان سے تعاون کرنا۔

(۴) ملک کے بڑھتے ہوئے فسطائی اور فرقہ وارانہ منافرت اور تشدد کے رجحانات کے مقابلہ کے لئے رائے عامہ بیدار کرنا، ہندوستان کی تمام مذہبی وتہذیبی اکائیوں اور فرقوں کے درمیان خیر سگالی اور برادرانہ تعلقات کو مستحکم کرنے کی کوشش کرنا اور ان کے اندر باہمی اعتماد کی فضا پیدا کرنا اور ہندوستان کے تمام شہریوں بالخصوص اقلیتوں اور مظلوم طبقات کی جان ومال، عزت وآبرو اور تہذیب وثقافت کے تحفظ کی مناسب کوشش کرنا۔

(۵) مسلمانوں میں حوصلہ وخود اعتمادی کو بحال کرنا اوران میں اس احساس کوابھارنا کہ وہ اس ملک میں دوسرے درجہ کے شہری نہیں ہیں بلکہ دستوری طور پر اقتدار میں برابر کے شریک ہیں اور ملک کی تعمیر وترقی اور ایک ایسے نظام کوقائم کرنے میں جو سماجی انصاف کا ضامن ہواپنا قرار واقعی رول ادا کرنا۔

(۶) مسلمانوں کی تعمیر وترقی اوران کی تعلیمی، معاشی ومعاشرتی فلاح وبہبود کے لئے منصوبہ بندی اوراس سلسلہ میں پورے ملک میں مختلف میدانوں میں کی جانے والی کوششوں کے درمیان ربط وہم آہنگی پیدا کرنا اوران کوتقویت پہنچانا۔

(۷) مسلمانوں میں سیاسی اوراجتماعی شعور پیدا کرنا اور حالات کی پیچیدگی اور نشیب وفراز سے انہیں باخبر رکھنا اور مناسب رہنمائی کرنا۔

جوخواب نہیں دیکھ سکتا وہ تعبیر کی تمنا کیسے کرے؟

مسلم مجلس مشاورت سے متعلق حضرت فقیہ امت کی وضاحت

آج صبح سے یہ اجلاس جس رخ پر جارہا ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات بالکل واضح ہونا چاہئے، کہ جس تنظیم کے قیام کی بات یہاں کی جارہی ہے، وہ کسی سے ٹکراؤ کے لیے نہیں ہے، اور ہم کسی قیمت پر بھی اپنے کسی کام کی بنیاد ماضی میں کی ہوئی خدمت کی نفی پر نہیں رکھنا چاہتے ہیں، ہم ماضی کی خدمت کے اعتراف کے ساتھ چلنا چاہتے ہیں۔

(۱) اگر اغراض ومقاصد پر غور کیا جائے تو ایک وسیع دائرہ میں کئے جانے والے کام اور ایک محدود دائرہ کار میں کسی متعین کام کو لے کر چلنے والے کام میں بہت بڑا بنیادی فرق ہوتا ہے، آخر یہ بات کیوں ذہن میں نہیں آتی کہ جس تنظیم کی بات آج ہم کررہے ہیں اس کا کوئی ٹکراؤ "آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ" سے نہیں ہوگا۔ کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی، کیوں نہیں آئی؟ مسلم پرسنل لابورڈ محدود اور متعین مقصد کے لیے قائم کیا گیا تھا اور سرگرم عمل ہے، اس طرح کی تنظیم اس کے لیے انشاء اللہ طاقت کا ذریعہ بنے گی، اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتی، ایک لفظ انتشار ہے مگر صرف انتشار واتحاد پر نہ جائیے، دوسرا لفظ بے عملی بھی بڑھائیے۔ امت کو ضرر جہاں انتشار سے پہنچتا ہے وہاں بے عملی اور مفلوجیت سے بھی پہنچتا ہے، جب یہ امت فالج کا شکار ہوجاتی ہے تو ہم بتوں کی

پوجا نہیں کر سکتے ہیں، یہ دیکھنا ہے کہ کیا اس امت کے مسائل اس کے متقاضی ہیں یا نہیں کہ اس امت کے مسائل کو حل کرنے کے لیے کوئی متحرک فعال امت اٹھ کھڑی ہو اور کچھ کام کرے، اگر اس کی ضرورت ہے تو ہمیں اس کا مجاور بننے کے بجائے ہمیں زندگی کی دھڑکنوں کے ساتھ زندگی کے سرگرم میدان میں کچھ کرنے کے لیے آگے آنا پڑے گا۔ جیسا کہ بار بار کہا جا چکا ہے، مجھے اب صاف کہنے دیجیے کہ ''مسلم مجلس مشاورت'' تاریخ کا ایک اہم ترین فیصلہ ایک اہم ترین وقت پر تھا، میں بہت جونیر ہونے کے باوجود اپنے فطری جذبے اور بنیادی نقطہ نظر کے ساتھ تھا کہ اس امت کو جوڑنا چاہیے، اور اس وقت بھی بہار اڑیسہ کا مسلمان سب سے زیادہ ان حالات میں مبتلا تھا جن حالات کے رد عمل میں ''مسلم مجلس مشاورت'' کا وجود ہوا، ہم سب اس سے براہ راست اور برسرزمین اس سے دو چار تھے، اس وقت جو بنیادی بات سامنے تھی مسلمانوں کے گرتے ہوئے مورل Moral کو اونچا کرنا اور ملک کے ان لوگوں کو جو اگر چہ مسلمان نہیں ہیں لیکن وسیع الفکر اور صحیح الخیال ہیں، ایسے لوگوں کو لے کر ملک کی فرقہ وارانہ فضا کو بہتر بنانے کی ایک کوشش تھی۔ آپ لوگ جانتے ہیں کہ اس وقت جو دورے ہوئے تاریخ ساز دورے تھے اور انہوں نے بڑی غیر معمولی کام انجام دیئے۔ مجھے یاد ہے جب پٹنہ کے پلیٹ فارم پر مسٹر محمد اسماعیل مرحوم جو اس وقت مسلم لیگ کے صدر بھی تھے، انور صاحب جنرل سکریٹری اور مفتی عتیق الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ابو اللیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان سارے بزرگوں کو جب ہم لوگوں نے اکٹھا دیکھا تھا، پہلی بار ہماری ہمتیں بہت بڑھی تھیں اور ہمارا جو ڈیمورلائزیشن Demoralisation تھا اس کو ختم کرنے میں بہت بڑا کام انجام دیا، وقت پر ایک وجود ہوا اور اس وجود نے ایک بڑا کام انجام دے دیا۔ میں یہ نہیں کہتا میں بھی اس کا ایک بڑا ذمہ دار اپنے کو مانتا ہوں کہ ہم میں آج وہ صورت حال برقرار نہیں ہے جس کا اعتراف سبھی لوگوں کو ہے یہ ہماری بدقسمتی ہے، لیکن یہ آج کے حالات ہیں، وہ بالکل دوسرے ہیں، آج صرف وقتی طور پر کسی فساد کے رد عمل میں ہم ایک بات کے خواہش مند نہیں ہیں کہ صاب کچھ ایسی تدبیریں کی جائیں جن کے ذریعہ ان کا مورل Moral بڑھے، صرف اتنا کرنا ہمارے لیے کافی نہیں ہے، ہمیں تو عرض یہ کرنا ہے کہ ہندوستان میں ملت اسلامیہ کے وجود اور استحکام کے لیے جو ان کا وزن ہونا چاہئے ان وزن کو پیدا کرنے کے لیے جو بنیادیں اور ٹھوس

بنیادیں کام کی ہیں ان ٹھوس بنیادوں پر امت کی مثبت تعمیر اس طرح کی جائے، چاہے اس کے لیے دس برس لگیں، بیس برس لگیں، ہمارا کام دوروز چارروز کا نہیں ہے اور نہ وقتی طور پر کسی اخبار میں اعلان چھاپ دینا ہے، جو بات میں کہہ رہا ہوں بہت لمبی، بہت اونچی بات کہہ رہا ہوں اور چھوٹا منہ بڑی بات ہو رہی ہے، لیکن میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو خواب بھی نہیں دیکھ سکتا وہ تعبیر کی تمنا کیسے کرے گا، جب ہم اس کا خواب دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہم بحیثیت مجموعی مسلمانوں کی زندگی کے مختلف حصہ میں ان کو ٹھوس مثبت پروگرام دے کر ان میں کام کی بنیاد ڈال کر اور ان کے اجتماعی وجود اور اجتماعی عزت ووقار کو ہم بڑھائیں گے، تو میں سمجھتا ہوں کہ نہیں معلوم کتنا لیکن اللہ تعالیٰ ان میں کچھ کوششوں کو کامیابی ضرور عطا کرے گا، انشاء اللہ۔ یہ بہت ٹھوس اور بہت مشکل مسئلہ ہے تو ہم نہ دو گھوڑوں پر سوار ہونے کی بات کر رہے ہیں اور نہ ہم کسی کی تجہیز و تکفین کی بات کر رہے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ اس کا موقع دے کہ مان لو، اس تحریک کے ردعمل میں ہی سہی مشاورت سرگرم عمل ہو جائے اور اپنے مقاصد کے تحت کام کرنا شروع کر دے تو وہ ہماری قوت ہوگی، ہم اس کے پیچھے چلنے والے لوگوں میں ہوں گے، کوئی فرق ونقصان نہیں پڑتا ہے، لیکن جن وسیع مقاصد کے تحت آج ہم کام کرنے جا رہے ہیں ان وسیع مقاصد کے مشاورت کے دستور اور اس کے اغراض ومقاصد حاوی نہیں ہیں، ہمارا یہ بنیادی فیصلہ ہے کہ جہاں پر کوئی کام ہو رہا ہے ہم اس کام کو ریپی ٹیشن Repitation نہیں کریں گے، تکرار نہیں کریں گے، ہم اگر ان کو کچھ قوت پہنچا سکتے ہیں تو پہنچائیں گے، ہمارا فیصلہ ہے کہ ان منتشر کاموں میں ہم ربط وہم آہنگی پیدا کریں، ہم ان مختلف قوتوں کو جوڑیں گے، ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے جو ڈھانچہ اپنے سامنے رکھا ہے وہ ڈھانچہ کسی بھی جماعت سے ٹکراتا نہیں ہے، ملک وملت کی تمام جماعتوں کو جوڑنے کا ذریعہ انشاء اللہ بنے گا، اس تھوڑی سی وضاحت کے بعد میں یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ کلمہ کی اساس پر امت کی تنظیم ہو سکتی ہے اور دوسری بنیادی بات ہمارے درمیان بہت سارے مسائل میں اختلاف رائے ہے، لیکن مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ کیا ہمارے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم اپنی اجتماعی حیات میں متفق علیہ نکات کی تلاش کریں جو Agreed Point ہیں امت کے درمیان ہم ان پر امت کو جوڑنا چاہتے ہیں، ہم مختلف فیہ نگاہ سے اپنے کو کنارے رکھیں، میں نہیں سمجھتا کہ اس کے علاوہ کوئی راستہ اس اتحاد کا

ہوسکتا ہے، ہماری تاریخ میں ایسے واقعات موجود ہیں، میں اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کہ اختلاف رائے کے باوجود متفق علیہ اعتقاد پر یہ امت جڑی ہے اور اس نے کام کیا ہے، مجھے اس موقع پر اس واقعہ کو دہرانے دیجئے جب سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان جنگ جاری تھی اور رومیوں نے یہ لکھا تھا، ہم تمہاری مدد کو آنا چاہتے ہیں تو سیدنا معاویہؓ نے لکھا: ''رومی کتو! تم خبردار ادھر منہ بھی نہ کرنا، اگر تم نے ادھر رخ بھی کیا تو معاویہ علی کی فوج کا پہلا سپاہی ہوگا جو تمہارے مقابلہ کے لیے جائے گا''۔ کیا لوگو! ہمارے لیے یہ عبرت کا مقام نہیں ہے؟ اے لوگو! آج رومی نہیں، روس بھی اب ختم ہو رہا ہے، لیکن جو امریکن پالیسی ہے کیا ہمیں ٹکڑوں میں بانٹنا نہیں چاہتی؟ کیا افغانستان میں آج ان مجاہدین کے درمیان نسلی جھگڑے زبان و لسانی جھگڑے کرنے کی منظم سازش نہیں کی جا رہی ہے۔ مختلف مواقع پر اس طرح کی جنگیں نہیں دہرائی جا رہی ہیں؟ کیا یہ نہیں ہے طے شدہ کہ مستقبل کی جنگ کا میدان اور مستقبل کی جنگ میں دو حریف اگر ایک طرف مغرب اور عیسائیت ہوئی تو دوسری طرف اسلام ہوگا؟ کیا آپ ان حالات کا جائزہ نہیں لے رہے ہیں؟ یہ کھلی بات ہے۔ آپ دنیا کے مختلف ملکوں میں جائیے، آپ صاف محسوس کریں گے کہ مغرب اپنی عیسائیت کے ساتھ آج یہ سمجھتا ہے کہ ہمارا مقابل، ہمارا حریف تنہا ایک ہے اور وہ ہے اسلام، جو ہزار دبانے کے باوجود اپنے اندر وہ قوت رکھتا ہے کہ دنیا کی رہنمائی وہ کرسکتا ہے، وہ کلیسا اور مسجدوں میں محدود نہیں ہے، وہ زندگی کے سرگرم بازاروں میں انسانوں کی رہنمائی کرسکتا ہے، اس اسلام کے ساتھ آج ٹکراؤ ہے، ایسے نازک موقع پر کیا ہم یہ نہیں کرسکتے کہ ہم ان متفق علیہ نکات پر جڑیں اور مختلف فیہ نکات کا تذکرہ بھی ہم آپس میں چھوڑیں۔ اس امت کو جوڑ کر ہم اس امت کے وجود کی حفاظت کریں، اگر درد سے بھری ہوئی آواز آپ کے دلوں پر اثر نہیں کرسکتی، آپ اسے جذباتی بات کہہ کر ختم کرنا چاہتے ہیں، تب بھی میں امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ آپ کو کسی نہ کسی لمحے سوچنا ہوگا، مولانا نے فرمایا، صحیح فرمایا: کہ کچھ ہمارے لوگ یہاں پر موجود نہیں ہیں، میں جانتا ہوں کہ ان کی کچھ ٹکنیکل دشواریاں ہیں، ہم نے Approach میں کچھ کمی نہیں کی ہے، دو سال ڈھائی سال کے طویل مدت میں ہم یہی کام کرتے رہے ہیں اور ہم نے گڑگڑانے اور ہاتھ جوڑنے میں بھی کمی نہیں کی ہے، ہم نے Approach سب کو کیا ہے، لیکن دو ڈھائی سال

کے طویل عرصہ کے بعد بھی جب ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ اب اس کا موقع نہیں ہے کہ مزید انتظار کیا جائے۔ کچھ نہ کچھ عمل کچھ نہ کچھ حرکت فوراً ہونی چاہئے، ورنہ اس ملک میں بھی اور بین الاقوامی دنیا میں بھی ہماری حیثیت کہاں ہوکر رہ جائے گی، آپ سوچئے کہ معمولی بات تھی، یہاں پر اسرائیل سے سفارتی تعلقات قائم کئے گئے، وہ ہندوستان جس نے خلافت کی تحریک چلائی، جو اسلامی اخوت اور عالمی اسلامی اخوت کے لیے ہمیشہ سرگرم عمل رہا ہے، لوگو! اس ہندوستان میں آج اسرائیل کو ذریعہ اور قوت مان کر تسلیم کرلیا گیا اور پھر بھی کوئی پتہ نہیں کھڑکا، کیا سمجھتے ہیں کہ اسرائیل کا مسئلہ صرف فلسطین اور بیت المقدس کا مسئلہ ہے؟ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''ہندوستان کی آزادی کی لڑائی جو ہم لڑ رہے ہیں یہ دراصل صرف ہندوستان کی آزادی کی لڑائی نہیں، بلکہ ہم پورے عالم اسلام کی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں''، اور بلاشبہ وہ بات صحیح بھی تھی کہ انہوں نے دلائل سے ثابت کیا تھا کہ ہندوستان پر جب تک گرفت انگریزوں کی رہتی ہے، عالم اسلام کو آزاد نہیں کرایا جاسکتا ہے، ہمارے یہ سارے مسائل Inter Related ہیں، ہمارے احساس اور بیداری کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم تاخیر نہیں کریں۔ لیکن دو باتیں میں اور کہوں گا، کچھ لوگ وہ ہوسکتے ہیں جو بُرا بھلا بھی کہیں، ہمارا فرض یہ ہے کہ کوئی ہمیں ہزار بُرا بھلا کہے ہم طے کرلیں کہ ہم ان کو بُرا بھلا نہیں کہیں گے۔ یہ فیصلہ ہمارا ہونا چاہئے، کچھ لوگ خاموش ہوں گے، کچھ میں غلط فہمیاں ہوں گی، کچھ کی ٹیکنیکل دشواریاں ہیں، جن کو میں جانتا ہوں، بعض خطوط سے آپ نے سمجھا بھی ہوگا، میں سمجھتا ہوں کہ آہستہ آہستہ حالات اس کے مساعد ہوں گے اور جو بھی جماعت ہم تشکیل کریں گے، انشاء اللہ کل اس کی گنجائش رکھیں گے کہ وہ لوگ جن کو ابھی تک ہماری صفوں میں ہونا چاہئے اور وہ نہیں ہیں۔ ہم ان کو جیسے بھی ہو سمیٹ لائیں گے، ان کو سمیٹ کے لانے کے لیے اس عزم وحوصلہ کے ساتھ ہم اس کام کو اور فکر کے ساتھ شروع کر رہے ہیں۔

مومن صرف اللہ سے ڈرتا ہے

کیونکہ وہ تمام قوتوں اور طاقتوں کا سرچشمہ ہے

ٹونک اور جے پور کے اہم دینی اجتماعات سے فقیہ امت قاضی شریعت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کا اہم خطاب

رسول اکرم صلی اللہ کی تشریف آوری سے پہلے ساری انسانیت اخلاقی معاشرتی، سماجی جان لیوا بیماریوں میں مبتلا ہو چکی تھی، زنا بدکاری، اور بے حیائی کا دور دورہ تھا، عورتوں کی چادر عصمت وعفت کو تار تار کرنا ان کے لئے معمولی چیز تھی، جو، اشراب، سٹہ، لوٹ کھسوٹ، ڈاکہ زنی جیسے غیر اخلاقی جرائم ان کے لیے فخر ومباحات کی چیزیں تھیں۔ انسانیت کی مقدس پیشانی ہزاروں دیوتاؤں کے آگے جھکنے لگی تھی .... ایسے حالات میں جبکہ پوری دنیا کا نقشہ بگڑ چکا تھا، آسمانی تعلیمات کی اصلی صورت تحریف کے دبیز پردوں میں چھپا دی گئی تھی۔ دنیا بے چین و مضطرب تھی اور ایسے مصلح اعظم کا انتظار کر رہی تھی، جو ساری روایات واقدار کو بدل ڈالے اور دنیا کو آسمانی ہدایت سے بہرہ ور فرمائے۔ اس بے چینی اور اضطراب کے عالم میں اسی ماہ مبارک میں سیدہ آمنہ کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوتا ہے جن کا نام محمد/ احمد رکھا جاتا ہے۔

آپؐ نے منصب نبوت ورسالت پر فائز ہونے کے بعد انسانیت کو یہ پیغام دیا۔

"میں ساری دنیا کی امانت ہوں میں اس ابدی سچائی کو جسے دنیا کے ہر حصہ میں اللہ کی طرف سے آنے والے بندوں نے پیش کیا تھا میں اسے ساری دنیا کو دینے آیا ہوں۔"

ہر وہ انسان جو اللہ کی وحدت پر یقین رکھے گا، اسے انسان کی وحدت پر بھی یقین رکھنا پڑے گا، ہمارے رسولؐ نے یہ شہادت دی تھی کہ سارے انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں، نہ زبان کے لحاظ سے نہ جغرافیائی اعتبار سے انسانوں کے درمیان فرق کیا جا سکتا ہے۔ دنیا نے جن انسانوں کو اپنے پاؤں تلے روندا تھا۔ رسول عربیؐ نے انہیں عزت کی بلندی پر پہنچایا۔

"نوجوان ہمارے مستقبل ہیں، ہماری عظمت وتقدس کے علمبردار ہیں اور ہماری روایات

کے محافظ ہیں۔''

دوستو!

''مومن صرف اللہ سے ڈرتا ہے، کیونکہ وہی تمام قوتوں اور طاقتوں کا سرچشمہ ہے، مومن کبھی بھی خوف نہیں کھاتا ہمارے رسولؐ نے فرمایا:'' کہ ایک دل میں ایمان اور بزدلی ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے۔ مومن موت سے ڈرتا نہیں ہے، بلکہ والہانہ انداز میں اس کا استقبال کرتا ہے۔ ڈاکٹر علامہ اقبالؒ نے کہا تھا :

نشان مرد مومن باتو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

حالات کی نزاکتوں اور گھبراہٹ کی کسی بھی منزل میں مومن اللہ کے اعتماد کے ساتھ جینا چاہتا ہے، بزدلی، گھبراہٹ اور خوف وہراس مومن کے شایان شان نہیں۔

جب اسلام کی بقاء اور اس کے وجود کی جنگ لڑی جائے گی تو اس وقت تمہیں ہر طرح کی جانی ومالی قربانی دینی ہوگی تب تم اس دھرتی پر اسلام کی حفاظت کرسکو گے۔

میرے دوستو!

''رسول اکرمؐ ہمیں صرف ایک امت اور ایک جماعت چھوڑ کر اس دنیا سے تشریف لے گئے اور کل میدان حشر میں بھی ہمیں اسی طرح دیکھنا چاہیں گے، وہاں صرف ایک جھنڈا ہوگا، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا، حنفی، شافعی، دیوبندی، اہل حدیث اور بریلوی کا کوئی نشان اور جھنڈا نہیں ہوگا۔

نجات کا تنہا راستہ اللہ کی کتاب اور رسول کی سیرت ہے، ملت کو لسانی، مذہبی، وطنی اور قومی بنیادوں پر تقسیم مت کرنا، اور اپنے اوپر اللہ کی شریعت کو جاری اور نافذ کرنا۔''

۞۞۞

اجتماعی زندگی کی تشکیل کے لیے کسی امیر پر اتفاق ضروری ہے

آسام میگھالیہ اور تریپورہ میں قیام امارت شرعیہ پر حضرت فقیہ امتؒ کا تہنیتی بیان

فقہ اسلامی کی رو سے مسلمانوں پر نصب امیر کا فریضہ عائد ہوتا ہے، اور کسی بھی حال میں مسلمانوں کے لیے کسی نظام شرعی سے وابستگی کے بغیر زندگی گذارنا درست نہیں، انتشار اور لا مرکزیت کو اسلام کسی قیمت پر برداشت کرنے کو تیار نہیں، وہ مسلمانوں کو ایک امت اور ایک جماعت دیکھنا چاہتا ہے، اس اجتماعی زندگی کی تشکیل کے لیے کسی امیر پر اتفاق ضروری ہے۔ مغل عہد اقتدار کے خاتمہ کے بعد سے ہی علماء اور ارباب حل وعقد تعلیمات اسلامی کے مطابق ایک امیر کے تقرر اور اسلامی نظام اجتماعی کے احیاء کی جدوجہد میں لگے رہے، ملک کے سیاسی حالات نے ان کوششوں کو پوری طرح کامیاب نہیں ہونے دیا، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ نازل فرمائے حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ پر، کہ جنہوں نے صوبہ بہار، اڑیسہ میں امارت شرعیہ قائم کر کے اسلام کے اس اجتماعی نظام کا واضح نقشہ مسلمانوں کے ہاتھ میں دے دیا اور امارت شرعیہ بہار واڑیسہ اپنے تفصیلی نظام عمل کے ساتھ ہندوستان کے علماء اور اصحاب عزیمت کو ہر وقت بزبان حال یہ دعوت دے رہی ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور اسلام کی اساس پر مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور اس بکھرے ہوئے ریوڑ کو یک جا کرنے کی ذمہ داری پوری کریں۔

مبارک باد کے لائق ہیں آسام، میگھالیہ اور تریپورہ کے مسلمان، علماء ارباب حل وعقد اصحاب فہم ودانش جنہوں نے وقت کی آواز پر لبیک کہا ہے، اور حضور اقدس جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مردہ سنت کو زندہ کرنے کا فیصلہ کیا اور ہزاروں مسلمانوں اور ہر سہ صوبہ کے ارباب حل وعقد نے باتفاق رائے حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب شیخ الحدیث بدر پور کو اپنا امیر

شرعی مقرر کرلیا اور سمع وطاعت کی بیعت کی، جیسا کہ لوگوں کو معلوم ہوگا، اس سے پہلے ہندوستان کے انتہائی جنوب کی ریاست کرناٹک نے اپنے لئے امیر منتخب کیا تھا، اور آج ہندوستان کے انتہائی شمال کی ریاستوں، آسام، میگھالیہ اور تری پورہ نے بھی اپنا فرض ادا کر دیا۔

خدا سے کیا بعید ہے کہ وہ جنوب وشمال کے ان دونوں نقطوں کے بیچ دوسری ریاستوں کے اصحاب عزیمت کو بھی اس اہم فریضہ کی طرف متوجہ فرمادے اور یہ سونے کی زنجیر مکمل ہو جائے اور پورے ملک کی امت مسلمہ ہار کی لڑیوں کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ منظم ہو کر اسلام کی سربلندی کرتے ہوئے جدوجہد کرتی ہوئی نظر آئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب امیر شریعت آسام پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوئی ہے، لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ وہ باشعور، زمانہ کے نبض شناس اور باہمت عالم دین ہیں، وہ خدا کی نصرت سے مسلمانوں کی قیادت کا فریضہ اچھی طرح انجام دے سکیں گے، انشاءاللہ تعالیٰ۔

اسی طرح میں امید کرتا ہوں کہ آسام، میگھالیہ اور تری پورہ کے مسلمان جنہوں نے اپنے کاندھے پر سمع وطاعت کا جوجوا رکھا ہے وہ بھی پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنے فریضہ کو انجام دیں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ امارت شرعیہ کے قیام کو مسلمانوں کے لئے باعث خیر وبرکت بنائے۔ آمین

مسلمان بکھری ہوئی اینٹوں کی طرح نہیں

بلکہ چٹان بن کر رہیں

آج ملک کے جو حالات ہیں ان میں اگر مسلمان بکھری ہوئی اینٹوں کی طرح رہے تو ٹوٹ پھوٹ جائیں گے، اور چٹان بن کر رہیں گے تو محفوظ رہیں گے۔

عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ امارت شرعیہ یہ ایک ادارہ ہے، جو رمضان اور عیدین کے چاند کا اعلان کرتا ہے اور کسی شرعی مسئلے میں فتویٰ اور نکاح وطلاق کے مقدمات کے فیصلے کرتا ہے، لیکن میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ امارت شرعیہ کا مقصد مسلمانوں میں کلمہ طیبہ "لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی بنیاد پر اسلامی اجتماعیت کا قیام ہے، شریعت کا حکم یہ ہے کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں، جس حال میں ہوں، انہیں حکومت اور اقتدار حاصل ہو یا نہ ہو وہ اپنا ایک امیر منتخب کر کے اس کی رہنمائی میں زندگی گزاریں، وہ غیر اسلامی ملک میں بھی ہوں تو جتنا ان کے بس میں ہو اللہ کی شریعت کو نافذ کریں، وہ بے سر کی فوج بن کر نہ رہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "علیکم بالجماعۃ" مسلمانو! تمہیں جماعت بن کر رہنا ہے۔ اس ارشا میں جو اجتماعیت مطلوب ہے وہ کلمہ "لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی بنیاد پر قائم ہو، ذات برادری، مسلک ومشرب کی بنیاد پر نہ ہو، اس کو اس سے بحث نہیں کہ کون امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتا ہے، کون آمین بلند آواز سے کہتا ہے، اور کون آہستہ کہتا ہے، کون رفع یدین کرتا ہے اور کون نہیں کرتا ہے، کون کس عالم، کس بزرگ، کس خانقاہ اور کس مکتب فکر سے وابستہ ہے، اس کی دعوت عام ہے کہ ہر کلمہ گو آئے۔ قرآن پاک میں مسلمانوں کو خیر امت اور امت وسط کہا گیا ہے، تا کہ مسلمان دنیا کے سامنے حق کی شہادت کا فریضہ انجام دیں اور دنیا کے لیے ایک آئیڈیل اور نمونہ ہوں۔ یہ امت نا قابل تقسیم جزو ہے۔ اس کے درمیان فکر ومسلک، ذات برادری رنگ وروپ اور زبان وبولی غرض کسی بھی بنیاد پر تفریق نہیں کی جاسکتی۔ ہمارے درمیان وحدت ہی ایک بنیاد ہے، کلمہ طیبہ۔ جماعت کا جو نقشہ ہم نماز میں

پاتے ہیں اسی سانچے میں پوری امت کو ڈھالنے کی یہ دعوت ہے، مسجد ہی میں نہیں مسجد سے باہر بھی ہمارا ایک امام ہو، جس کی ہدایت کے مطابق ہم زندگی کے سارے معاملات قرآن وسنت کے مطابق طے کریں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے نماز کا حکم دیا ہے اسی طرح جماعت اور سمع وطاعت کا حکم دیا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں، جس کا اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے، جماعت کا، سمع وطاعت کا، اللہ کے راستے میں ہجرت اور جہاد کا، جب جماعت بنے گی تو اس کا ایک امیر ہوگا، اس کا کہنا مانو، ناپسندیدہ چیزوں کو اللہ کے حکم سے چھوڑنے کا نام ہجرت اور اللہ تعالیٰ کے دین کو نافذ کرنے کا نام جہاد ہے۔ یہ کبھی تلوار سے ہوتا ہے اور کبھی زبان وقلم سے، کبھی سماج کے غلط رسوم ورواج کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے۔ مومن کی ذمہ داری ہے کہ اللہ کے دین کو قائم کرے، امیر کی اطاعت کرنا، اس کے تمام فیصلوں کو جو شریعت کے مطابق ہوں قبول کرنا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ''اے محمدؐ تیرے رب کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک وہ آپؐ کو اپنے اختلافی معاملات میں حکم نہ بنائیں، پھر آپؐ کے فیصلے پر دل میں تنگی محسوس نہ کریں اور بطیّب خاطر اور بسر وچشم اسے قبول نہ کرلیں۔

ہم تمام لوگوں کی خوش قسمتی سے بہار واڑیسہ میں شرعی امارت قائم ہے، امارت کی دعوت یہ ہے کہ ہر گاؤں کو امارت کی تنظیم میں بندھنا چاہیے، ہر گاؤں میں ایک سردار منتخب ہو، جس کا قرآنی نام نقیب ہے، نقیب کی ذمہ داری ہوگی کہ ایک بچی یتیم اور بے سہارا ہے تو سب کے تعاون سے اس کی پرورش اور شادی کا انتظام کرائیں، کوئی مریض غریب ہے اس کے علاج کا انتظام کریں، کوئی بیرونی خطرہ ہے تو اس کا سامنا کرنے کے لیے اجتماعی طور پر غور وفکر کر کے خطرہ کا مقابلہ کرنے کی تدبیر کریں، مسجدوں میں جو ویرانی ہے وہ کیسے آباد ہو اس کی فکر کریں۔

❁❁❁

تربیت قضاء وافتاء اور امارت شرعیہ

الحمد لله رب العالمین والصلوٰة والسلام علی سید المرسلین وعلی آله واصحابه اجمعین

امارت شرعیہ بہار واڑیسہ اپنے قیام کے اول یوم سے اپنے بانی حضرت مولانا ابوالمحاسن سجادؒ کی فکری بصیرت کے نتیجہ میں مختلف شعبہ ہائے حیات میں کام کی صلاحیت رکھنے والے افراد اور صحیح جذبہ کے ساتھ امت کے اجتماعی وجود کو صحیح خطوط پر قائم رکھنے کی جدوجہد کرنے والے رجال کار کی تربیت وتیاری کا کام کرتی رہی ہے، مختلف وہ کام اور ایسے میدان کار جو اسلام کے نظام اجتماعی کے مفقود ہوجانے کی وجہ سے ایک مٹی ہوئی سنت اور نامانوس شعبے بن گئے تھے، امت میں ان کو متعارف کرانے اور ان کے لئے باصلاحیت افراد کے تیار کرنے کا کام امارت شرعیہ نے کیا۔ امارت شرعیہ کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان میں حکومت اسلامی کے زوال کے بعد نظام قضاء وقاضی کا جب دھندلا تصور بھی ختم ہو چکا تھا، امارت نے اس کو دوبارہ جاری کیا، عشر جو اسلام کی اہم ترین مالی عبادت تھی وہ سماج سے اس طرح مٹ چکی تھی کہ اس کا نام بھی کہیں نہیں سنا جاتا تھا، نیز زکوٰۃ کی اجتماعی ادائیگی اور خرچ کا تصور بھی ختم ہو چکا تھا، امارت نے اس کو دوبارہ جاری کیا، عہد نبویؐ کے قائم کردہ نظام نقابت کو نئے سرے سے قائم کیا اور اس کے ذریعہ امت کو امیر کے ساتھ جوڑنے اور ملت کی شیرازہ بندی کا نظام وجود میں آیا۔

پھر آج امیر شریعت رابع حضرت مولانا منت اللہ رحمانی علیہ الرحمہ کا دور آیا تو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کے ذریعہ مولانا سجادؒ کی چھوڑی ہوئی اس وراثت، یعنی افراد سازی وامت کی شیرازہ بندی کا کام کامل واتم طریقہ پر لیا، وہ نوجوان نسل کو ہاتھ میں لیتے، ان کی ذہنی نشو ونما اور اخلاقی تربیت کرتے، اور انہیں ملی وفکری ارتقاء کی منزلوں سے گذار کر رجال کار بناتے، امارت شرعیہ کے نظام قضاء کو توسیع اور اس کے لیے باصلاحیت قضاۃ کی تربیت کا کام حضرت امیر شریعت رابعؒ نے

اپنے پہلے فرمان کے ذریعہ کیا، چنانچہ ان کے امیر منتخب ہونے کے بعد ان کی ہدایت و نگرانی میں تربیت قضاء کے دو ہفتوں کا کیمپ لگا، اس کے بعد مسلسل کیمپ لگتے رہے اور تربیت کا کام ہوتا رہا۔ قضاء کی طرح فتویٰ نویسی کا کام بھی انہوں نے اپنی نگرانی میں علماء سے محنت کے ساتھ کرایا۔ وہ نوجوان علماء مدرسین اور اساتذہ فقہ وحدیث سے جدید پیش آمدہ مسائل حل کراتے اور ان کو اس کے لیے تیار کرتے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی تعمیری جدوجہد کی بقاء اور اس کے استحکام کے لیے تسلسل ضروری ہے۔ ماضی حال اور مستقبل کا مضبوط رشتہ استوار ہونا اہم ہے، اس لئے اگر مستقبل میں آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کے کام کی صحیح وارث نہ ہوں تو وہ کام رک جاتا ہے۔ آیت قرآنی: "و آخرین منهم لما یلحقوا بهم" میں کچھ ایسے لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جو ابھی تمہارے کارواں میں شریک نہیں، لیکن آئندہ وہ کارواں کے ساتھ جڑیں گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے علوم واعمال کی وراثت میں حصہ دار ہوں گے، اور بلاشبہ یہ بڑا فضل ہے۔ "ذالک فضل الله یو تیه من یشاء"

خود جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو مختلف میدان عمل میں کام کرنے کی تربیت دی، سیدنا عمر فاروقؓ نے جس طرح حضرت عبداللہ ابن عباسؓ جیسے نوجوان کی صلاحیت پر خاص نظر رکھی، ان کی تربیت کی اور ہمت افزائی فرمائی، وہ اس کی بہترین نظیر ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی سیرت کا اہم واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے نئی نسل کے علماء کو بحث ومناظرہ اور مباحثہ علمیہ کے مناقشہ اور استنباط احکام کی مشق وتمرین کے ذریعہ اس طرح تیار کیا کہ ان میں سے ہر ایک آسمان علم وفقہ کا آفتاب وماہتاب بن کر چمکا۔

غرض یہ کہ سلف کی وراثت خلف کی طرف منتقل کرنا وقت کی بہت بڑی ضرورت ہے، آج جو قحط الرجال نظر آتا ہے، اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ بزرگ گذرتے گئے اور نئی نسل میں ان کی وراثت منتقل نہیں ہوئی، نتیجہ یہ ہے کہ ہر میدان میں ایسا خلا پیدا ہوا کہ اس کا پر ہونا مشکل ہے، اور شاید علم اور فضل وکمال کی اپنی وراثت منتقل کیے بغیر گذر جانے سے علم وفضلاء کا انحطاط ہوتا ہے۔ اس کی طرف خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ولکن یقبض العلم بقبض العلماء."

میں ارشاد فرمایا ہے۔

بہر حال اس دور کا ایک اہم ترین کام یہ ہے کہ جدید نسل کے ہونہار نوجوانوں کو تربیت دے کر حال اور ماضی کے اصحاب فضل وکمال کا وارث بنایا جائے۔ یہ وہ فکر ہے جو اول یوم سے ہم لوگوں کے سامنے رہی ہے، اولاً غیر رسمی طور پر ملک کے مختلف مقامات پر تربیتی کیمپ کا انعقاد اور دوسرے دار القضاء اور دار الافتاء میں نوجوان باصلاحیت فضلاء کو رکھ کر انہیں علمی، نظری وفکری اور عملی تربیت دینے کا نظام عرصہ سے جاری ہے۔

اللہ کا شکر ہے کہ یہی تصور ''المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء (پھلواری شریف پٹنہ)'' کی تاسیس کا باعث بنا۔ اس کا مقصد فقہ کے بحر ناپیدا کنار کی شناوری، اصول استنباط، قواعد وضوابط فقہیہ، مقاصد شریعت، مناہج استنباط اور اصول ترجیح اور جدید حالات میں احکام شرعیہ کی تطبیق نیز جدید نظامہائے قانون اور اسلامی قانون کا تقابلی مطالعہ ہے، تاکہ ہمارے فضلاء اس عہد کے چیلنجز کا سامنا کرنے کے اہل ہوں اور عہد حاضر کے سوالات حل کرنے کے لائق ہوسکیں۔

''المعہد'' میں داخل ہونے والے فضلاء کی دو سالہ تعلیم کے دوران نہ صرف یہ کہ انہیں جدید مسائل کی تخریج اور پیش آمدہ مسائل کے حل وفتویٰ نویسی کی تربیت دی جاتی ہے، بلکہ مختلف علمی، فقہی موضوعات پر تحقیق بھی کرائی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی اسلام کے عدالتی نظام کے عملی طریقوں سے واقفیت کرانے کے ساتھ ساتھ قضاء کے مختلف مسائل کی نظری تعلیم اور عملی تربیت بھی دی جاتی ہے۔ امارت شرعیہ کا نظام قضاء انتہائی مربوط ومنظم اور وسیع بنیادوں پر قائم ہے، جہاں روزانہ نئے مقدمات کی سماعت اور فیصلے ہوتے ہیں اور اس کے پاس شرعی فیصلوں کے ۸۰ رسالہ عظیم الشان فقہی ذخیرہ بھی محفوظ ہے، جس سے یہ فضلاء فائدہ اٹھاتے ہیں، اس طرح یہ کہنا حق بجانب ہے کہ فقہ اسلامی میں تلخیص اور قضاء وافتاء پر عبور حاصل کرنے کے لیے امارت شرعیہ صحیح ترین جگہ ہے اور امید کی جاتی ہے کہ یہاں سے تربیت پاکر نکلنے والے علماء سے پورے ملک میں قانون شریعت کے تحفظ اور عائلی نزاعات کے حل کے لیے قائم ہونے والے ''دار القضاء'' کی ایک اہم ضرورت پوری ہوگی اور امور قضاء کو انجام دینے کے لائق ہوں گے، ساتھ ہی ملک کے مختلف دار الافتاء میں فتویٰ کی ذمہ داریاں بھی نبھائیں گے اور مدارس میں بہترین اساتذہ کی شکل میں

خدمت بھی انجام دیں گے، اور قانون اسلامی کو ایک زندہ قانون کی حیثیت میں آج کے حالات میں پیش کرنے کے لائق ہوں گے، ان کی نظر مدارج احکام پر ہوگی اور جدید سائنس وٹکنالوجی کی موجودہ ترقی اور معاشرتی تبدیلیوں پر گہری نظر رکھتے ہوئے شریعت کی تطبیق کے اہل ہوسکیں گے۔

اللہ علیم وخبیر سے دعاء کرتا ہوں کہ وہ اس ''معہد'' کو اس کے صالح تعمیری مفید اور اس کے دوررس اثرات رکھنے والے مقاصد کے حصول میں کامیابی عطا فرمائے اور زیر تربیت فضلاء تعلیم دینے والے اساتذہ وملک کے وہ ممتاز علماء جن کے علم وفکر سے معہد مستفیض ہوا یا وہ اہل خیر جن کے تعاون سے معہد ترقی کی منزلیں طے کرے گا اللہ ان سب کو اخلاص عطا فرمائے اور ان کے حسن عمل پر اجر جزیل دے اور کارواں کے ایک کمزور رفیق کی حیثیت سے اس حقیر کو بھی اس کی برکتوں سے مستفید فرمائے۔ آمین۔

اغراض ومقاصد:

''المعہد العالی'' کے قیام کا مقصد فقہ اسلامی کے قواعد وضوابط، احکام شرعیہ کی تطبیق اور قوانین اسلامی وجدید نظام ہائے قانون کا تقابلی مطالعہ۔

اس کے ذریعہ شریعت اسلامی کی حفاظت وترویج کے لیے ایسے رجال کار کی تیاری مقصود ہے جو علم وعمل اور فکر ونظر میں اسلاف کے صحیح جانشیں اور وارث ہوں۔

مدارس اسلامیہ کے فضلاء کو افتاء وقضاء کی ایسی نظری وعملی تدریب کہ ان میں جدید مسائل کے حل کی صلاحیت پیدا ہو، اور وہ جدید سائنس وتکنالوجی کی موجودہ ترقی اور معاشرتی تبدیلیوں پر نظر رکھتے ہوئے شریعت اسلامی کی تطبیق کے اہل ہوسکیں۔

مختلف فقہی وعلمی موضوعات پر تحقیقات کرانا۔

نظام کار:

''المعہد العالی'' امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے ذریعہ قائم وجاری ہے۔

اس کے دو مجالس ہیں

(۱) مجلس عاملہ

(۲) مجلس تعلیمی

مجلس عاملہ:

مجلس عاملہ کی ذمہ داری فیصلوں کا نفاذ اور معہد کی ترقی واستحکام کے منصوبے بنانا اوران کو عملی جامہ پہنانا ہے۔

مجلس تعلیمی:

یہ مجلس معہد کی تعلیمی وترقی کے لئے مناسب تجاویز طے کرتی ہے، محاضرات کا اہتمام اور امتحانات کا نظم کرتی ہے۔

المعہد العالی میں داخلہ:

المعہد العالی میں ایسے فضلاء کا داخلہ لیا جاتا ہے جو کسی معروف دینی درسگاہ کے فاضل اور اچھے نمبرات سے کامیاب ہوں۔ انہیں فقہ وحدیث سے خاص مناسبت ہو۔ داخلہ کے لئے باضابطہ درخواست رمضان اور شوال کی ۱۵ ر تاریخ تک لی جاتی ہے، جس کے ساتھ اسناد کی فوٹو کاپی بھی طلب کی جاتی ہے، پھر خصوصی امتحان لیا جاتا ہے، اس میں کامیابی کے بعد المعہد میں داخلہ لیا جاتا ہے، المعہد کا نصاب دوسالہ ہے اس لئے داخل ہونے والوں کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ دوسال رہ کر اس کی تکمیل کریں۔

المعہد العالی میں ہر سال صرف ۲۵ ر فضلاء کا داخلہ لیا جاتا ہے، داخل ہونے والوں کے لئے رہائش وطعام کے علاوہ ماہانہ وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔

امتحان:

معہد میں پڑھنے والے طلباء کا ہر سال دو امتحان ہوتا ہے۔ "ششماہی اور سالانہ" ششماہی امتحان ربیع الثانی کے اوائل میں اور سالانہ امتحان شعبان کے دوسرے عشرہ میں۔ سال اول کے سالانہ امتحان میں کامیاب ہونے والوں کو دوسرے سال میں ترقی دی جاتی ہے اور دوسرے سال میں بھی مذکورہ تاریخوں میں ششماہی اور سالانہ امتحان ہوتا ہے، پھر سالانہ امتحان میں کامیاب

ہونے والوں کو سند دی جاتی ہے۔

المعہد العالی کی سند:

سالانہ امتحان میں کامیاب ہونے والے فضلاء کو "تخصص فی القضاء والافتاء" کی سند دی جاتی ہے۔

نصاب تعلیم:

المعهد العالي للتدريب في القضاء والافتاء

فقہ اسلامی کی بنیاد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، یہ وہ مآخذ ہیں جو محفوظ اور مستند ہاتھوں سے ہم تک پہنچے ہیں، فقہائے امت نے انہیں مآخذ میں غور وتعمق اور ان سے مسائل واحکام کا استنباط کر کے زندگی کا ایک مکمل نظام مرتب کیا ہے، جو انسانی زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ایک جامع ترین قانون ہے، عبادت وبندگی، معاشرتی وسماجی زندگی، اقتصادیات، سیاست ونظام حکومت جرم وسزا اور بین الاقوامی تعلقات، غرض فرد، سماج، قوم اور مختلف اقسام کے باہمی ارتباط سے متعلق تمام مسائل کا احاطہ اس میں موجود ہے، اور عقل ومصلحت سے مطابقت، فطرت انسانی سے ہم آہنگی، انسان کی حقیقی ضرورت وحاجت کی رعایت، سماج کی نت نئی تبدیلیوں میں رہبری کی صلاحیت اس کا سب سے بڑا امتیاز ہے۔

اس لئے فقہ اسلامی کو علوم اسلامی میں ایک خاص شان اور اہمیت حاصل ہے، اور مکمل طور پر انسانی زندگی سے مربوط ومتعلق ہے، اس فن میں غواصی اور دستگاہ کے بغیر ہر عہد کے لیے مسائل کا ایسا حل تلاش کرنا جو کتاب وسنت کے منشاء کو پورا کرتا ہو اور متوازن اور انسانی ضروریات سے ہم آہنگی بھی ہو اور زندگی کے مسائل کے بارے میں صحیح رہنمائی ممکن نہیں، فقہ اسلامی کے ذریعہ مسلمانوں کی رہنمائی کے دو شعبے ہیں، افتاء وقضاء۔

فتویٰ: قانون اسلامی کی تشریح وتوضیح سے عبارت ہے، اور قضاء پیش آمدہ واقعات کی تحقیق اور اس کے بعد اس پر احکام شریعت کی تطبیق کا نام ہے، اسی لیے یہ دونوں کام بہت ضروری بھی ہیں اور نازک بھی اور ہر دور میں ان دونوں موضوعات کو فقہاء اور اصحاب علم ونظر کی توجہ خاص

حاصل رہی ہے۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ قضاء وافتاء کی تربیت کا کام بہتر اور منظم طور پر انجام پائے اور یہ تربیت صرف مقدمات کی عملی کاروائی، چند فتاویٰ کے جوابات اور ایک دو کتابوں کی تدریس تک محدود نہ رہے، بلکہ پوری گہرائی کے ساتھ فقہ اسلامی اور اس سے متعلق ضروری فنون کا مطالعہ کرایا جائے، بحث وتحقیق کا ذوق پیدا کیا جائے، اہم مراجع کی طرف مطالعہ کی رہنمائی ہو، فقہی نقطۂ نظر سے احکام شریعت کے اساسی مصادر کتاب وسنت کا مطالعہ کرایا جائے، تاکہ انہیں علمی وتحقیقی موضوعات پر قلم اٹھانے کا سلیقہ آئے، آداب قضاء اور اصول افتاء پر اہم اور مستند کتابیں بھی ان کو پڑھائی جائیں، اور ان کاموں کی عملی تربیت بھی ہو اس مقصد کے لئے ''المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء'' کا یہ نصاب مقرر کیا گیا ہے۔

(۱) اصول فقہ کی حیثیت فقہ کے لیے کلید کی ہے، جب تک اس پر نگاہ نہ ہو مسائل واحکام کے استنباط میں صحیح سمت اختیار نہیں کی جاسکتی، اس کو خصوصی اہمیت دیتے ہوئے فقہ حنفی کی ایک قدیم اصولی کتاب اور مختلف مکاتب فقہ کے اصول پر ماضی قریب کے معروف اور عمیق نظر مفکر وعالم، شیخ ابوزہرہ کی کتاب ''اصول فقہ'' داخل نصاب کی گئی ہے۔

(۲) قواعد فقہ جس کو ہندوستان کے دینی مدارس کے مروجہ نصاب میں وہ اہمیت نہیں دی گئی ہے جو اس کا حق ہے، نہایت اہمیت کے حامل ہیں اور براہ راست کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں، یہ شریعت کی کلیات اور دین کے مزاج ومذاق کی مظہر ہیں، فقہی جزئیات کا بہت بڑا حصہ اجتہاد واستنباط پر مبنی ہے، جن میں تغیر احوال کی وجہ سے تبدیلی ہوسکتی ہے، لیکن یہ قواعد مستقل اور دائمی اصول ہیں، قواعد فقہ کی اس اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس فن کو نصاب میں خصوصی اہمیت دی گئی ہے، اور متعدد کتابیں اس موضوع پر درس ومطالعہ کے لیے رکھی گئی ہیں، جن میں متقدمین کی کتابیں بھی ہیں اور متاخرین کی بھی اور ماضی قریب کے اہل علم کی بھی۔

(۳) کسی بھی قانون کے صحیح ادراک کے لیے ضروری ہے کہ اس کے مقاصد واہداف نگاہ میں ہوں، اس سے بے خبری اور ناآگہی کبھی اباحیت کا راستہ کھول دیتی ہے اور کبھی بے جا تشدد اور عسر کی طرف لے جاتی ہے، مقاصد واسرار شریعت سے واقفیت کے بعد جو شخص اخلاص کے ساتھ احکام

شرعیہ میں غور کرے گا وہ انشاء اللہ افراط وتفریط سے محفوظ رہے گا اس لیے اس فن کو بھی نصاب میں مستقل شامل موضوع کی حیثیت سے جگہ دی گئی ہے۔

(۴) مختلف مذاہب فقہیہ کا مطالعہ بھی اس نصاب کا اہم حصہ ہے، تاکہ طلبہ تمام فقہی ابواب میں اجتماعی اور اختلافی مسائل سے واقف ہو سکیں اور جان سکیں کہ کون سے مسائل محل غور وفکر بن سکتے ہیں اور کون سے مسائل وہ ہیں جن میں اجتہاد کی گنجائش نہیں، پھر یہ بھی کوشش کی گئی ہے کہ مذاہب اربعہ کو ان کے فقہی مراجع سے پڑھایا جائے، تاکہ مختلف مذاہب کی صحیح آراء اور ان کی تفصیلات پر نگاہ ہو جائے، اس میں یہ بات بھی ملحوظ ہے کہ مختلف مذاہب فقہیہ کا مطالعہ نہ صرف نگاہ میں بلکہ قلب ونظر میں بھی وسعت پیدا کرتا ہے۔

(۵) نصاب میں یہ بھی ملحوظ ہے کہ چونکہ کتاب وسنت ہی احکام شریعت کے مصادر اساسی ہیں، اس لیے آیات اور احادیث احکام پر اہم کتابیں بھی طلبہ کی نظر سے گذر جائیں۔

(۶) ''احوال شخصیہ'' فقہ اسلامی کا نہایت اہم شعبہ ہے، اگر مسلم مملکت ہو یا مسلمان اقلیت میں ہوں، بہر صورت وہ سماجی زندگی میں احکام شریعت کے مکلف ہیں، اسلام کا قانون معاشرت فطرت انسانی سے حد درجہ ہم آہنگ ہے، آج دنیا کا کوئی قانون نہیں جس نے اس سے خوشہ چینی نہیں کی ہو، لیکن بد قسمتی سے آج مغرب کے اہل علم نے قانون اسلامی کے اسی شعبہ کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ اسی پس منظر میں ''احوال شخصیہ'' کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔

(۷) ان کتابوں اور تحریروں پر نگاہ ضروری ہے، جو عصر حاضر کے جدید پیدا شدہ مسائل کے حل کے لیے لکھی گئی ہیں، گذشتہ ادوار میں بھی ایسی تحریریں اہل علم کے لیے مرکز توجہ رہی ہیں جو ''نوازل'' کہلاتی ہیں، ہمارے عہد میں مختلف فقہ اکیڈمیوں نے اس پر قابل لحاظ کام کیا ہے اور اس کی ابحاث طبع ہو چکی ہیں، انہیں بھی داخل نصاب کیا گیا ہے، تاکہ پوری وسعت کے ساتھ ایک مسئلہ پر مختلف نقاط نظر طلبہ کے سامنے آ سکیں۔

(۸) برصغیر ہند وپاک میں غالب اکثریت احناف کی ہے اس لیے ان ملکوں میں فریضہ قضاء وافتاء انجام دینے کے لیے فقہ حنفی پر عمیق و وسیع نظر ضروری ہے، پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ معاملات اور احوال شخصیہ میں فقہ حنفی اس زمانہ کے تقاضوں سے قریب تر ہے، اس لیے فقہ حنفی سے

معاملات اور احوال شخصیہ کے اہم ابواب سبقاً سبقاً داخل نصاب ہیں۔

(۹) ادب قاضی ایک وسیع الاطراف موضوع ہے اور اس پر ایک مکمل کتب خانہ وجود میں آچکا ہے۔ ''معہد'' میں اسی موضوع کی نہایت اہم اور مستند کتابیں درس ومطالعہ کے لیے منتخب کی گئی ہیں، قانون شہادت، احکام قضاء کا نہایت اہم حصہ ہے، جس پر واقعات کے ثبوت کا مدار ہے، اور دور جدید میں مروج ''قانون شہادت'' اسلام سے بہت کچھ مختلف ہے، اس لیے اسلام کے قانون شہادت اور آج کے مروج مغربی قانون شہادت کے تقابلی مطالعہ کو بھی شامل نصاب کیا گیا ہے۔

(۱۰) قضاء وافتاء کے کام میں صرف درس ومطالعہ کافی نہیں، عملی مشق اور تجربہ ضروری ہے، امارت شرعیہ کا دارالقضاء پورے ملک میں نظام قضاء کا بڑا مرکز ہے، جہاں ہر سال مختلف نوعیت کے سینکڑوں مقدمات آتے ہیں، روزانہ سماعت ہوتی ہے، اور فیصلے ہوتے ہیں، نیز امارت کا دارالافتاء ملک کے ان دوتین دارالافتاء میں ہے، جہاں سب سے زیادہ ملک کے مختلف علاقوں سے اور مختلف نوع کے سوالات آتے ہیں، اس سے استفادہ کرتے ہوئے عملی تربیت کے لیے بھی خاصا وقت دیا گیا ہے۔

۞۞۞

نئے عالمی حالات میں امت مسلمہ کا کردار

۳/اپریل ۱۹۹۵ء کو فقیہ امت قاضی شریعت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے امت مسلمہ کے بگڑتے ہوئے حالات کی نشاندہی، دعوت اسلام کا طریقہ کار اور شریعت اسلام کے تمام امور پر سختی سے عمل کی تلقین کی۔

اس روئے زمین پر بسنے والی قوموں کے درمیان امت مسلمہ کا امتیاز، اس کی ان خصوصیات کی بنیاد پر ہے جن میں کوئی دوسری قوم اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی، ان میں اس کی سب سے اہم خصوصیت اس کا وہ پیغام ہے جسے اس نے پوری انسانیت تک پہنچایا۔ یہ پیغام اپنی وسعت وجامعیت کے لحاظ سے انسانی زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی ہے، وہ بغیر کسی تفریق کے زندگی کے ہر شعبہ میں اور اجتماعی وانفرادی ہر میدان میں اپنی رہنمائی پیش کرتا ہے، ایسا نہیں کہ وہ زندگی کے کسی پہلو پر بہت زور دے اور دوسرے پہلو سے بالکلیہ صرف نظر کرلے، بلکہ وہ زندگی کے ہر گوشے کو توازن اور اعتدال کے ساتھ اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہے۔ یہی وہ خصوصیت ہے جو اس کے دین کو بقاودوام اور ہر زمان ومکان کا ساتھ دینے کی صلاحیت عطا کرتی ہے۔

امت اسلامیہ کا پیغام الٰہی جامعیت کی خصوصیت کے ساتھ محض کوئی نظری اور خیالی فلسفہ نہیں بلکہ یہ ایک شاندار اور خوشگوار عملی تجربہ ہے، جسے ایک طویل مدت تک واقعی طور پر انسانی زندگی میں آزمایا جاچکا ہے، جو لوگ اسلام کی ابتدائی تاریخ پر نظر رکھتے ہیں۔ ان پر یہ بات مخفی نہیں کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے ڈوبی ہوئی جہالت اور اندھی ضلالت سے نکل کر اور اسلام کے نور سے منور ہوکر عرب کی سرزمین میں کیسا مثالی انقلاب اور حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا، انہوں نے سادہ اور بدویانہ زندگی سے نکل کر اس دور کی سب سے ترقی یافتہ قوموں کی قیادت کی، اور ان کے سامنے زندگی کے تمام شعبوں کے لیے سنہرے اصول اور گراں قدر رہنمائی پیش کی اور زندگی کے ہر میدان میں قائدانہ رول ادا کیا، اور قیادت کے منصب پر فائز ہوئے، اور کتاب وسنت کی روشنی میں انسانی

زندگی کی اصلاح اور فرد اور جماعت کی تربیت اور خاندانی اور معاشرتی زندگی کی تنظیم کی۔ اقتصادی مسائل کا بہترین حل پیش کیا، علمی تحقیقات کا بیڑا اٹھایا۔ حکومت وسیاست کے رہنما اصول وضع کیے۔ غرض یہ کہ زندگی کا ایسا کوئی گوشہ نہیں جس میں مسلمانوں نے نمایاں اور قائدانہ رول نہ ادا کیا ہو۔ یہ عظیم الشان کارنامہ صحابی رسول سیدنا حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کے اس قول کی سچی تصویر ہے جس میں انہوں نے امت مسلمہ اور متوقع کردار کا تعارف کرایا ہے، فرماتے ہیں:

> ''اللہ نے ہمیں اس لیے بھیجا ہے کہ ہم اس کی مشیت سے لوگوں کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر ایک اللہ کی بندگی کی طرف دنیا کی تنگی سے رہائی دے کر اس کی وسعت کی طرف اور ادیان ومذاہب کے ظلم وستم سے نجات دے کر اسلام کے عدل وانصاف کی طرف لائیں''۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نئی دنیا نے سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں حیرت انگیز ترقی کی ہے، اور ان ترقیات کے نتیجہ میں ایسی تحقیقات اور انکشافات ہوئی ہیں، جس نے ارباب عقل ودانش کو حیرت زدہ کر دیا ہے، اور زندگی کے معیار اور پیمانے بدل دیئے ہیں اور سائنٹفک ترقیات کے غنچہ میں وسیع عالم کی دوری کم ہوگئی ہے، بلکہ دنیا سمٹ کر ایک چھوٹے گاؤں کی صورت اختیار کر گئی ہے، لیکن ایک بڑی حقیقت جس کا ہم علمی زندگی میں مشاہدہ کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ علم جدید نے اگر ایک طرف عالم کی دوری کم کی ہے، اور اس کے دور دراز علاقوں کو باہم قریب کر دیا ہے تو دوسری طرف اس نے لوگوں کے دلوں میں بڑی دوری پیدا کر دی ہے، اس نے انسانی زندگی میں حکومتوں اور سلطنتوں کے درمیان، علاقوں اور بستیوں کے درمیان بلکہ خاندان اور اس کے افراد کے درمیان ایسی پیچیدہ مشکلات پیدا کر دی ہے کہ ارباب عقل ودانش ان کا مناسب حل پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ آج مختلف سطح پر دنیا کو کتنے مسائل کا سامنا ہے اور کتنی مشکلات ہیں جن کا حل دشوار نظر آرہا ہے، اور کتنی کشمکش اور لڑائیاں ہیں جن کی آگ بھڑکنے سے معصوم انسانیت کی زندگی خاکستر ہو رہی ہے، یہاں پر قدرتی طور پر ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی اصل وجہ کیا ہے، اور ان سب واقعات ومشکلات کے پیچھے کیا اسباب کارفرما ہیں۔ یہ ایک فطری سوال ہے جس کا اطمینان بخش جواب سامنے آنا ضروری ہے۔

ہمارا اس بات پر یقین ہے کہ نئی ترقیات کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مشکلات کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اس دور کے انسان نے اپنی مادی ترقیات کی دوڑ میں اعتقادی اور اخلاقی پہلو

کو نظر انداز کر دیا ہے۔ آج انسانوں کے قلوب سے عقیدہ اور اخلاقی قدروں کی اہمیت نکل گئی ہے۔ آخرت کی جوابدہی کا احساس ختم ہو گیا ہے اور اللہ حی وقیوم اور علیم وخبیر کی ذات پر ایمان واعتماد کمزور ہو گیا ہے، اور انسانی زندگی اسلام کے اس عادلانہ نظام سے منحرف ہو گئی ہے، جس کی بنیاد وحی الٰہی پر ہے۔ فطری زندگی اور اصل اسلامی راہ سے انحراف ہی وہ اصل سبب ہے جس نے اس وقت انسانی زندگی کو عدل وانصاف، چین وسکون اور ترقی وخوشحالی سے پھیر کر ناکامی، بدبختی اور مشکلات سے دوچار کیا ہے۔

اس وقت دنیا میں جو نظام اخلاق رائج ہے وہ ''بنتھم'' کے فلسفہ ''افادیت اور اپیکورس'' کے فلسفہ ''لذتیت'' کا مجموعہ ہے، یہ افادیت اور لذتیت دنیا کی ہر چیز کو جائز کر دیتی ہے، بلکہ اس کا شمار عصر حاضر کی اخلاقی بنیادوں میں ہوتا ہے۔ اس نظام میں فرد کی آزادی کو اجتماعی اور معاشرتی مصالح پر فوقیت حاصل ہے۔ چنانچہ فرد اس میں اپنی آزادی سے فائدہ اٹھاتا ہے، خواہ اس کی بنیاد پر پورے معاشرہ کو نقصان کا سامنا کرنا پڑے۔ اس آزادی نے خاندانی نظام کو بری طرح منتشر کر دیا ہے اور ذلت وپستی کے غار میں ڈھکیل دیا ہے ''بوڑھا باپ اولڈ ہوم'' میں زندگی گذارتا ہے، اور لوگوں کے درمیان خاندانی تعلقات صرف رسمی حد تک باقی رہ گئے ہیں۔ مختلف تقریبات کے موقعوں پر محض کارڈ بھیج دیئے جاتے ہیں اور بس (اس میں تبدیلی ہوگئی ہے، جن کے ہر گوشے میں محض تجارتی مصالح کی کشمکش جاری ہے) ایسے ایٹمی اسلحے اور مہلک کیمیائی ہتھیار ایجاد کئے جا رہے ہیں جن سے پوری انسانیت کو خطرہ لاحق ہے، تجارتی مقاصد کے تحت ان کی خرید وفروخت ہو رہی ہے، اور انسانی زندگی کے مفاد میں استعمال کئے جانے کے بجائے اسے تباہ کرنے کے لیے ان کا استعمال ہو رہا ہے۔ یہ وہ صورت حال ہے جس نے پورے عالم کو مضطرب کر رکھا ہے، وی ڈی او، ٹیلی ویژن، جنسی خواہشات کو ابھارنے والی فحش اور مخرب اخلاق فلموں اور عریاں تصویروں کا رواج روز افزوں ہے۔ جس نے دور حاضر کے انسانوں کو ''ایڈز'' جیسی خبیث اور لاعلاج بیماری کا تحفہ دیا ہے، دور جدید کے یہ اور اس جیسے متعدد تحفے ہیں جن سے پورے عالم کو خطرہ لاحق ہے، اور اس نے انسانی زندگی کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ ان خطرناک حالات میں انسانیت کی نگاہ بصد شوق اسی امت کے منتظر ہے جو اسے امن وامان، راحت وسلامتی اور سکون قلب عطا کرے اور ان تمام مہلک خطرات سے

اس کی حفاظت کرے۔

یہ بات بالکل طے شدہ ہے کہ آج دنیا جن مشکلات اور پیچیدہ مسائل سے دوچار ہے یا مستقبل میں جو مشکلات اسے درپیش ہوں گی ان کا واحد اور کامیاب حل اس وحی سماوی اور دین الٰہی میں پوشیدہ ہے جسے حضور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا ہے، وہ انسانیت کے لئے ہر قسم کے اطمینان، امن وسلامتی، ترقی وخوشحالی اور فلاح وکامرانی کا ضامن ہے اور امت اسلامیہ جو اس پیغام کی حامل ہے وہ اس دعوت کو تمام اقوام عالم اور اقصائے عالم تک پہنچانے کی مکلّف اور اپنے رب کے سامنے اس کے بارے میں جوابدہ ہے۔

یہ اس پیغام کا اجمالی خاکہ اور مختصر تذکرہ ہے جس کی یہ امت علم بردار ہے اور جس کے طفیل ماضی میں مسلمانوں نے زندگی کے تمام میدانوں میں پوری انسانیت کی رہنمائی کی، اور عالمی قیادت کے منصب پر فائز رہے۔ لیکن اگر یہ امت ان خصوصیات وامتیازات سے عاری ہو جائے اور مغربی تہذیب کی ظاہری چمک اور ٹیپ ٹاپ سے متاثر ہو کر اسلامی عقائد سے منہ موڑ لے اور اسلامی دعوت کی نشر واشاعت اور اس کی ذمہ داریوں کو انجام دینا چھوڑ دے اور دوسری قوموں کی دعوت پر لبیک کہنے لگے تو ممکن نہیں کہ یہ اسلام کے ابدی پیغام کی حامل امت کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے سکے۔

خلاصہ یہ کہ مسلمان جب تک خود اسلام کی مقدس تعلیمات پر عمل پیرا نہ ہو جائیں اور اسلام کے اولین سرچشمہ اور مصدر ہدایت کتاب وسنت کی طرف رجوع کر کے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو شرعی اساس پر استوار نہ کرلیں، نہ وہ عالم انسانیت کی قیادت کے منصب پر فائز ہو سکتے ہیں، نہ نئے عالمی حالات میں اپنا مطلوب اور مثالی کردار ادا کر سکتے ہیں، نہ اسلامی دعوت کے ترجمان بن سکتے ہیں، اور نہ اس مجبور ولاچار اور پیاسی انسانیت کی طرف آب شیریں کا جام پیش کر سکتے ہیں۔

علماء اسلام اور عہد جدید کے تقاضے

یہ ایک تقریر ہے، جو حضرت مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ قاضی القضاۃ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ ورکن عاملہ مسلم پرسنل لا بورڈ نے علماء آندھرا پردیش کی تنظیم "مجلس علمیہ" کی ایک خصوصی نشست میں ۳؍ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ مطابق ۹؍فروری ۱۹۸۱ء کو دفتر مجلس علمیہ مسجد محی النساء جدید ملک پیٹ حیدرآباد میں فرمائی تھی مولانا کی تقریر اتنی مؤثر اور دل گداز تھی کہ حاضرین مجلس میں شاید ہی کوئی ہو جس کی آنکھیں نم نہ ہوئی ہوں۔ اس تقریر کو حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب مدظلہ العالی نے مرتب کیا ہے۔

حضرات!

آج مجھے اتنے نوجوان علماء اور فضلاء کو دیکھ کر اتنی بے پناہ اور غیر معمولی مسرت محسوس ہو رہی ہے کہ میری زبان اس کے اظہار سے قاصر ہے، اور الفاظ کی تنگ دامانی کی شاکی ہے۔ آپ کی یہ مجلس شاید ہندوستان کی منفرد اور اپنی نوعیت کی واحد تنظیم ہے۔ میں آپ کے درمیان خود کو اپنے خاندان میں محسوس کرتا ہوں۔ یہ خاندان زید وعمر کا نہیں ہے، یہ خاندان شاہ ولی اللہ دہلویؒ، شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ عبدالغنیؒ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، سید احمد شہیدؒ، حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کا ہے۔ ہم ان عظیم الشان اور عالی حوصلہ سلف کے خلف ہیں۔ ہم ان بزرگوں کے وارث ہیں، بجا طور پر ہمیں ان پر فخر وناز کرنے کا حق حاصل ہے، ہم دنیا سے مخاطب ہو کر اور ان کی آنکھوں سے آنکھیں ملا کر کہہ سکتے ہیں:

"اولئک آبائی فجئنی بمثلهم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

خانوادۂ ولی اللہی کا کارنامہ

محترم بزرگو، اور عزیز بھائیو! اگر ہم ان علماء کی عظیم خدمات کو چند لفظوں میں نقل کرنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ "انہوں نے ہندوستان کو اندلس بننے نہیں دیا، وہ اندلس جو ابن رشد کا وطن ہے جو ابن ماجہ کا

مولد ہے، جہاں کی خاک سے "ابن حزم" پیدا ہوئے، جس کی سرزمین میں طبطلہ قرطبہ اور اشبیلیہ کے عظیم مدارس اور جامعات قائم تھے اور جہاں مسلمانوں نے کئی سو سال تک پوری قوت اور کروفر کے ساتھ حکومت کی، جب وہاں مسلمانوں کو شکست ہوئی، ان کی حکومت کو زوال آیا، اقتدار کے تخت سے بے دخل کردیئے گئے، تو اسلام بھی وہاں سے رخصت ہوگیا، مسجدیں آثار قدیمہ بن کر رہ گئیں، اور صرف اس بات کی علامت ٹھہریں کہ کبھی مسلمانوں نے انہیں تعمیر کیا تھا، اور وہ یہاں نمازیں پڑھا کرتے تھے۔

مشرقی ترکستان کا زوال

بالکل یہی حال مشرقی ترکستان اور ایران کے بعض علاقوں کا ہوا، اندلس کی طرح یہ علاقہ بھی مسلم حکومت کا مستحکم ترین اور علمی وفکری اعتبار سے انتہائی مردم خیز اور علم پرور خطہ سمجھا جاتا تھا، لیکن یہاں بھی جب مسلمانوں پر زوال آیا، حکومتیں ان کے ہاتھ سے نکل گئیں، اور بددین ان علاقوں پر قابض ہوگئے، تو اسلام نام کی چیز باقی نہ رہی اور نئی نسل نے تیزی سے الحادو دہریت کے آگے سپر ڈال دی، سمرقند و بخارا، ترمذ، قاذان اور بجستان ن جو کبھی اسلام اور توحید کے مراکز تھے اور بخاری کا وہ "مدرسہ میر عرب" جہاں سے نہ جانے کتنے علماء پیدا ہوئے، آج ایک "میوزیم" بن کر رہ گیا ہے۔

زوال کے اسباب

یہ کیوں ہوا؟ یہ اس لئے ہوا کہ جب قوموں پر سیاسی زوال آتا ہے اس وقت ان کے فکرونظر اور قلب وجگر میں بھی شکست خوردگی اور کمتری کا احساس کروٹ لینے لگتا ہے، اور اپنی تہذیب اور اپنا مذہب ان کو "کمتر" دکھائی دینے لگتا ہے۔ اس وقت ضرورت ہوتی ہے ایسے بالغ نظر، نبض شناس اور بلند ہمت علماء کی جو اس سیاسی زوال کی فضا میں ان کو "فکری انحطاط" اور "اعتقادی احساس کمتری" سے بچائیں اور محفوظ رکھیں، اندلس اور مشرقی ترکستان کے علماء اس فریضہ سے عہدہ برآنہ ہوسکے۔

لیکن ہندوستان میں "سلطان نما درویش" حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ کے بعد جس سیاسی زوال کا آغاز ہوا۔ مرہٹوں نے بال وپر نکالے، سکھوں نے یلغار کی، انگریزوں نے جو "بنیوں" کے بھیس میں آئے تھے حکومت کی باگ ڈور تھام لی، عین اسی زوال وانحطاط کے دور میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ پیدا ہوئے اور انہوں نے "حجۃ اللہ البالغہ" جیسی یگانہ روزگار کتاب تصنیف کی، شاہ

عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنا تاریخی فتویٰ دیا جوان کے جرأت واستقلال اور حکمت وتدبر کا شاہد ہے۔ سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید خلافت اسلامیہ کو زندہ کرنے کی آخری جدوجہد کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، مولانا قاسم نانوتویؒ نے دارالعلوم دیوبند قائم کیا جس کا فیض آج دنیا کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ میں محسوس کیا جارہا ہے، ان کی دردمندانہ محنتوں اور اسلام کے لئے بیقراریوں نے ہندوستان کو زوال وانحطاط کے دور میں بھی ''مسلمان'' باقی رکھا، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ صاحب نے اس جدوجہد کو آگے بڑھایا اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اپنے عہد میں اس کی آخری کڑی ثابت ہوئے۔

یہ تو میں نے سرسری طور پر چندان افراد کا ذکر کیا ہے جن میں سے ہر ایک نے دوسرے کی جگہ لی، ورنہ اس خانوادہ نے اتنے فرزندوں اور مجاہدوں کو جنم دیا ہے جس کی نظیر دنیا کے لئے پیش کرنی مشکل ہے، یہ شیخ الہند مولانا محمود حسن ہیں، انہیں کو دیکھئے کتنے چاندتارے اور گلہائے سرسبد ان کی محفل میں ہیں، علامہ انور شاہ کشمیری جیسا محدث، مولانا شبیر احمد عثمانی جیسے مفسر قرآن، مولانا سید مناظر احسن گیلانی جیسے متکلم اسلام، مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ اور مولانا اعزاز علی صاحب جیسے فقیہ، مولانا عبیداللہ سندھی جیسے مجاہد اور سیاست داں اور نام بھی ہیں کتنوں کا نام لیا جائے۔

آیات قرآنی سے دو تمثیلیں

اپنے بزرگوں کی ان خدمات، ان کا دردوسوز، ان کا اخلاص اور ان کا بے پایاں جدوجہد اور آج کی اس بہار کو دیکھ کر بے ساختہ قرآن مجید کی یہ آیت زبان پر آجاتی ہے:

''کزرع اخرج شطأہٗ فاٰزرہ فاستغلظ فاستوىٰ علی سوقه
یعجب الزراع لیغیظ بهم الکفار''......الخ (الفتح:۲۹)

جیسے کھیتی کہ اس نے اپنی سوئی نکالی، پھر اس نے اس کو قوی کیا، پھر وہ اور موٹی ہوئی، پھر وہ اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی۔ تاکہ ان سے کافروں کو جلاوے۔ (بیان القرآن)

''کلمة طیبة کشجرة طیبة اصلها ثابت وفرعها فی السماء
توتی اکلها کل حین باذن ربها''...... (ابراہیم:۲۵)

ستھری بات جیسے ایک ستھرا درخت، جس کی جڑ مضبوط ہے اور ٹہنیاں آسمان میں ہیں، ہر

وقت اپنا پھل لاتا ہے اپنے رب کے اذن سے۔ (ترجمہ شیخ الہند)

چند گذارشیں

صاحبو! آج کی اس مجلس میں آپ سے چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں، اور ان باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جو ہمارے بزرگوں کا ورثہ، ان کا امتیاز اور ان کا مشن تھا، اور جس کے بغیر عہد حاضر میں ہم اپنا کردار ادا نہیں کر سکتے۔

قناعت

ان میں سب سے پہلی سب سے اہم اور سب سے بنیادی چیز قناعت اور توکل علی اللہ ہے۔ ہمارے اکابر اس کے بہترین نمونہ تھے انہوں نے چٹائیوں کو شاہی درباروں اور محلوں پر ترجیح دی۔ انہوں نے فقر و درویشی کو منتخب کیا اور عیش و عشرت کو ٹھکرا دیا، ان کے قدموں میں دنیا جھکی، ثروت ان کے پاؤں پر نثار ہوئی، مگر وہ ان سب سے نظر موڑتے اور پھیرتے رہے، انہوں نے سب کچھ لٹا کر دین کا کام کیا۔

مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کا کردار

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بارے میں ان کے والد نے کہا کہ ''اولاد پڑھ کر اپنا گھر دولت سے بھر دیتی ہے، اور میرے بیٹے نے پڑھ کر پورا گھر لٹا دیا ہے''۔ مگر ہزار بیٹے قربان ہوں اس محمد قاسم پر جس نے اپنی دولت لٹا کر بے شمار انسانوں کے گھر اللہ اور اس کے رسول کے علم اور اس کے دین سے بھر دیا ہے، وہ چاہتے تو صدر الصدور بن سکتے تھے، کہیں کے مدار المہام بن سکتے تھے، کوئی پریس اور مطبع کھول کر پیسے کما سکتے تھے، مگر انہوں نے یہ سب چھوڑا، اور پوری زندگی اللہ کے علم اور دین کی تبلیغ و اشاعت میں صرف کر دی۔

اکابر دیوبند کا استغناء

یہ دیکھو یہ شیخ الہند مولانا محمود حسن ہیں ان پر بھی بڑے بڑے عہدوں کی پیش کش ہوئی، یہ علامہ انور شاہ کشمیری ہیں، جن کو نظام حیدر آباد نے دعوت دی، اقبال نے بڑی تنخواہ پر بلایا، یہ شیخ الاسلام

مولانا حسین احمد مدنیؒ جن کو ڈھاکہ یونیورسٹی بلایا گیا اور بڑی رقم پیش کی گئی، یہ مولانا عبدالرحیم اور مولانا عبدالحفیظ اساتذۂ مدرسہ امدادیہ دربھنگہ ہیں جن سے حیدر آباد آنے کی خواہش کی گئی، مگر محض علم دین کی خدمت کے لیے ان حضرات نے بڑی بڑی تنخواہوں کو کچھ اہمیت نہیں دی، اور دینی مدارس کی چٹائیوں پر بیٹھ کر معمولی کھا کر اور معمولی پہن کر پوری قناعت کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہے، اور کیوں نہ کرتے کہ وہ تو رسول اللہؐ اور ان کے صحابہؓ کی ایک ایک سنت اور ایک ایک نقش قدم کو سینوں سے لگانے والے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا اسوہ

لوگو! بدقسمتی سے آج تعیشات کو ضرورت کا نام دے دیا گیا ہے، اور یہ آج کی تہذیب کا سب سے بڑا فتنہ ہے، ان حالات میں دین اور تقاضائے دین پر استقامت اور ثابت قدمی بڑا کام ہے، آپ کی دینی وضع قطع، آپ کی اسلامی بود و باش، آپ کی اسلامی تہذیب، آپ کے پھٹے پرانے لباس اور آپ کے کپڑوں کے پیوند پر لوگ ہنسیں گے، قہقہے لگائیں گے تمسخر اور تضحیک کریں گے، مگر دوستو! آپ کو اپنے بزرگوں سے یہ ورثہ ملا ہے کہ آپ اس کو کچھ خاطر میں نہ لائیں اور حضرت عمر فاروقؓ کی اس سنت کو یاد کریں کہ فتح بیت المقدس کے وقت جب آپ مسلمانوں کے اس عظیم حکومت کے سربراہ اور خلیفہ کی حیثیت سے جانے لگے، جس نے ایک طرف رومن امپائر کو شکست دے دی تھی اور دوسری طرف ایرانی شہنشاہیت کو لرزہ براندام کر دیا تھا، تو آپ کے کپڑے پر ایک دو نہیں ۱۲ یا ۱۷ پیوند لگے تھے، اور ایک دبلے پتلے اونٹ پر سوار تھے۔ لوگوں نے کہا، امیر المومنین! اچھا نہیں لگتا کہ آپ مسلمانوں کے خلیفہ کی حیثیت سے جا رہے ہیں کہ یہودی علماء تورات "میں لکھی ہوئی نشانیوں کے ذریعہ" فاتح بیت المقدس کی شناخت کر سکیں، یہ عمدہ گھوڑا حاضر ہے، اس پر سواری کیجیے، اور یہ سفید جوڑا ہے، اسے زیب تن کیجیے، حضرت عمرؓ جب گھوڑے پر بیٹھے تو گھوڑا بدکنے لگا، حضرت عمرؓ گھوڑے سے اترے اور کہنے لگے میرے لیے میرا وہی لباس اور سواری زیادہ موزوں ہیں اس کپڑے اور اس سواری سے "عجب" پیدا ہو جاتا ہے۔

فقر اختیاری نہ کہ مجبوری

اور ہاں! میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے بزرگوں کا فقر مجبوری کا نہیں تھا،

ضرورت کا نہیں تھا، بلکہ اختیاری تھا، جیسا کہ میں نے عرض کیا، بڑے بڑے عہدوں، بڑے بڑے مناصب اور بڑی بڑی تنخواہیں، ان کے سامنے پیش کی گئیں، مگر انہوں نے اس کی طرف کچھ دھیان نہیں دیا، جب انسان کے اندر قناعت دین کی راہ میں خود سپردگی اور توکل پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود اس کے ضامن ہوجاتے ہیں۔ ''من یتوکل علی اللہ فھو حسبہٗ و نعم الوکیل''

مدارس اکزامنیشن بورڈ بہار کی زبوں حالی

میں اس پر اتنا زور اس لیے دے رہا ہوں کہ ہم لوگ اس تلخ تجربہ سے دوچار ہوچکے ہیں۔ بہار کے وہ مدارس جو گورنمنٹ سے ملحق ہیں، اب وہاں تنخواہیں سرکاری اسکیل کے مطابق کافی بڑھ گئی ہیں، وہاں کے اساتذہ کو سرکاری ملازمتوں کی رعایتوں کے علاوہ مدرسہ کی طرف سے بھی سہولتیں حاصل ہیں، مگر تعلیم کا معیار پست سے پست تر ہوتا جارہا ہے، امتحان برائے نام ہوا کرتا ہے، نااہل لوگ اسناد حاصل کرتے ہیں۔ اساتذہ نہ محنت کرتے ہیں، اور نہ مطالعہ، اب اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سرکاری اثر سے آزاد دینی مدارس کے لیے اساتذہ کا فقدان ہے، اور بہت کم لوگ ہیں جو اس طرف آنے کو آمادہ ہوتے ہیں۔

مجادلہ حسنہ نہ کہ مناظرہ

حضرات سامعین!

دوسری بات جو مجھے آپ سے کہنی ہے وہ یہ ہے کہ آپ ہمیشہ مناظرہ بازی سے احتراز کریں، فن مناظرہ کی مشہور کتاب ''رشیدیہ'' جن لوگوں کی نگاہ سے گذری ہوگی وہ جانتے ہوں گے کہ مناظرہ درحقیقت کیا چیز ہے؟ اور آج جس چیز کو مناظرہ کا نام دیا جاتا ہے وہ کیا شئی ہے؟

مناظرہ کی حقیقت

مناظرہ تو دراصل حقائق کی دریافت کے لیے ایک مباحثہ اور تبادلہ خیال کا نام ہے، بزرگوں میں بہ کثرت اس قسم کے مناظرے ہوا کرتے تھے امام احمدؒ، امام محمدؒ، امام شافعیؒ، امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کے بہت سے مناظرے متقدمین کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ یہ مناظرہ کبھی دوسرے پر کیچڑ اچھالنے کے جذبہ سے نہیں ہوا کرتے تھے، اور نہ ہی مقابل کو شکست دینا مقصود ہوتا تھا۔

مکابرہ یا مناظرہ

آج مناظرہ مکابرہ بن کر رہ گیا ہے، جس میں ہر فریق اپنی پوری قوت فریق مخالف کو کمزور ثابت کرنے پر صرف کردیتا ہے، اور چاہے اپنی بات کا غلط ہونا خود اس پر واضح کیوں نہ ہوجائے، وہ اسی پر مصر رہتا ہے، بعض حضرات کہا کرتے ہیں کہ یہ بات تو غلط تھی مگر میں نے اس لیے کہی کہ اس کے ذریعہ فریق مخالف کو پٹخ دوں، آہ انہیں نہیں معلوم کہ دنیا میں وہ فریق کو پٹخ چکے مگر عنداللہ خود پٹخے جاچکے......آہ!

مناظرہ کا نقصان

برادران عزیز! جب تک آپ مناظرہ نہیں کرتے آپ کے اور ان کے درمیان میل جول تعلقات وروابط رہتے ہیں، افہام وتفہیم کی گنجائش رہتی ہے، مگر مناظرہ کے بعد آپ کے اور ان کے درمیان ایک گہری خلیج اور دبیز دیوار حائل ہوجاتی ہے، اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ آپ اپنی بات ان تک پہنچا بھی نہیں سکتے، اور اس بات کا امکان بھی ختم ہوجاتا ہے کہ آپ ان کو صحیح راہ دکھاسکیں، اور اس کے ساتھ ساتھ امت تفریق اور انتشار، دیگر پراگندگی کا شکار ہوجاتی ہے، چھوٹے مسائل بڑے اور مشترک مسائل کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔

قرآنی اصول

خود قرآنی اصول بھی یہ ہے کہ ایسے مکابرہ کے لیے ''مجادلہ حسنہ'' کا طریق اختیار کیا جائے۔ ''وجادلهم بالتي هي احسن'' ''مجادلہ حسنہ'' کا مطلب یہ ہے کہ انتہائی خوش خلقی نرم خوئی، شائستگی اور دردمندی کے ساتھ اپنی مضبوط سے مضبوط دلیل اس طرح پیش کی جائے کہ دعوت ''فریق'' سے ٹکرانے کی بجائے دل میں اتر جائے اور دماغ کے بجائے قلوب میں جگہ پائے۔

عوام سے درگذر کا معاملہ

تیسری بات جو مجھے آپ سے کہنی ہے وہ یہ ہے کہ عوام کے ساتھ ہمیشہ شفقت ونرمی اور درگذر کا معاملہ کریں، ان کی تلخ گوئیوں، ناشائستہ حرکتوں، بدزبانیوں اور ناقدریوں کو معاف کریں ان کو بے قصور سمجھیں، ان کو ان کی جہالت اور ناواقفیت کا نتیجہ سمجھیں، یہ سمجھیں کہ وہ غریب علماء کے

درجات اور مراتب سے ناواقف ہیں اور یہ ہمارا قصور ہے کہ ہم ان کو اس سے آشنانہ کر سکے۔ آپ کا انداز ان کے ساتھ شفقت اور پیار کا، دردمندی اور غم خواری کا، حسن سلوک اور احسن خلق کا ہو۔

دوستو!

اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کا طرز عمل ہمارے سامنے ہے، ذرا طائف کا وہ واقعہ یاد کرو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس پریشانی اور بے سہارگی کے عالم میں طائف کے کنارے ایک باغ میں آکر پناہ لی تھی۔ پھر خدا کا فرشتہ آیا تو آپ نے اپنی امت کے بارے میں کتنا پیار ومحبت بھرا جواب دیا۔

فرمایا: ''انھم قوم جاھلون'' وہ لوگ تو جاہل اور ناواقف ہیں ''بارالہا'' ان سے درگذر کیجئے کہ شاید ان کی آنے والی نسل میں کوئی ہدایت پا جائے۔ ذرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کو ملاحظہ کیجئے کہ ایسے جانی ''دشمن'' کو اپنی قوم قرار دیتے ہیں، اور محض اس توقع پر ان کے لیے عفو درگذر کی درخواست کرتے ہیں کہ ممکن ہے آنے والی نسل میں کوئی ہدایت پا جائے۔

جب آپ کے اندر پیغمبرانہ شفقت اور دردمندی پیدا ہوگی اور دل کی گہرائیوں سے بات نکلے گی تو ''از دل خیز د بر دل ریزد'' کا مصداق ہوگی، لوگوں کے دل خود آپ کی طرف جھکیں گے، پتھر پگھلیں گے اور سنگریزے نرم ہو جائیں گے۔

اسی طرح آپ ان کی معصیت شعاریوں اور گناہوں میں ملوث ہونے کی وجہ سے آزردہ خاطر اور کبیدہ دل نہ ہوں ان سے نفرت نہ کریں اور کوفت نہ ہوں، بلکہ ان کو ان کی غلطیوں اور گنہگاریوں میں معذور سمجھیں، انہیں دین سے ناواقف تصور کریں، اور ان کی طرف سے بے رخی کا مظاہرہ ہونے کے باوجود آپ خود ان سے قریب ہوں اور ان کو قریب کریں۔

جدید حالات سے باخبر اور واقف ہونا

عزیز دوستو! چوتھی بات مجھے آپ سے یہ کہنی ہے کہ آپ جدید حالات سے باخبر ہوں، نئی دنیا پر آپ کی نظر ہو، یہی دراصل فراست ایمانی کا نور ہے، ہمارے اسلاف صرف مدرسہ کے گوشہ نشین مدرسین اور خانقاہوں کے عزلت گزیں مرشدین طریقت نہیں رہے وہ ہر میدان میں اترے، ہر راہ پر دوڑے، اور ہر محاذ پر اسلام کی عظمت کا سکہ بٹھایا، یہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ہیں ان کی

کتاب ''حجۃ البالغہ'' دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ معاصر حالات اور اس زمانہ کی سیاسی اور فکری کشمکش پر کتنی گہری نگاہ تھی، یہ شاہ عبدالعزیزؒ ہیں جنہوں نے حکومت برطانیہ کے خلاف انتہائی ناگفتہ اور پر خطر ماحول میں فتویٰ دیا، یہ مولانا محمد قاسمؒ، مولانا گنگوہیؒ اور حافظ ضامن شہیدؒ ہیں، جنہوں نے شاملی کے معرکہ جہاد کو رونق بخشی، یہ سید احمد شہیدؒ ہیں جنہوں نے امارت شرعی کا مکمل نظام قائم کیا تھا، بیت المال قائم کیا تھا، عدالت قائم کی، قاضی مقرر کئے اور سنت جہاد کو زندگی بخشی، یہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ہیں جنہوں نے بالاکوٹ کے کارزار میں اپنا قیمتی لہو نثار کر دیا، یہ مولانا محمود حسنؒ ہیں جو بظاہر دیوبند کی چٹائی پر بیٹھ کر پڑھاتے تھے، مگر اس مرد مجاہد نے ریشمی رومال تحریک چلائی۔ ہندوستان میں مراکز بغاوت قائم کئے، شاہ افغانستان سے فوج گذرنے کی اجازت چاہی، غالب پاشاہ اور انور شاہ سے مل کر فوجی اعانت چاہی، علمائے صادقپور نے فوجی تربیت گاہ قائم کی، مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو مختلف جگہوں پر بھیجا، یہاں تک گرفتار کر کے مالٹا جیل بھیج دیئے گئے۔

یہ مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ ہیں جنہوں نے آزادی کی لڑائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اور اسلامی اقدار کا تحفظ کیا، مجھے مولانا حسین احمد صاحبؒ کا آخری دور دیکھنے کا موقع ملا ہے، جس طرح بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے پاس جب جبرئیل گھوڑے کی سواری کر کے آتے تو اس کی ہر ٹاپ سے سبزیاں نکل جاتی تھیں۔

خدا کی قسم میں نے اسی طرح خود یہ منظر دیکھا ہے کہ مولانا مدنیؒ جہاں گئے اور جہاں ان کے قدم پڑے ایسا محسوس ہوا کہ گویا ہدایت وارشاد کے پودے اور علم دین کی کونپل پھوٹ پڑی ہو۔ یہی مولانا مدنیؒ ہیں کہ انگریزوں کی تاریخ پر اتنی گہری نگاہ تھی کہ اپنی تقریروں میں سنہ وار ان کے پورے حالات ذکر کیا کرتے تھے، فلاں کے عہد میں یہ ہوا، فلاں سنہ میں اس کا انتقال ہوا، اور فلاں سنہ میں وہ واقعہ پیش آیا، اس دور میں چاول کی قیمت کیا تھی، اور گیہوں کتنے میں فروخت ہوتا تھا، جب وہ انگریزی تاریخوں کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے تھے ڈبلو، ڈبلو منسٹر لکھتا ہے تو بڑا لطف آتا تھا، اور لوگ اس سے بڑے حظ اٹھاتے تھے۔

ہمارے اسلاف کی یہی فیاضی، بالغ نظری حالات فہمی اور واقعات حاضرہ سے باخبری تھی، جس نے دنیا کے گوشہ گوشہ میں دیوبند کے اثرات پھیلا دیئے اور آج دنیا کے جس کونہ میں پہنچ

جائیں دیوبند کا کوئی نہ کوئی فیض یافتہ ضرور ملے گا، مدرسہ دربھنگہ یا سلہٹ اور ڈھاکہ کی درس گاہیں یا جامعہ رحمانی یہ سب انہیں کے قدموں کی برکتیں ہیں، اسی لیے ہمیشہ دنیا سے ربطہ رکھئے ان سے کٹ کر نہ رہئے، حالات حاضرہ پر نظر رکھئے اور اپنے سلف کی اس روایت کو سینہ سے لگائے رکھئے۔

نیا زمانہ، نیا اسلوب

پانچویں بات میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اپنے مسلک پر تو پوری پختگی اور استقامت کے ساتھ قائم رہیں، اس میں ذرا کمزوری نہ آنے دیں، لیکن اس کے لیے نیا پیرہن اور نیا اسلوب اختیار کریں، آج اگر مولانا نانوتویؒ کے دور کی اردو لکھی جائے تو اپنی علمی پختگی کے باوجود نئی دنیا اس سے مانوس نہ ہو سکے گی، اور سمجھ نہ سکے گی، ان کے لیے نئی تعبیر، نیا طرز اور نئی زبان استعمال کرنی ہوگی، آپ اگر قطبی اور ہدایۃ الحکمت کی اصطلاحات اور زبان میں بات کریں گے تو وہ سمجھیں گے کہ معلوم نہیں مولوی صاحب کس زبان میں گفتگو فرما رہے ہیں۔

آپ خود قرآن کریم کے طرز تعبیر پر غور کیجئے ''امرالقیس'' جو ایام جاہلیت کا بڑا مایہ ناز شاعر اور ادیب مانا جاتا ہے، اس کی زبان بھی ثقیل کلمات سے خالی نہیں وہ بسا اوقات بڑے ثقیل اور مشکل الفاظ بولتا ہے، لیکن قرآن کی زبان دیکھو کتنی پیاری کتنی سبک، کتنی سہل کتنی رواں، دل کو چھونے والی، اور کانوں کو لبھانے والی اور عام فہم ہے، آج اسی لب ولہجہ کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

جدید فقہی مسائل کا حل

حضرات! آخری بات جو مجھے آپ سے کہنا ہے وہ یہ ہے کہ اس دور نے بہت سے فقہی مسائل پیدا کر دیئے ہیں، حالات بدل رہے ہیں، اسباب وسائل میں تغیر پیدا ہوا ہے، زمانہ کی قدریں تبدیل ہوگئی ہیں، عرف بدل گیا ہے، عادتیں متغیر ہوگئی ہیں، نئی صنعتی ایجادات نے بہت سے مسائل پیدا کئے ہیں، ان سے آنکھ موڑ لینا کچھ دانش مندی کی بات نہیں ہوگی۔

بہت سے مسائل ہیں جو عصری تغیرات سے متاثر ہوتے ہیں، مثلاً عرف ہی کو لے لیجئے، ہماری ریاست ''بہار'' میں ''جواب دیا'' کا لفظ ان کے مفہوم میں اس قدر استعمال ہونے لگا ہے، جیسے ''حرام'' لفظ کو علامہ شامی نے ذکر کیا ہے اور آپ کے حیدرآباد میں یہ لفظ طلاق کے لیے استعمال

نہیں ہوتا، اب اگر حیدرآباد کے کوئی اور مفتی ''بہار'' کے اس عرف سے واقف نہ ہوں اور وہاں سے آنے والے کئی استفتاء میں ''طلاق'' نہ پڑنے کا فتویٰ دیدیں اور ہم بہار کے عرف کو سامنے رکھ کر یہاں میاں بیوی کے دوران گفتگو آجانے والے جملہ ''جواب دیا'' پر طلاق پڑجانے کا حکم لگادیں تو کتنی غلط بات ہوگی، معلوم ہوا کہ عرف بدلنے سے احکام بدلتے ہیں۔

اسی طرح حالات، احوال اور عصری مصالح کے تقاضوں سے بھی احکام بدلتے ہیں، ورنہ آپ جانتے ہی ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے یہاں، ''مسلمانوں کے ساتھ مخصوص امر طاعت'' پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، اس لیے امامت، تدریس اور اذان پر بھی تنخواہ لینا درست نہیں ہے، لیکن متاخرین احناف نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا اور کہا ''لو کان ابو حنیفه لقال کذا'' اگر اس کی اجازت نہ دی جاتی تو بڑی دشواری پیدا ہوجاتی۔

کبھی کبھی مصالح کی بناپر ہمیں ائمہ کے اختلاف سے فائدہ بھی اٹھانا پڑے گا اور ضرورت کے تحت بعض جزئیات میں ''فقہ حنفی'' کے بجائے کسی دوسرے مکتب فقہ سے استفادہ کرنا ہوگا، مثلاً یہی عسرت اور عدم نفقہ کی بناء پر ''فسخ نکاح'' کا مسئلہ ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ احناف ''نامردی'' کے بناء پر نکاح کو قابل فسخ سمجھتے ہیں، جو وقتی اور کبھی کبھی پیش آنے والی ضرورت ہے تو نفقہ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے تو بدرجہ اولی نکاح فسخ ہونا چاہیے، اس لیے کہ وہ ہمہ وقتی اور زیادہ پیش آنے والی ضرورت ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ کی دلیل بہت مضبوط ہے مگر حنفیہ کی دلیل مضبوط تر ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ''نامردانگی'' مقصود نکاح ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب شئی کا مقصود ہی فوت ہوجائے تو وہ شئی بھی باقی نہیں رہتی، جبکہ ''نفقہ'' ایک ضمنی اور ذیلی چیز ہے اور کسی ضمنی چیز کے فقدان کی وجہ سے شئی مقصود فوت نہیں ہوتی، باقی رہتی ہے، اس لئے نفقہ کی عدم ادائے گی کے باوجود نکاح باقی رہے گا حق یہ ہے کہ اس ''جواب کا کوئی جواب نہیں''۔

مگر اب عورت اپنے خورد ونوش کا کرے کیا؟ امام صاحب فرماتے ہیں: ''شوہر کے نام پر قرض لے ''تستدین علیه''، لیکن سوال یہ ہے کہ اس دور میں ایسے لوگوں کو کون قرض دیتا ہے قرض بھی لوگ اس کو دیتے ہیں جو ادا کرسکتا ہے، اس لیے اگر اس کا نکاح فسخ نہ کیا جائے اور اسی طرح بغیر

نفقہ کے زندگی گذارنے کو کہا جائے تو فطری طور پر وہ معصیت کا دروازہ کھٹکھٹائے گی اور توالد و تناسل سے بھی اہم تر مقصود نکاح ''عفت و عصمت'' مجروح ہو کر رہ جائے گی، نکاح کا یہی ''مقصود عفت'' ہے۔جس کی طرف شادی شدہ مرد وعورت کو محصن اور محصنہ یعنی ''قلعہ بند'' کہہ کر اشارہ کیا گیا ہے کہ شادی کے بعد گویا وہ پاک دامنی کے قلعہ میں آجاتے ہیں۔''

حاصل یہ ہے دوستو! شریعت کے مخصوص حدود ہیں اور معاملات غیر محدود، اسی لیے فقہاء لکھتے ہیں:''النصوص محدودة والحوادث غير محدودة '' اگر ایسے مسائل کو آپ نے حل نہیں کیا تو وہ لوگ بڑھیں گے جو اس کے اہل نہیں ہیں۔

ایک تجویز

اس لیے میری ایک تجویز ہے کہ آپ حضرات مجلس علمیہ کے تحت ایک ''مجلس فقہ'' بنائیں، اس مجلس فقہ کا ماہ دو ماہ تین ماہ پر اجلاس ہوا کرے اور جدید فقہی حوادث پر اجتماعی غور و فکر کیا جائے، ملک کے دوسرے ایسے اداروں سے بھی اپنا ربط رکھے۔ کبھی آپ ہمیں بلائیں کبھی ہم آپ کو دعوت دیں، میں ابھی بنگلور میں بھی علماء کو یہی مشورے دے کر آیا ہوں، اور آپ سے بھی اسی کی گذارش کرتا ہوں، آپ اس کام کو معمولی نہ سمجھیں، آپ نے امت کی رہنمائی اور رہبری چھوڑ دی تو علماء کا وقار لوگوں کے دل سے نکل جائے گا اور جب علماء بے وقار ہو جائیں گے تو دین بے وقار ہو جائے گا اور لوگ اسے فرسودہ سمجھنے لگیں گے۔روس کے مقبوضہ مسلم علاقوں میں یہی واقعہ پیش آیا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جو کچھ باتیں کہی گئیں، اس پر کہنے والے اور سامعین کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ وآخر دعونا ان الحمد لله رب العالمين .

❁❁❁

مذہب کی اہمیت انسانی زندگی میں

فقیہ امت قاضی شریعت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے ۱۱؍فروری ۱۹۸۷ء کو مرلی گنج میں ''مذہب کی اہمیت انسانی زندگی میں'' کے موضوع پر مدلل اور مفصل تقریر فرمائی تھی۔

آج دنیا کے جو حالات ہیں ان میں ایک بڑا اہم سوال یہ ہے کہ مذہب کی ضرورت ہے یا نہیں؟ ویسے دنیا شاید جب سے بنی ہے آج تک کسی نہ کسی روپ میں مذہب ہر بستی میں ہر قوم میں موجود رہا ہے، پھر بھی آج یہ سوال پیدا کیا جا رہا ہے، کہ یہ لوگ جو ناستک ہیں دوسروں کو بنیاد پرست کہتے ہیں اور خود کو پروگریسیو کہتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ مذہب سے جھگڑا پیدا ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو مذہب کے ماننے والوں کو اس کا جواب دینا ضروری ہے۔

آدمی کے بارے میں ہمارا یقین ہے کہ اس کائنات میں جتنی بھی مخلوقات ہیں ان میں سب سے زیادہ اہم طاقت ور اور عظیم انسان ہے........ آدمی...... آدمی سے بڑا کوئی نہیں، ایٹم انرجی ہو، ہمالیہ کی اونچی سے اونچی چوٹی ہو، چاند کا حسن ہو، گلاب کی خوشبو ہو یا کوئی بھی خوبصورت سے خوبصورت چیز ہو، اپنی ساری بڑائیوں عظمتوں اور قدرتوں کے باوجود آدمی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اگر آدمی اپنی عظمت کو جان لے تو پھر وہ اس کائنات کے پیدا کرنے والے کو بھی پہچان لے گا، جس نے اب تک اپنے کو نہیں جانا ہے، وہ مفادات کے لیے اپنی جگہ سے ہٹ جاتا ہے، آدمی سب سے عظیم ہے، آدمی اس قدرت کا شاہکار ہے، جس کے مقابلے میں کوئی چیز بھی نہیں ہے۔

آدمی سے پوچھئے اگر سورج نہ نکلے تو تمہارا کیا گھاٹا ہے،، آدمی چیخ پڑے گا کہ سورج میری زندگی ہے، اس کی گرمی سے آدمی جیتا ہے، کھیتیوں میں اناج کو سورج کی گرمی سے زندگی کی لہریں ملتی ہیں، یہ سورج ہی تو ہے جو اپنی گرمی سے سمندر کے کلیجے کو دہکاتا ہے، اور سمندر کا پانی بھاپ بن کر بادل کی شکل اختیار کر لیتا ہے، مان سون کی ہوائیں اور ان کے دوش پر سوار ہو کر یہ بادل مختلف

حصوں میں پھیل جاتا ہے، پانی برستا ہے، زمین سیراب ہوتی ہے، مختلف ندی نالوں سے بہتا ہوا گنگا میں جاتا ہے جو اس کو بنگال میں لوٹا دیتی ہے۔ سورج کی گرمی نے جو پانی سمندر سے اڑایا تھا وہ اتنے سارے کام کر کے پھر سمندر میں لوٹ آتا ہے، گرمی سورج کی نہیں بنے گی تو بادل نہیں بنیں گے، پانی نہیں برسے گا، ہمارا اناج کہاں سے آئے گا۔ چاند کا حسن صرف شاعری کے لیے ہی نہیں ہے بلکہ اس کی روشنی پھلوں میں مٹھاس پیدا کرتی ہے، اور یہ ستارے ہمارے لئے گائیڈ کا کام دیتے ہیں۔

مٹی ...... یہ تو نہایت ضروری ہے، اب تو اس کے لیے مرلی گنج پٹنہ اور سہرسہ کے لوگ پریشان ہیں، یہ مٹی خرید رہے ہیں، یہ تو ہمارا آئرن سیف ہے، اس کے کئی خانے ہیں، اس سے کہیں سے کوئلہ (Bladk Diamand) نکالتے ہیں جس سے چولہا چلتا ہے، ریل چلتی ہے اب تو اس سے پٹرول بھی بن رہا ہے کہیں سونا، کہیں سے چونا، کہیں پر ہم مختلف ایسی چیزیں نکالتے ہیں جس میں ہماری راحت کے کئی سامان ہیں۔

پانی ...... یہ تو بہت ضروری ہے، شہد کی مکھی ..... وہ بھی ہمیں چاہئے، ریشم کا کیڑا بھی ہمیں چاہئے۔

سورج جیسی عظیم مخلوق ہو یا ریشم کے کیڑے جیسی حقیر مخلوق سب آپ کو چاہئے۔ آپ تو چاہتے ہیں کہ سانپ بھی دنیا میں رہے، حالانکہ یہ زہریلی چیز ہے، لیکن آپ اس کو چاہتے ہیں، کیوں کہ یہ فضلہ کے زہریلے اثرات کو جذب کرتے ہیں، اس کے زہریلے اثرات سے بچالیتا ہے۔

یہ گائے ہمیں دودھ پلاتی ہے، گھوڑا ہماری سواری ہے، ہاتھی ہمیں چاہئے کوئی چیز ایسی نہیں جو ہمیں نہیں چاہئے۔

آپ کو تو چاہئے لیکن آپ کسی کو چاہئے یا نہیں ہر چیز آپ کو چاہئے۔ لیکن آپ کسی کی ضرورت نہیں، سورج کو آپ کی پرواہ نہیں، آپ نہ ہوں تو مٹی خوش ہوگی، چاند خوش ہوگا کہ اب تک تو یہ زمین کو روندتا تھا اب تو اس نے مجھے بھی روندنا شروع کر دیا ہے۔

بات دراصل سمجھنے کی یہ ہے کہ انسان اگر رہتا ہے تو اس کے رہنے سے دنیا میں کسی کو فائدہ نہیں، لیکن سنسار کی ہر چیز سے انسان کو فائدہ ہے، اپنی بات کو میں نے خود الٹ دیا، انسان کو میں نے انتہائی اہم کہا، اب پھر آدمی کیسے بڑا ہے۔

میں یہاں حاضر ہوا ہوں۔ آپ مرلی گنج کے لوگ ہیں آپ نے یہ سب انتظام کیا ہے، اب اگر کوئی پوچھے مائک نہ رہے تو قاضی صاحب کو تکلیف ہوگی یا نہیں میں بحثیت مہمان کے جب یہاں آیا ہوں تو میرے لیے سب چیزوں کی ضرورت ہے، لیکن میرے نہ رہنے سے کرسی یا مائک کا کوئی نقصان نہیں۔

کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ سامان مہمان سے بڑھ کر ہے جس کے لیے اس کا انتظام کیا گیا ہے اس سنسار کی چیزیں انسان کے لیے پیدا کی گئی ہیں، انسان کو ان کے لئے نہیں پیدا کیا گیا۔ اس لئے آدمی کی ان کو ضرورت نہیں ہے، یہ سارے انسان کے نوکر چاکر ہیں، انسان ان کا مخدوم ہے، ان کا کام آدمی کو آرام پہنچانا ہے چلنے کے لیے زمین، ہوا، پانی اور فضاؤں کو مسخر کردیا، سمندر کی لہریں ایٹم کی انرجی یہ سب چیز تم ان کے حوالہ کرو۔ مہمان کیوں آیا ہے انسان کے لیے، اتنا انتظام کیوں کیا گیا ہے؟ سائنس ایک لاکھ ترقی کے باوجود یہ نہیں کہہ سکتی کہ میں نے پیدا کیا ہے۔ سائنس کا کام ڈسکور کرنا ہے، ریسرچ ہے، وجود بخشنا نہیں ہے، عمل اور ایکشن کو جاننا ہے اس کے مصرف کا جاننا ہے، ایٹم کی انرجی سے ہیروشیما اور ناگاساکی بھی بن سکتے ہیں، اور ہندوستان کے اندھیارے کو بھی دور کیا جاسکتا ہے۔

یہیں سے یہ بات سمجھنے کی ہے کہ جب سب چیزیں آدمی کے لیے ہیں تو اس کا کوئی وجود اور مقصد ہونا چاہئے، مذہب انسان سے یہ کہتا ہے کہ آپ بے سوچی سمجھی چیز نہیں ہیں، یہ سنسار منظم مربوط اور منصوبہ بند ہے، ہر شئے کے پیچھے کوئی Reeson کوئی Csuse ہے۔ جب ان کو آدمی تہہ سے اوپر لاتا ہے تو آدمی کو پتہ چلتا ہے۔

مذہب اور ناستکتا میں فرق یہ ہے کہ ناستکتا یہ کہتا ہے کہ یہ AT Randam وجود میں آیا ہے، اس کو نیچر کا نتیجہ قرار دیتا ہے،، نیچر کیا ہے اس کو وہ خود بھی نہیں بتا سکتا، اور مذہب کہتا ہے کہ سنسار میں سوچ بلکہ سنسار کو چھوڑ اور خود کو سوچ، یہ تمہارے اندر جو دل ہے ایک پمپنگ سیٹ ہے، یہاں دل میں الیکٹرسٹی بھی پیدا ہوتی ہے۔ آج کل دل میں بیٹری لگائی جانے لگی ہے، آج تم کینسر پر قابو نہیں پارہے ہو، کیوں کہ انسان کے بدن میں خلیوں کے بڑھنے اور گھٹنے کا ایک توازن ہونا چاہئے، اگر بڑھنا اور گھٹنا غیر متوازن ہوجائے تو کینسر ہوجاتا ہے، قرآن نے کہا ہے: ”جو کچھ تم

جانتے ہو اس سے کم ہے، جو تم نہیں جانتے ہو"۔ "وما اوتیتم من العلم الا قلیلا" اس سے آدمی میں ابھار پیدا ہوتا ہے۔

اللہ کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں، تم کو دکھائی کم دے رہا ہے۔ "وان من شئی الا عندالله خزائنه" تم تو ذرا ذرا میں گھبرا جاتے ہو، اور پیدا ہونے سے پہلے اپنی اولاد کو ختم کرنے لگتے ہو، ساری نسل کو تم اس لئے ختم کرنا چاہتے ہو کہ کہاں سے کھلائیں گے۔ Abortoin کرا کر یا کسی کو اس لیے وجود میں نہیں آنے دیتے کہ اسے کہاں سے کھلائیں گے........ یہ انسان اپنی طاقت کو دیکھتا ہے، مستقبل میں جو مل سکتا ہے وہ اس کے سامنے نہیں، اللہ کو جاننے والا جانتا ہے کہ اللہ میرے لیے سارا انتظام کرتا ہے، میری ماں کے سینے میں دودھ، میرے باپ کے دل میں محبت کس نے ڈالی، کیسے یہ اعضا آنکھ، کان، ناک، کام کرتے ہیں، پانچوں انگلیاں برابر نہیں مشہور بات ہے کہ مینجر جانتا تھا کہ ہمیں کس چیز کو پکڑنا ہے؟ ہمارے تلوے میں گڑھا کس نے بنایا؟ مجھے بینائی کس نے دی؟ کیا یہ سب Atrandom؟ کیا یہ سب یونہی ہو گیا؟ یہ اس نے کیا جو قدیر ہے، علیم ہے۔ جس کا علم لامتناہی ہے، وہ بہت رحیم بھی ہے، وہ جو بلی کے پنجو میں طاقت دیتا ہے کہ اپنے دشمن سے مقابلہ کر کے اپنی حفاظت کر سکے۔

یہاں اصل بنیادی ٹکراؤ اس چیز میں ہے کہ یہاں کا نظام کسی ایک پیدا کرنے والے کا کرشمہ ہے یا Atrandom ہے؟

اگر ضد میں آدمی ہو کہ ہم نہیں مانیں گے اگر اندر سے اس کی آواز بولے کہ ایسی کوئی ہستی ضرور ہے جو علیم ہے، کوئی چیز اس کی نگاہ سے چھپ نہیں سکتی جس کو ہم دیکھ نہیں سکتے، لیکن محسوس کر سکتے ہیں، تو اس کا کوئی علاج نہیں، بجلی کی لہریں جو اس ٹیوب کو روشن کر رہی ہے، ہم دیکھ نہیں سکتے، لیکن محسوس کر سکتے ہیں، انسان نے اسے محسوس کیا ہے، دیکھا نہیں ہے، آدمی ایمانداری سے غور کرے تو اندر سے بول سکتا ہے کہ کوئی کون ہے؟ اس میں جھگڑا چلتا رہے گا، لیکن کوئی ہے ضرور، آج تو سائنسداں بھی اپنی عاجزی کا اظہار کرنے لگے ہیں، دنیا میں سب سے بڑی لڑائی یہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر یہ طے کر لو کہ اس کے پیچھے اللہ کا ہاتھ ہے، وہ تنہا ہمارے سنسار کو اپنی طاقت سے پیدا کرتا ہے، یہیں سے یہ بات پیدا ہوتی ہے، دوسرا راستہ یہ ہے کہ سب کچھ یوں ہی ہو گیا، تو

انسان آزاد ہے من مانی کرے، اور اگر وہ اللہ کو مانتا ہے تو اس کو پوچھنا پڑے گا کہ آپ نے ہم کو کیوں پیدا کیا؟ آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ مذہب اپنا کام یہیں سے شروع کرتا ہے، مذہب اور انسان کی زندگی کی حقیقتوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں، اگر کوئی کہے کہ ریل میں بیٹھ کر ہم بمبئی گئے اور ہماری ریل گودی میں کھڑے جہاز سے ٹکرا گئی تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سائنس اور مذہب میں ٹکراؤ ہے ہی نہیں، ان کے کام الگ الگ ہیں، آدمی کے اندر کھانا کھانے کی خواہش فطری چیز ہے، مذہب آپ کو کھانے سے منع نہیں کرتا، ڈاکٹر آپ کو فائدہ مند اور نقصان دہ چیز بتائے گا۔ مذہب آپ کو کھانے سے منع نہیں کرتا، بلکہ یہ بتاتا ہے کہ کہاں سے لاتے ہو دیکھ کر کھاؤ، کسی غریب کا خون چوس کر تو نہیں لائے ہو۔ ایک بڑھیا اپنے بیٹے کے علاج کے لیے مجبور ہو کر آپ کے پاس دو سو روپیہ لے کر آتی ہے اور تم اس سے چار سو وصول کرتے ہو، تمہاری اونچی کوٹھی کے مقابلہ میں اس کا جھونپڑا تم کو اچھا نہیں لگتا، تم اس بات کی کوشش کرتے ہو کہ کسی طرح بھی اس کی جھونپڑی خرید لوں۔

پینا ہے تو پانی پیو، شربت ہے اور چیزیں ہیں، ہاں! ایسی چیز مت پیو جو آدمیت کو خراب کردے جیسے شراب اس سے عقل بگڑ جائے گی، قرآن کہتا ہے: ”اس کا نقصان زیادہ ہے نفع کم ہے“۔

چوری کا مال نہیں کھانا ہے، زبان سے ایسا بول نہیں بولیے جس سے دوسرے کا دل دکھ جائے۔ گالی نہ بولیں، ہاتھ اٹھیں مگر کسی مظلوم کو ظالم کے ظلم سے بچانے کے لیے، کسی پر ظلم کے لیے نہیں، وہ ہاتھ جو کمزور پر ظلم کے لیے اٹھتا ہے، کاٹ ڈالے جانے کے لائق ہے، آنکھیں دیکھنے کے لیے ہیں، لیکن کسی کے اندر جھانک کر کسی کی برائی کا دیکھنا منع ہے، دوسرے کی بیوی بیٹی کو دیکھو یہ غلط ہے، آپ زبان کے جو نام دیں گے آپ اس کو Morality کہیں گے، آدمی Atrandom ہے یا Pean کے تحت ہے، مذہب یہاں لگام لگاتا ہے، انسان اس سنسار کے لیے جئے تو اس کا جینا کیا ہوا۔ مالی کا کام پھولوں کا کچلنا نہیں ہوتا، اس کا کام تو پھولوں کو بڑھانا ہوتا ہے۔

اگر مذہب سچ مچ ہے تو اللہ یہ کہتا ہے کہ لوگو! ”ہم نے تم کو عقل دی ہے، یہ وہ کام ہے جس سے کائنات کے بند دروازے کھلیں گے، ہمارا پیغام لے کر سنسار کے ہر کونے میں ہم نے اپنے بندے بھیجے، وہ ایشور نہیں تھے، وہ ہمارے بندے ہیں، آپ سنتے ہوں گے محمد مصطفیٰ، مصطفیٰ کے معنی

ہیں Selected اللہ کا۔ Message لے کر یہ لوگ آئے ....'' کیا یہ پیغام؟ پہلا سوال خود تمہارے اندر پیدا ہوا تھا کہ ہم کیسے جئیں؟ اس کا جواب دے کر ایشور نے ہر بستی میں ہر زمانے میں اپنے بندے بھیجے ہیں۔ جو آدمی کو سچے راستے کی طرف لے جانے والے ہیں، ہر زمانے میں یہ لوگ آئے ہیں اور جس دھرتی پر آئے ہیں اس دھرتی کی زبان اور بولی میں پیغام لائے ہیں، ہر زمانے میں، ہر جگہ آئے ہیں، قرآن کہتا ہے: ''ہم کوئی نئی بات لے کر نہیں آئے ہیں، وہی بات جو سنسار کے ہر حصے میں ہر بستی میں اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں نے کہی تھی، اس بات کو ہم یاد دلانے آئے ہیں۔ دنیا اس کو بھول چکی ہے یا اس میں ملاوٹ کر دی ہے، اس کو ہم بتاتے ہیں......اس بات کو پکار نے تصدیق کرنے والے ہیں، اور وہ سچائی یہ ہے کہ اس سنسار کا پیدا کرنے والا ایک ہے، اس کے کہنے کے مطابق جیون کا بتانا انسان کا فریضہ ہے۔ ہم کوئی نئی بات نہیں بتاتے، اس لیے وہ شخص مسلمان نہیں جو ایشور کے کسی بات کا بھی انکار کر دے۔ ایمان مفصل میں ہے ''اللہ کو ماننا، اللہ کے سب رسولوں کو ماننا اور سب کتابوں کو ماننا اور آخرت پر یقین رکھنا ضروری ہے۔''

عبادت کے معنی بندگی اور غلامی کے ہیں اس لیے ہر حکم کے آگے سر جھکا دینا انسان کا فریضہ ہے، کیونکہ آدمی کے لیے نجات کا تنہا راستہ یہی ہے،، جھگڑا کہاں ہے؟ جھگڑا اس وقت پیدا ہوگا جب ملاوٹ ہو، سچی بات کہنے سے برا کوئی مانے تو کوئی بات نہیں۔

انسان سب اللہ کے بنائے ہوئے ہیں، اور ایک ہی ماں باپ سے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ پورے سنسار میں چاہے وہ افریقہ کے رہنے والے ہوں، یورپ کے وہائٹ ہوں، چائنا کے میلے ہوں، ایشیاء کے کلرڈ ہوں، عربی بولنے والے ہوں، فارسی بولنے والے ہوں، سنسکرت بولنے والے ہوں، انگریزی بولنے والے ہوں فرنچ بولتے ہوں، بول نسل رنگ، ملک کچھ بھی ہو، سارے انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، پیدا کرنے والا ایک ہے، مجھے بتایئے میں کس بات پر اکڑوں۔ یہ کاسٹ کا جھگڑا آدمی کے اپنے بنائے ہوئے من گھڑت اصول ہیں، اللہ نے برادری کی بنا پر عزت اور دولت والا نہیں بنایا، کیریکٹر کی بنا پر چھوٹے بڑے ہو سکتے ہیں ذات پات کی بنا پر نہیں۔

جنوبی افریقہ میں کالے انسان آدمی نہیں سمجھے جاتے، سمندر کے کنارے وہاں بہت خوبصورت باغ بنے ہوئے ہیں ڈربن کا سمندر بہت ہی خوبصورت ہے، لیکن تختیاں لگی ہوئی ہیں۔

ایک کالے آدمی کا بچہ اس کی گود میں مچل اٹھتا ہے کہ میں اس باغ میں جاؤں گا، لیکن باپ نہیں لے جا سکتا، اگر لے جائے تو اسے سزا ہو جائے، بچہ کی عقل قبول نہیں کر سکتی کہ جب اس سفید آدمی کے بچے وہاں کھیل سکتے ہیں، تو میں کیوں نہیں کھیل سکتا۔ آدمی اور آدمی کے درمیان یہ فرق ہر جگہ ہے، اسکول میں فرق، ہوائی جہازوں کی سیٹوں میں فرق .... امریکہ کہتا ہے کہ ہم نے بہت ترقی کی۔ یوروپ انسانیت کے کھوکھلے نعرہ لگاتا ہے، لیکن نسلی برتری کا جو غرور ان کے دماغوں میں ہے، یہ آدمیت کی سب سے بڑی بے عزتی ہے، مسلمان جسے اس بھید بھاؤ کو مٹانا تھا خود اس میں مبتلا ہے۔ ''یا ایھا الناس اتقوا ربکم .... الخ'' حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضورؐ نے فرمایا: ''اے لوگو! ذات پات، بھید بھاؤ کے تصور کو میں اپنے پیروں تلے روند کر جا رہا ہوں، کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں .... ''کلکم بنو آدم و آدم من تراب'' تم میں کوئی بڑا، چھوٹا نہیں۔ لوگو! جاہلیت کے زمانے کی اکڑ میں سب مٹا کر جا رہا ہوں۔ اگر تمہارا کیرکٹر اچھا ہے تو تم اچھے ہو ورنہ نہیں۔ انسان کو اس بنا پر چھوٹا نہیں بنایا جا سکتا جو اس کے اختیار میں نہیں، کوئی اپنے اختیار سے سید، براہمن یا چمار کے گھر میں نہیں پیدا ہوا، انسان کو اونچا اور نیچا کرنے کے لیے جو یہ ترازو ہیں غلط ہیں، دولت سے بھی آدمی اچھا یا برا نہیں ہوتا۔ اگر کوئی پوچھے مرلی گنج کا سب سے اچھا آدمی کون ہے؟ (یہاں تفصیلی مثالیں دیں)

کالج میں پڑھاتے ضرور ہو لیکن پوری بات کلاس میں نہیں بتاتے، تاکہ ٹیوشن پڑھنے آئے۔ علم کی چوری کرتے ہو، علم کی چوری کرنے والے کو آگ کی لگام دی جائے گی۔ بادشاہ وقت نے امام بخاری سے کہا کہ ''ٹھیک ہے میرے بچہ کو میرے محل آ کر پڑھا دیں''۔ آج علم کو بیچا جاتا ہے، ذلیل ہے، آج سرمایہ کو زیادہ عزت ہے، دولت مند پیسے سے علم کو خریدتا ہے، تو امام بخاری نے کہا کہ ''میں علم کو ذلیل نہیں کر سکتا''۔ بادشاہ نے کہا: ''ٹھیک ہے میرا بیٹا آپ کے پاس آئے گا، مگر اس کے لئے اسپیشل کلاس لیجئے، اس وقت کوئی دوسرا نہ آئے''، تو انہوں نے یہ حدیث سنائی، اس پر وہ جلاوطن کئے گئے، بڑی تکلیفیں اٹھائیں مگر اس کے لئے تیار نہیں ہوئے، کہ علم کو بادشاہ کا غلام بنائیں یا علم کی چوری کریں۔

پتے کی پتھری نکالنے کا پانچ سو روپیہ طے ہوا۔ پتے میں تو پتھر تھا ہی مگر آنت میں بھی کچھ

اور تھا، کہا پانچ سو روپے اور لاؤ تو وہ بھی نکال دوں، نہیں تو دوسرے وقت کے لیے رکھ دوں، بڑھیا کا بیٹا مر رہا ہے، مگر یہ اپنے دو سو کے چار سو کرنے کی فکر میں ہیں۔ ایک پہلوان ہیں مرلی گنج کے پاس ہیں، یہ کسی کو کرایہ نہیں دیتے، پانچواں آدمی ہے، اس نے بڑی مشکل سے جوڑ توڑ کر اپنی بیٹی کے بیاہ کے لئے پانچ ہزار روپے جمع کئے تھے، لیکن جب اس شخص کے پڑوس میں ایک شخص پر مصیبت آئی تو اس نے نکال کر اسے دے دیا، یہ کسی پر مصیبت آنے پر سب سے پہلے ڈاکٹر کو بلا لاتے ہیں، اب بتاؤ یہ ٹھیک ہے جس کا کوئی اثر نہیں جس کے مال نہیں، علم نہیں، اس کا یہ حال ہے وہ بہتر ہے یا یہ مالدار۔

اے عظیم الشان لیکچر دینے والو! مجھے بتاؤ کیسے آدمی ہو جبکہ تم بازار میں اپنے بیٹے کا بھاؤ لگاتے ہو، ایک لڑکا کا ایک لڑکی سے شادی کرتا ہے، بیٹی والا سود پر قرض لاتا ہے، گھر، کھیت بیچتا ہے، یہ کون سا سماج ہے؟ یہ آدمیت کا سماج کہلا سکتا ہے؟ یہ انسانیت کا سماج ہے؟ مذہبی سماج اس کو گوارہ نہیں کر سکتا، وہ بیٹی جو انسانیت کی لاج ہے، اس کی آبرو ہے، بیٹا اچھا لگتا ہے چاہے وہ باپ کو جوتے مارے، بورڈ پر لکھ دو کہ اس بیٹے کا اتنا دام ہے، اسلام کے بارے میں جانتا ہوں کہ یہ منع ہے، ہندو مذہب کے بارے میں یقین ہے کہ اگر وہاں مذہبیت ہے تو وہاں بھی یہ چیز منع ہوگی۔ حدیث میں ہے جس کو اللہ نے بیٹی دیا اور اس نے اس بیٹی کو لکھایا پڑھایا، ادب، تہذیب سکھایا تو قیامت کے دن جنت میں میرے ساتھ ہوگا جیسے یہ دونوں انگلیاں ہیں۔ فرمایا سب سے اچھی شادی وہ ہے جس میں خرچ کم ہو، تم دولت کی نمائش کرتے ہو، ایک شادی پر جتنا خرچ کرتے ہو اس سے کتنے فائدے کے کام ہو سکتے تھے، یہ آدمیت کے چہرہ پر بدترین زخم ہے یہ وہ تصور ہے جس میں عورت کو انسان نہیں مانا گیا تھا، قرآن نے صاف کہا ہے کہ "نکاح حلال ہے، مگر پیسے خرچ کرنا آدمی کے ذمے ہے"۔ صدر خاندان آدمی کو اس لیے ہی بنایا گیا کہ اس میں دو باتیں ہیں برداشت کر کے سب کو ساتھ لے کر چلنے کی صلاحیت اور کمانے والا نہیں، کوئی مذہب اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔ تو میں ان سے کہتا ہوں کہ تم اس کو نہیں مٹا سکتے۔ اور تم نوجوانوں! کتنے بے غیرت ہو، تم کو موٹر سائیکل اور گھڑی چاہیئے تم اپنے بازوؤں کے بل پر اپنا ارمان پورا نہیں کر سکتے، بیویوں کے بل پر ارمان پورا کرنا چاہتے ہو، تم تو دوسروں کے ارمان پورا کرنے والے تھے، یہ خود غرضی، مذہب اس کی اجازت نہیں دے سکتا، زبردستوں نے کمزوروں پر یہ اصول بنائے ہیں۔ شادی بیاہ کو یہاں مقدس

مذہبی حیثیت حاصل ہے۔ اسلام میں بھی اس کو ایک مذہبی تقدس حاصل ہے۔ ہندو مذہب میں بھی جب تک آگ کے گرد پھیرے نہیں ہوتے شادی نہیں ہوتی، ڈھول مسجد کے سامنے بجانے پر لڑلو، لیکن جب مذہب سچائی کے ساتھ آتا ہے تو اس کو نکال دیتے ہو، اس لیے میں کہتا ہوں کہ مذہب لڑائی نہیں سکھاتا ہے، آدمی آدمی برابر ہیں، میں اگر کہوں کہ جہیز کا لین دین برائی ہے استحصال ہے۔ مرلی گنج میں مجھے ووٹ لینے ہوتے ہیں تو جب تک جذبات کو نہ ابھاردوں ووٹ بینک کیسے پیدا ہوسکتا ہے۔ اصل میں جھگڑا مذہب کا نہیں سیاست کا ہے، دیکھنا یہ ہے کہ اہل سیاست مذہب کا استحصال کرتے ہیں اور اہل مذہب اپنی بیوقوفی سے کیسے استعمال ہوجاتے ہیں، ہم نے ایک دوسرے کو بہت کچھ لیا دیا ہے، سچائی سچائی ہے۔ جھگڑا اصل میں وہاں سے شروع ہوتا ہے جب اہل سیاست اپنے اغراض ومقاصد کے لیے عوام کو استعمال کرتے ہیں، ورنہ ہمارے ملک کی یہ رنگارنگی، کہیں گلاب، کہیں چمبیلی کہیں بیلا یہ چمن کو ایسا حسین بنارہے ہیں کہ پیار کرنے کے لائق ہوجاتا ہے، جھنجھٹ اہل سیاست پیدا کرتے ہیں۔ مسائل حل نہیں ہونے دیتے ہیں۔ انسان پنجاب میں کاٹے جارہے ہیں، یہ مذہب کی نہیں سیاست کی لڑائی ہے، اور اس کا نقصان مذہب کو پہنچ رہا ہے، نوجوان اس کو محسوس نہ کرتے ہوئے مذہب سے مایوس ہوجاتا ہے، اور یہیں سے ناستکتا کی بنیاد پڑتی ہے۔ انسان کو دل کی شانتی اللہ کی شانتی ماننے سے حاصل ہوسکتی ہے۔ مغربی تہذیب کی بنیاد خودغرضی پر ہے یا حصول لذت پر، یوروپ نے عورت کو ننگا کردیا۔ نعرہ برابری کا دیا، برابری کے لیے کمانے کے واسطے عورت کو گھر سے باہر کیا، پھر آہستہ آہستہ اس کے بدن کا کپڑا اتار کر لذت کی خاطر ننگا کردیا اور کہا کہ ہم پروگریسیو ہیں۔ اب ہم ایسے لمبے کرتے پہننے والے کہیں کہ ہاں، بہن کی عزت کا خیال رکھو، ان کو دوسروں کی لذت کا سامان نہ بناؤ اس کے اخلاق سے ہماری آنے والی نسل کا اخلاق بگڑے گا۔ ہم نے بھی یوروپ کے خیالات اسمگل کیے ہیں، اسمگل کیا ہوا مال اچھا لگتا ہے نا؟ یوروپ کے ذہنی طور پر اب بھی ہم غلام ہیں۔

آدمی کو پہچانئے کہ وہ کیا ہے، اللہ ہم کو اس کے آدیش کا پالن کرنے والا بنائے، اور ہم کو اصل سچائی کا پہچاننے والا بنائے۔ بنیادی حقائق کو پہچاننے والا بنائے۔

❁❁❁

نرخ بالا کن کہ ارزانم ہنوز

جمعۃ الوداع کو یوم اصلاح معاشرہ کے طور پر منائیں

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تجویز کے مطابق معاشرہ کی تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے مجلس اصلاح معاشرہ کی تحریک کا نام اور جمعۃ الوداع کے دن اصلاح معاشرہ کا دن منانے کا فیصلہ مبارک اور اہم فیصلہ ہے۔ ضرورت ہے کہ اُن غلط اور کافرانہ رسموں کو مٹانے کے لئے جہادی روح کی ساتھ طاقت ور مہم چلائی جائے، جو ہمارے سماج کو اللہ کی ہدایات سے دور اور طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منحرف کر رہی ہیں۔

آج مسلم معاشرہ بگاڑ کا شکار ہے اور پورا سماج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ خطوط سے انحراف کر رہا ہے، یہ بڑا فتنہ اور عظیم خطرہ ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ معاشرتی زندگی سے اسلام کو مسلمانوں نے جلاوطن کر دیا ہو، چند رسموں کا نام دین ہے، حقیقت کی جستجو نہیں ہے، اللہ کا خوف دل سے غائب ہے، دنیا اور مال کی ہوس میں ہم پاگل ہوتے جا رہے ہیں، قرآن کا صحیح ارشاد ہے کہ ”جو دین اسلام کو چھوڑ کر کیسا ہی طریق زندگی کیوں نہ اختیار کرے اللہ کے یہاں وہ مقبول نہیں ہو سکتا ہے۔“ (آل عمران)

قرآن نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ ”جو رسول کا راستہ چھوڑ کر الگ راستہ بنائے اور غیر مسلموں کے طریقہ کو اختیار کرے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا جو بدترین ٹھکانہ ہے۔“

شادی بیاہ میں ہم نے لڑکوں کی خرید و فروخت کو اپنے سماج میں رواج دے دیا ہے، آج ایک غریب اور بیوہ عورت جو لوگوں کے گھروں میں برتن مانجھ کر اپنے لیے روٹی کماتی ہے، جب وہ اپنی یتیم بیٹی کا بیاہ کرنا چاہتی ہے تو اس سے بھی ریڈیو، گھڑی، سائیکل اور نقد روپے مانگے جاتے ہیں، بڑے لوگ ڈاکٹر اور انجینیئر داماد کی تلاش میں تھیلیوں میں روپے لے کر گھومتے ہیں، اور لڑکے والے مختلف خریداروں کے بینک بیلنس کا جائزہ لے رہے ہیں اور پکار پکار کر کہتے ہیں کہ.........

نرخ بالا کن کہ ارزانم ہنوز۔

”کچھ اور دام بڑھائیے، کچھ اور دام بڑھائیے۔“

بارات لے جانے کے لیے بس کا کرایہ آپ ہی دیجئے، اور آپ کی لڑکی کے لئے بری اور ڈالی کے کپڑے خرید کر لے جاؤں گا اس کے پیسے بھی آپ دیجئے، دیکھئے! کھانے میں ہمارے مہمانوں کو کوئی تکلیف نہیں ہو، یہ اور اس قسم کی تمام وہ چیزیں جو شادیوں میں مسلمانوں میں مروج ہیں قطعی طور پر کافرانہ طریقہ ہیں، اس کا اسلام، ایمان اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

❀❀❀

تلک اور جہیز جیسی قبیح رسم کو جو مٹائے وہ جہاد کا رتبہ پائے

۲۹ ستمبر ۱۹۷۵ء کو بیگم قمر النساء صاحبہ (پرنسپل ایوب اردو گرلس ہائی اسکول پٹنہ) کے استفسار پر حضرت فقیہ امت کا دلدوز مکتوب

بخدمت شریف جناب مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاسمی

جناب عالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ............... ہماری قومی زندگی میں غیر شرعی رسوم کا دخل بہت زیادہ ہو رہا ہے، جس کا اثر نہ صرف ہمارے معاشرہ بلکہ مذہبی اصولوں پر بھی ہو رہا ہے۔

اس سلسلے میں مجھے آپ سے ایسے دو تین امور پر واضح ارشادات کی ضرورت ہے تا کہ میں انہیں اصلاح کے طور پر خواتین میں نشر کروں۔

(۱) شادی میں لڑکی والوں سے مطالبہ "سلامی" یا کسی اور صورت میں غیر شرعی اور اسلامی اصول کے خلاف ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کے متعلق کوئی فتویٰ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

یہ دیکھا گیا ہے کہ نماز جمعہ کے بعد اکثر اس کے متعلق خطاب ہوتے ہیں، لیکن اس کا اثر سامعین پر نہیں ہوتا، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ مقرر کے ذاتی خیالات ہیں، اگر یہ معاملہ فتویٰ یا مذہب کے نام پر ان کو بتائے جائیں گے تو کم از کم خواتین پر اس کا اثر زیادہ ہوگا، کیونکہ وہ تو مساجد کے خطبے بھی نہیں سنتی ہیں۔

(۲) اگر لڑکی والوں سے مطالبات اور خصوصاً جبر دے کر پورے کرائے جائیں تو اس حالت میں نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟

(۳) قاضی صاحبان جو نکاح پڑھانے کے لیے بلائے جاتے ہیں کیا ان کو یہ لازم نہیں

ہے کہ ایسے موقع پر جہاں مطالبات ہوتے ہیں نکاح پڑھانے سے انکار کردیں؟ اس کا وہ اعلان کریں اوران کواس کے لیے مجبور کیا جائے ، یہ ممکن ہے یا نہیں؟

ان والدین کی حالت قابل رحم ہے جو مفلسی کے سبب. مطالبے پورے کرنے سے معذور ہیں ساتھ ہی سیانی لڑکیوں کو گھر میں بٹھا کر رکھنا بھی دشوار ہورہا ہے۔

مجھے توقع ہے کہ آپ اس امر پر روشنی ڈال کر قوم کی بچیوں کو مدد دیں گے۔

والسلام

قمرالنساء بیگم (پرنسپل ایوب گرلس ہائی اسکول، پٹنہ)

محترمہ بیگم قمرالنساء صاحب (پرنسپل ایوب گرلس ہائی اسکول، پٹنہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

گرامی نامہ موصول ہوا، آپ نے جس بدترین غیر شرعی رسم کا تذکرہ اپنے گرامی نامہ میں کیا ہے بلاشبہ وہ ہماری معاشرتی زندگی کا رستا ہوا ناسور ہے، اوراس طرح کی غیر صحت مند رسموں کو مٹانے کے لئے جو بھی کوشش کی جائے گی وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجر کا موجب ہوگی۔

جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کی ہوئی سنتوں کے مٹ جانے کا ذریعہ بنی ہیں، اس لیے اگران بدعات کو مٹایا جائے اور پھر معاشرت کوان صالح اور صحت مند قدروں پر قائم کیا جائے ، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر مبنی ہیں تو اس راہ میں کی جانے والی ہر کوشش جہاد کا رتبہ پائے گی۔

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے .... ''جس نے میری مردہ سنت کو زندہ کیا اس کے لیے سوشہیدوں کا ثواب ہے۔''

بہر حال تلک اور شادی کے موقع پر فرمائش کی مذموم مہم کو مٹانے کے لیے جو کوشش آپ فرمارہی ہیں، اس کے لیے میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔

آپ کے سوالات کے جوابات حسب ترتیب درج ذیل ہیں۔

(۱) شادی میں لڑکی والوں سے سلامی، جوڑا یا اور کسی صورت میں نقد یا سامان کا مطالبہ

ناجائز اور حرام ہے اور اس طرح کے مال کا استعمال بھی حلال نہیں، اس لئے کہ شرعاً یہ رشوت ہے، اور رشوت کا مال حلال نہیں، اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ایسا مال لینے والا اور دینے والا دونوں ہی جہنمی ہیں۔ پہلے زمانہ میں لڑکی والے ہی لڑکے کے والدین سے رقم لیتے تھے۔ اب لڑکا لڑکی کے والدین سے رقم لیتا ہے، دونوں ہی صورتیں ناجائز اور حرام ہیں، پہلی صورت کے متعلق کتب فقہ میں صراحت موجود ہے علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: "ومن السحت مایا خذہ المهر من الختن لسبب بنته ولو بطيب نفسه"

سسر اپنی لڑکی دینے کی بنیاد پر داماد سے جو رقم اس کی خوشی سے لے وہ بھی حرام ہے، اسی طرح وہ رقم بھی حرام ہے جو لڑکے کا باپ اپنے لڑکے کو بنیاد بنا کر لڑکی والے سے لیتا ہے، یعنی چونکہ وہ اپنے لڑکے سے شادی کرتا ہے، اس لئے لڑکی والے سے روپے وصول کرتا ہے وہ روپیہ لڑکی والا خوشی سے دے یا جبر سے، دونوں حالتوں میں حرام ہے، علامہ ابن نجیم مصری علیہ الرحمہ نے البحر الرائق میں شادی میں لی ہوئی رقوم کو رشوت قرار دیا ہے، شادی میں لی ہوئی رقوم چاہے ہدیہ کے نام سے ہی کیوں نہ لی جائے۔ لکھتے ہیں:

"ومنها ما في البزارية الاخ ابى ان يزوج الاخت الا ان يدفع له ان ياخذه منه قائما او هالكا لانه رشوة وعلى قياس هذا يرجع بالهدية ايضا في المسئلة المتقدمه اذا علم من حاله انه لا يزوجه بالهدية والا لا."

نیز قرآن کریم کی آیت "واحل لكم ما وراء ذالكم ان تبتغوا باموالكم" کے تحت نکاح کے سلسلے میں مرد پر تو مہر کی رقم ضرور عائد کی گئی ہے، لیکن عورت کو کسی بھی طرح کی مالی ذمہ داری سے بری رکھا گیا ہے، یہ رسم و رواج مرد پر واجب مہر کو تو ادھار بنا دیتا ہے، لیکن عورت پر نقد رقم کی ادیگی ضروری قرار دے دیتا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ رسم دراصل قرآن کی قائم کی ہوئی ترتیب کو توڑ دینے والی ہے، اس لیے کسی طرح از روئے شریعت قابل برداشت نہیں ہو سکتی۔

شرع اسلامی نے عقد نکاح کو نہایت سہل اور آسان بنایا، اس لیے کہ اگر حلال کا راستہ آسان نہیں رہے گا تو حرام کی طرف لوگوں کے قدم اٹھنے لگیں گے، شریعت اسلامی کی یہ بہت اہم خصوصیت ہے، انہوں نے فتنوں کا دروازہ بند کرنے اور حرام سے بچانے کے لیے حلال کو سہل بنایا۔

ناک کٹنا کہنا تک درست ہے۔ اگر انہیں زندگی وبال ہوجائے گی تو اپنے لئے بھی کم وبال نہ رہے گی۔

جو بدنصیب عورت اس بلا میں مبتلا ہو میں اس سے درخواست کروں گی کہ اسے اس بلا کو صبر و خاموشی کے ساتھ برداشت کرنا چاہئے مشکل ضرور ہے مگر کڑوی دوا پینی ہی پڑتی ہے۔

سَوت سے اگر بخوشی نہ سہی بضرورت ہی سہی اچھا برتاؤ کیا جائے تو میرا خیال ہے کہ وہ بھی اس طریقے کو خوشی سے قبول کرے گی کیونکہ اگر وہ تمہارے گلے کی ہڈی ہے تو تم بھی اس کے گلے کی ہڈی ہو بس وہ اسے غنیمت سمجھیگی اور تمہارے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کے لئے بخوشی آمادہ ہوگی۔ اگر تم نے اس کی اولاد کو اپنا بنا لیا اور سگوں کا سا برتاؤ کیا تو وہ ممنون ہوگی شوہر بھی خوش ہوگا اور اس کا عوض تمہارے ساتھ اچھے برتاؤ سے کریگا۔ اولاد بھی تمہارے ساتھ اچھا برتاؤ کریگی

سَوتیلے بچوں سے برتاؤ

اگر ایسی صورت ہو کہ سَوت نہ ہو اور صرف اس کے بچے ہی ہوں تو ان کے ساتھ سوتیلے پن کا سلوک کسی طرح مناسب نہیں۔ ان سے بالکل اپنے بچوں کا سا سلوک کرنا چاہیئے۔ کیونکہ بچے بے قصور ہیں اور بے بسی کی حالت میں ہیں۔

بچوں کے لئے باپ کا وجود اگرچہ بڑی چیز ہے مگر اس میں شبہ

سفر حج کے متعلق پابندیوں پر
حکومت ہند کو نظر ثانی کرنی چاہیے

فقیہ امت قاضی شریعت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے ۱۶/نومبر ۱۹۶۳ء کے فیصلے کو چیلنج کرتے ہوئے اکابر علماء ہند کی توجہ مبذول کرائی تھی۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا شجاعت کا عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اس سال حکومت ہند نے فیصلہ کیا ہے کہ سفر حج کے لیے صرف ۱۲۳۶۰/اشخاص جا سکیں گے۔ یہ وہ تعداد ہے جو پچھلے سالوں کی تعداد سے کمتر ہے، حکومت ہند کی عائد کردہ پابندیوں اور کمیٹی کے اعلان کردہ ضابطوں پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سفر حج کے متعلق سوچنے والوں کا ذہن صاف نہیں ہے، ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں تقریباً چھ کروڑ مسلم آبادی ہے، ۱۴/ہزار کی تعداد قطعاً نامناسب ہے، پھر جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے، غالباً دو ہزار کی تعداد ریاست کشمیر کے لیے خاص کردی گئی ہے۔ اس طرح اگر یہ خبر صحیح ہے تو کشمیر کے علاوہ دیگر ریاستہائے ہند کی پھیلی ہوئی آبادی کے لیے صرف ۱۲۳۶۰/حجاج کا کوٹا قرار پاتا ہے جو ظاہر ہے کہ بہت کم ہے۔

علاوہ ازیں چند برسوں میں پابندیوں کی رفتار اور اس کا انداز خطرناک ہے۔ شروع میں دوبارہ حج کو روکنے کے لئے یہ کیا گیا کہ تین سال کے اندر جو لوگ حج کر چکے ہیں وہ حج کو نہیں جا سکتے۔ اب یہ مدت بڑھا کر پانچ سال کردی گئی ہے، اس پابندی کا نشانہ جہاں وہ لوگ ہوئے جو نفلی حج کو جایا کرتے تھے، وہیں وہ بھی ہوئے جو حج بدل کو جاتے تھے۔ حج بدل کی ایک خاص شرعی حیثیت ہے۔ حج بدل کو جانے والا (اگر وہ اپنا فرض پہلے ادا کر چکا ہے) محض نفل یا کسی فاضل چیز کی ادائیگی کے لیے نہیں جا رہا بلکہ اس کے پیش نظر اس دوسرے شخص کے فریضہ کی ادائیگی ہے جو اپنی مجبوریوں کے باعث خود سفر کی مشقتوں کو برداشت کرنے کی صلاحیت کھو چکا ہے، اور دوسرے شخص کو اپنے عوض بھیج کر اپنا فریضہ حج ادا کر رہا ہے۔ اس طرح اس پابندی کے ذریعہ حج بدل پر قدغن

لگا دی گئی، جس کو ایک خاص شرعی حیثیت حاصل ہے۔

اس پابندی سے یہ دقت بھی پیدا ہوگئی ہے کہ اگر کوئی شخص پانچ سال کے اندر حج بدل کو جا چکا ہے، اور آج وہ صاحب استطاعت ہو چکا ہے اس پر حج فرض ہو چکا ہے، لیکن جب تک پانچ سال کا عرصہ نہ بیتے وہ حج کو نہیں جا سکتا اور کون جانتا ہے کہ پانچ سال بیتنے کے بعد وہ صاحب استطاعت رہے یا نہیں؟

پھر یہ کہ اگر کوئی عورت صاحب صلاحیت ہو، اس پر حج فرض ہو، لیکن شرعاً وہ بغیر محرم کے حج کو نہیں جا سکتی، اور جس محرم کو وہ لے جا سکتی ہے وہ پہلے پانچ سال کے اندر حج کر چکا ہے۔ اب وہ عورت اس پابندی کی وجہ سے اپنے فرض کی ادائیگی سے رہ جائے گی۔

اب اس سال جو پابندیاں عائد کی گئی ہیں ان پر غور کیا جائے، اب تک یہ قاعدہ تھا کہ صرف سو روپے پیشگی جمع کیے جائیں گے۔ لیکن اس دفعہ کمیٹی کے اعلان کردہ ضابطے کے مطابق کل رقم درخواست کے ساتھ جمع کر دینی پڑے گی۔ جمع کرنے کے بعد اگر سیٹ نہ مل سکی تو روپے کی واپسی ہوگی یا نہیں اسے تو چھوڑیئے، ان لوگوں کی مشکلات پر غور کیجیے جو درخواست دینے کے بعد روانگی کے وقت تک تین چار ماہ کے طویل عرصے میں روپیوں کا نظم کر لیا کرتے تھے، چنانچہ خود اسی سال بہت سے اشخاص جو حج کے لیے تیار تھے، اس اچانک اعلان سے پریشان ہو گئے اور آخر جب وہ کوئی نظم نہ کر سکے تو ان کی آنکھوں سے لاچاری و مجبوری کے آنسو بہہ نکلے اور کون جانے کہ آئندہ سال وہ اپنے اس فریضہ کو ادا بھی کر سکیں گے یا نہیں۔

پھر یہ کہ نومبر سے سفر حج کی روانگی تک کے طویل عرصہ میں لاکھوں لاکھ روپے کی اس رقم سے منافع کمانے کا حق کمیٹی کو کس قانون کی رو سے دیا جا سکتا ہے۔

دوسری پابندی جو اس سال لگائی گئی ہے یہ ہے کہ ۱۱ر نومبر سے پہلے جو درخواستیں آئیں گی وہ رد کر دی جائیں گی۔ اب جن لوگوں نے پہلے اپنی درخواست بھیجی اور بدقسمتی سے ڈاک خانہ نے تیز رفتاری سے کام لیا اور ۹ر نومبر کو درخواست پہنچ گئی تو وہ حج کو جانے سے رہا، اور اگر کسی نے اس ڈر سے کہ کہیں ۱۱ر سے پہلے درخواست بھیجی اور ڈاک خانہ سے تاخیر ہوئی اور دو تین روز بعد درخواست پہنچی اور یہاں سیٹیں پر ہو چکی ہیں تو وہ حج کو جانے سے رہا۔ اب یہ صورت تھی کہ لوگ دستی ممبئی دفتر

میں درخواست داخل کرتے تو کمپنی نے اس کی بھی اجازت نہ دی، یعنی دستی درخواستیں قبول نہیں کی جائیں گی۔

اس طرح یہ پابندی بھی عائد کردی گئی ہے کہ جن حجاج کے پاس کم سے کم ۸/سو روپے کی رقم جہاز پر سوار ہوتے وقت نہ ہو وہ بھی حج کو نہیں جاسکتے، اس پابندی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ بہت سے لوگ جو ادائے فرض کے جذبہ میں اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور عیش و آرام کا خیال کئے بغیر وہ حج کرآنا چاہتے تھے وہ کرایہ کے علاوہ ۴۔۵ سو روپیوں میں بھی گذارہ کرلیتے تھے، اب ایسے لوگ حج کو نہیں جاسکیں گے۔ پھر اصولی طور پر اس کو بھی مدنظر رکھنا چاہئے کہ اگر ایک شخص صرف خانہ کعبہ سے ارکان حج کو ادا کرکے واپس چلے آنے کی صلاحیت پاتا ہے، اور خدانخواستہ اس کے پاس اتنے روپے نہیں کہ وہ مدینہ طیبہ جاکر اپنی آنکھوں کو روضہ انور کی زیارت سے مشرف کرسکے اور مسجد نبوی میں نماز ادا کرے ایسا شخص بھی اب آٹھ سو روپے نہیں ہونے کی وجہ سے اپنا فرض ادا نہیں کرسکتا۔

ان تمام ضابطوں اور پابندیوں پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان پابندیوں کا رخ یہ ہے کہ سفر حج کو محدود سے محدود کردیا جائے، جن کے ذریعہ براہ راست نہ سہی بالواسطہ مسلمانوں کو ان کے فرائض مذہبی کی ادائیگی میں رکاوٹ ڈالی جارہی ہے۔ حیرت ہے کہ اب تک اس سلسلہ میں خاموشی ہے۔

میں تمام مسلمانوں اور خصوصیت کے ساتھ جمعیۃ علماء ہند کے ذمہ داروں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ جلد از جلد اس طرف توجہ دیں اور وہ راہ اختیار کریں جو حکومت پر اثر انداز ہو۔ اگر ابھی سے ان حالات پر کڑی نگاہ نہ رکھی گئی تو آئندہ چل کر یہ پابندیاں انتہائی خطرناک حدود میں داخل ہوسکتی ہیں۔ امارت شرعیہ کی طرف سے حکومت ہند، سنٹرل حج کمیٹی اور دوسرے ذمہ داروں کو متوجہ کیا جاچکا ہے، لیکن ضرورت ہے کہ اس اہم کام کے لیے پرزور عملی جدوجہد کی جائے، تاکہ ہماری حکومت کے ذمہ دار حضرات جو عموماً ان چیزوں کی شنوائی کے عادی نہیں ہیں اور نہ یہ مسائل ان کے نزدیک کوئی اہمیت رکھتے ہیں۔ سننے پر مجبور ہوجائیں گے۔

❀❀❀

قانون شریعت میں مداخلت نا قابل برداشت

امارت شرعیہ پھلواری شریف ہندوستان کے مختلف تہذیب وتمدن اور وحدت وکلچر کا حسین گلدستہ ہے، اسی لیے اس ملک کے بنیادی ڈھانچہ میں ہر عقیدہ ومسلک اور مشرب کے لوگوں کی تہذیبی رنگارنگی کی رعایت رکھی گئی ہے، تا کہ کسی کے مذہبی جذبات مجروح نہ ہوں، مگر افسوس ہے کہ اس وقت جن لوگوں کے ہاتھوں میں ملک کی قیادت وباگ ڈور ہے وہ ملک کے دستور پر نظر ثانی کی آڑ میں اس کی ہمہ گیر تہذیب کو مٹانے کی سازش کررہے ہیں، تا کہ اس کی وحدت وسالمیت ختم ہوجائے اور ہندوتو کو فروغ حاصل ہو، مسلمانوں کو ایسے نازک حالات میں جذبات سے نہیں بلکہ ہوشمندی، عقلمندی اور دوراندیشی سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔

جس چیز کو ہم پرسنل لاء کہتے ہیں وہ درحقیقت قرآن وحدیث کا قانون ہے، جس میں کسی بھی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں، مسلم پرسنل لاء بورڈ کا پہلا مقصد یہ ہے کہ خارجی حملوں اور قانون سازاداروں کے ذریعہ ہورہے شریعت اسلامی میں مداخلت کو روکنا، اس کا مقابلہ کرنا اور اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنا ہے اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ میڈیا اور مغربی تہذیب کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہوکر ہمارا مسلم سماج ومعاشرہ شک وشبہ میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اس کی غلط فہمی کو دور کرنا اور قانون شریعت کی اہمیت وافادیت کو واضح کرنا ہے، جب آپ خارجی حملوں کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں تو پھر داخلی بگاڑ اور قانون شریعت سے جو انحراف پایا جاتا ہے اس کو کیسے برداشت کریں گے۔

اسلام نے نکاح کو عبادت قرار دیا، مگر غیر اسلامی اور بے جا رسومات تلک وجہیز اور لین ودین نے اسلام کے طریقہ نکاح کی روح ختم کردی، اگر ہم خود قانون شریعت پر نہ چلیں تو دوسروں کو اس میں مداخلت سے کیسے روک سکتے ہیں، اس لیے مسلم پرسنل لا بورڈ جس طرح سرکاری دست درازی سے روکنے کی جدوجہد کرتا ہے، اسی طرح مسلم سماج میں بڑھتی بے راہ روی اور معاشرتی برائیوں کو مٹانے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ آج یورپی تہذیب نے عورت ومرد کو پارٹی بنا کر ایک

دوسرے کے مدمقابل کھڑا کردیا ہے، جبکہ اسلامی قانون نے عورت کو فریق نہیں بنایا ہے، بلکہ رفیق بنایا ہے۔

گذشتہ دنوں بورڈ کی مجلس عاملہ نے فیصلہ کیا ہے کہ جمعہ کے لیے اصلاحی خطبات مرتب کرائے جائیں تاکہ عائلی ومعاشرتی مسائل اور شادی وبیاہ کے اسلامی طریقے جیسے موضوعات پر ائمہ مساجد کے لیے مواد فراہم کیا جائے اور اسی کے ذریعہ کروڑوں مسلمانوں کو قرآن کا پیغام دیا جاسکے، اسی طرح مختلف سماجی مسائل پر لکچرس کا بھی پروگرام بنایا گیا ہے

مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کسی قیمت پر برداشت نہیں کریں گے

مسلمان اپنے پرسنل لا میں مداخلت کسی قیمت پر برداشت نہیں کریں گے، اور اگر حکومت نے مسلمانوں کے پرسنل لا میں مداخلت کی تو یہ سیکولر اقدار و جمہوریت کے اصولوں کی صریح خلاف ورزی ہوگی، اس سے مسلمانوں کے اس اعتماد کو ٹھیس پہنچے گی جوان کو دستور ہند پر ہے۔

مسلمانوں کو اس وقت مختلف خطرات کا سامنا ہے، جس سے نبرد آزما ہونے کے لیے باہمی اتحاد واتفاق کا مظاہرہ ضروری ہے، ساتھ ہی مسلمانوں کو صبر وضبط سے کام لینا چاہیے، عجلت پسندی سے گریز کرنا چاہیے، اس وقت فسطائی طاقتیں ہمیں اشتعال دلاکر، الجھاکر ہماری توجہ اصل مسائل سے ہٹانا چاہیں گی، موجودہ حالات ہمیں اس کی اجازت نہیں دیتے، اتحاد واتفاق اور دور اندیشی میں ہی ملت کی فلاح ہے۔ دستور پر نظر ثانی، دستور کا بھگواکرن کر کے خفیہ ایجنڈا کو لاگو کرنے کی سازش ہے، جو مسلمانوں کے لیے ایک چیلنج ہے۔

دستور کے لحاظ سے ملک کے ہر شہری کو یکساں حقوق حاصل ہیں، چاہے وہ کسی بھی مذہب یا فرقہ کا ہو، اس کے لیے دستور پر نظر ثانی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

مسلم پرسنل لا دراصل قرآن وحدیث سے ماخوذ قانون ہے اس لیے اس میں کسی تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۞۞۞

اسلامی دستور یا عورت کی سربراہی

مجھے اس بات کی بڑی مسرت ہے کہ ہمارے نوجوان فضلاء اب ان اہم اصولی مسائل پر بحث کرنے لگے ہیں، جن کی آج ضرورت ہے اور جو اسلامی زندگی سے گہرا رشتہ رکھتے ہیں، ورنہ ہمارے یہاں عام طور پر جن بحثوں کا رواج ہے وہ ہے فاتحہ خلف الامام، رفع یدین اور قیام میلاد یا نماز کے چند مسائل وغیرہ، جن پر بحث و تحقیق سے ہمارے سلف فارغ ہو چکے ہیں۔

میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کا جو اجتماعی نظام ہے اور اسلام کا دستوری قانون (Constitutional law of Islam) یا بین الاقوامی قانون (Interntional Law) نیز معاشرتی مسائل Social Problems اس طرح متروک ہو گئے ہیں کہ اب یہ علماء شریعت کے یہاں اجنبی محسوس ہوتے ہیں۔

بدقسمتی سے پچھلے دو سو سال میں ہم حکومت سے محروم رہے، اس لیے ہمارے یہاں مسائل گویا مردہ ہو چکے ہیں ان مسائل پر بات ہی نہیں ہوتی، نتیجہ اس کا یہ ہے کہ ہماری بحثیں بہت محدود اور ہمارے مطالعہ کا میدان بہت تنگ ہو کر رہ گیا ہے، مجھے خوشی ہے کہ یہ ایک نیا رخ ابھر رہا ہے اور قابل مبارک باد ہیں ہمارے وہ نوجوان فضلاء اور اصحاب افتاء جنہوں نے اپنی قیمتی اور پر مغز مقالے پیش کئے ہیں مجھے چند بنیادی باتوں کی طرف آپ کو متوجہ کرنا ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ حضرات علماء اس کی طرف خاص دھیان دیں گے۔

پہلی بات یہ ہے کہ ہم انسانی زندگی کے مختلف شعبوں پر اگر غور کریں تو انسانی زندگی اور اس کی مختلف حیثیات کے تنوع کے اعتبار سے قانون شرع کو بھی مختلف حصوں میں تقسیم کرنا ہوگا، قانون شرع کا ایک حصہ تو خالص انفرادی ہے، مثلاً عبادات کا حصہ یعنی بندہ کا تعلق اپنے خالق سے کیا ہوگا؟ اور خالق سے مخلوق کے رشتے کے مطابق ایک بندہ کن اعمال کا مکلف ہے اور ان اعمال کی ادائیگی کس طرح عمل میں آئے گی؟ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ بنیادی طور پر خالق اور مخلوق کے رشتے اور

حقوق اللہ کی ادائیگی کی صورتیں ہیں اور یہ اصلاً ایک فرد کی تعمیر کا بنیادی حصہ ہیں، اگرچہ شریعت ان امور میں بھی اجتماعیت کی رعایت رکھتی ہے۔

دوسرا حصہ حقوق العباد کا ہے جنہیں ہم اخلاقیات، معاشرتی ضوابط، ریاستی قوانین، بین الاقوامی تعلقات اور اسلامی نظام حکمرانی کی بنیادی اساس اور دستوری قوانین کے مختلف شعبوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا یہ عہد اس کا متقاضی ہے کہ انفرادی اعمال کے میدان سے آگے بڑھ کر اسلام کو معاشرتی اجتماعی اور فرد و ریاست کے باہمی تعلقات نیز ریاست اسلامی کی نوعیت اور دوسرے وسیع میدانوں میں سرگرم عمل دیکھا جا سکے۔ آج اس طرح کے سینکڑوں سوالات ہیں، جن کا جواب علماء کو دینا ہے، یہ سوالات مروجہ استفتاء کی صورت میں آپ کے سامنے نہیں آئیں گے، آپ کی اس باب میں دوسری ذمہ داریاں ہیں، سوسائٹی اور پھر کتاب و سنت کی روشنی میں موجودہ حالات میں قوانین شرع کی تطبیق یہ وہ نازک ذمہ داریاں ہیں جنہیں آپ کو پورا کرنا ہے۔

آج کی مجلس کا موضوع بحث "عورتوں کی سربراہی" کا مسئلہ ہے۔ یعنی کسی خاتون کو ریاست کا سربراہ اعلیٰ مقرر کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر آپ اس مسئلہ پر اس پس منظر میں بحث کر رہے ہیں کہ آپ کے ملک کی موجودہ سربراہ ایک خاتون خالدہ ضیاء ہیں تو مجھے عرض کرنے دیجئے کہ اسی طرح ہم مسئلہ کی جڑ کو چھوڑ کر شاخوں میں الجھ جائیں گے، آپ کا اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ آپ کے ملک کا سربراہ کوئی مرد ہے یا عورت، بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ آپ کے ملک کا بنیادی دستور کیا ہے؟ کسی بھی ملک کی حیثیت کا تعین اس کے دستور کی روشنی میں کیا جا سکتا ہے، اور دستور امکانات کو طے کرتا ہے، جن کے ذیل میں واقعات رونما ہوتے ہیں، بنیادی طور پر آپ کو یہ طے کرنا ہے کہ کسی مسلم ملک کا دستور کیا ہونا چاہئے، پھر وہ دستور بتائے گا کہ ملک کی سربراہی کے لیے منتخب کئے جانے والے فرد کی لازمی اہلیت کی ضروری شرطیں کیا ہونی چاہئیں اور ترجیحی صفات کیا ہونی چاہئیں۔"

پس ہمیں اپنی بحث کا محور دستور اساسی اور اس کے امکانات کو بنانا چاہئے کہ نہ جزئی واقعات کو...... آپ کا دستور مثلاً سیکولر (العلمانی) دستور ہے۔ بنگلہ دیش کے موجودہ دستور کی اساس

سیکولرزم (العلمانیہ) ہے اور یہ ایک لادینی ریاست ہے، جس میں مذہب کا کوئی دخل نہیں ہے اور سیکولر دستور میں حکومت کی سربراہی کے لیے مومن وکافر کی کوئی قید نہیں، جیسے ہمارے ہندوستان میں ہمارا وزیراعظم یا صدر جمہوریہ کوئی مسلمان ہوسکتا ہے، کوئی کرسچن ہوسکتا ہے، کوئی سکھ ہوسکتا ہے، کوئی بدھ ہوسکتا ہے، کوئی جین ہوسکتا ہے، چنانچہ ہمارے یہاں صدر جمہوریہ مسلمان ایک نہیں دو رہ چکے ہیں، مرحوم ڈاکٹر ذاکر حسین بھی رہے اور مرحوم فخر الدین علی احمد بھی رہے ہیں، لیکن کیا فخر الدین علی احمد علی صاحب یا ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے صدر جمہوریہ ہونے سے یا دستوری امکانات کے پیش نظر کل کو ہمارے ملک کا وزیراعظم کے عہدوں پر کسی مسلمان کے فائز ہونے سے اس سیکولر جمہوریہ کو اسلامی ریاست کہہ سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں کہا جاسکتا ہے، اسی طرح آپ کے یہاں بنگلہ دیش کے دستور کے مطابق جیسے آج خالدہ ضیاء ایک مسلمان خاتون سربراہ مملکت ہیں، کل کو ہوسکتا ہے کہ کوئی اور شہری جو مسلمان نہ ہو اس ملک کا سربراہ منتخب ہوجائے اسی طرح کبھی آپ کے ملک کا سربراہ کوئی مسلمان مرد ہوجائے، مثلاً مفتی وقاضی جو کبھی یہاں وزیر مذہبی امور تھے وہ اسی دستور کے تحت اس ملک کے وزیراعظم منتخب ہوجائیں تو کیا شخصیتوں کی تبدیلی کے واقعات کی روشنی میں سیکولر دستور کے رہتے ہوئے آپ اس ملک کو اسلامی ریاست کا درجہ دے سکیں گے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ یہ جمہوری ملک ہے، پانچ سال کے لیے ہے، پانچ سال کے بعد کوئی دوسرا ہوجائے گا۔

دوسری طرف یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ تمام وہ حکومتیں جن میں ڈکٹیٹرشپ نہیں ہے ان میں اصلاً بادشاہت ہوتی ہے دستور کی! کوئی شخص بادشاہ نہیں ہوتا۔ اگر ہندوستان میں آنجہانی اندرا گاندھی نے کچھ غلطیاں کیں تو دستوری امکانات کا ایک پہلو سامنے آیا، اور وہ پارلیامنٹ سے باہر ہوگئیں، اسی طرح راجیو گاندھی اور وی پی سنگھ وزارت عظمیٰ سے علاحدہ کردیئے گئے اسی طرح کے حالات آپ کے یہاں بھی پیش آتے رہیں گے جیسے جیسے جمہوریت راسخ ہوگی یہی ہوگا۔ جمہوریت میں حکومت دستور کی ہوتی ہے فرد کی نہیں ہوتی۔ آپ غور کیجئے آپ کا پورا ملک مل کر پارلیامنٹ کو منتخب کرتا ہے۔ پورا ملک جس میں آپ نوے پچانوے فی صد مسلمان ہیں مل کر آپ نے ارکان پارلیامنٹ کو منتخب کیا، منتخب ارکان پارلیامنٹ کا وہ گروپ جس نے اپنی اکثریت ثابت

کر دیا۔ اس کا منتخب لیڈر حکومت کا سربراہ ہوتا ہے، جسے وزیر اعظم کہتے ہیں۔ وزیر اعظم اپنی کابینہ (وزارت) بناتا ہے، اور اصولی طور پر دستور میں دی ہوئی صراحتوں کے مطابق اہم اور پالیسی سے متعلق امور میں وزیر اعظم اپنی کابینہ کے فیصلوں کا پابند ہوتا ہے، دستوری حکومت میں کیبنٹ جو فیصلے کرے گی اس فیصلے کا نفاذ وزیر اعظم اور دیگر محکموں سے متعلق وزارت کے ذریعہ ہوگا۔ پس وزیر اعظم کی حیثیت اصلاً قوت حاکمہ کی نہیں بلکہ قوت منفذہ کی ہوتی ہے، یہیں سے اجتماعی قیادت۔(Collective Leadership) اور اجتماعی ذمہ داری Collective Responsibility کا تصور ابھرتا ہے، پس جمہوریت میں اجتماعی قیادت نہیں ہوتی ہے اور دستوری اعتبار سے وزیر اعظم پابند ہوتا ہے کیبنٹ کے فیصلوں کا اور کیبنٹ اس وقت تک رہے گی اور لیڈر اس وقت تک رہے گا، جب تک پارلیامنٹ کی اکثریت اس کے ساتھ ہوگی، اور پارلیامنٹ عوام کی نمائندہ ہوتی ہے، اسی لیے اسے حکومت نیابتی نظام (Parliamentary System) کہتے ہیں، اس طرح جمہوری دستور میں پبلک (عوام) کو حاکم اعلیٰ کا درجہ دیا گیا ہے اور اس میں عوام کو سرچشمہ اختیارات کا نام دیا گیا۔ عوام نے منتخب کر کے پارلیامنٹ کے ارکان کو بھیجا، پارلیامنٹ کے ارکان مل کر اپنا لیڈر چنتے ہیں، لیڈر کیبنٹ بناتا ہے اور مجموعی طور پر حکومت چلتی ہے، پس ملک کی سربراہ عورت ہے یا مرد، اصلاً یہ مسئلہ آپ کے لیے قابل غور نہیں ہے۔ آج آپ عورت کی سربراہی پر غور کر رہے ہیں، کل خدانخواستہ آپ کو کافر کی سربراہی پر غور کرنا ہوگا، چونکہ آپ کا دستور اس کی اجازت دیتا ہے کہ بنگلہ دیش کا کوئی شہری آپ کے ملک کا سربراہ بن سکتا ہے، اس طرح مسئلہ آپ کو طے کرنا چاہئے کہ ایک ایسی آبادی کے اندر جس میں مسلمان نوے پچانوے فی صد ہوں اس کا دستور کیسا ہونا چاہئے؟ اس دستور میں عوام کی سربراہی ہوگی یا مرد کی سربراہی ہوگی؟ یا خدا کی سربراہی؟ غور کیجئے کیا آپ کے لیے عورت کی سربراہی یا مرد کی سربراہی پر بحث کرنے کا وقت ہے؟ یا سیدھے اس بات پر غور کرنے کا وقت ہے کہ آپ کے ملک میں اسلام کی بالادستی تسلیم کی جائے گی یا نہیں؟ عورت کی سربراہی سے زیادہ اہم مسئلہ کسی غیر مسلم کی سربراہی کا آپ کے سامنے آسکتا ہے۔ اس کی اجازت آپ کا دستور دیتا ہے۔

تو اس صورت حال میں اصل مسئلہ یہ ہے کہ اختیارات کا سرچشمہ عوام ہیں یا اختیارات کا

سرچشمہ اصل میں اللہ کی ذات ہے؟ پہلا مسئلہ تو یہ طے کرنا ہے کہ اللہ ہی نے تخلیق فرمایا ہے اور اس لیے اسی کو امر حاصل ہے تو صاحب امر کون ہے؟ وہ محض اللہ کی ذات ہے، اللہ تعالیٰ کا ہی حکم چلنا ہے۔ ''ان الحکم الا للہ'' (القرآن) اسلامی نظام حکومت کی بنیاد شورائیت پر ہے، جمہوریت اگر عوام کی حکومت، عوام کے لیے، عوام کے ذریعہ، ہے تو اسلامی نظام حکومت ''اللہ کی حکومت عوام کے لیے، عوام کے ذریعہ'' ہے آپ کہہ سکتے ہیں کہ کتاب وسنت نے اسلامی حکومت کے چند اصول بنادیئے ہیں، حالات اور واقعات کے اعتبار سے اس وقت کے علماء کا فرض ہے کہ وہ اصولوں کی تطبیق کیسے کریں گے؟ خلیفہ کا انتخاب کیسے ہوگا؟ خلیفہ کے لیے کیا ضروری اہلیت چاہئے؟ یہ سب کچھ آپ کتاب وسنت کی روشنی میں طے کر سکتے ہیں، یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اصول کی تطبیق مختلف حالات میں اس وقت کے مصالح کے مطابق ہوگی، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ خلیفہ اول کا انتخاب ''ثقیفہ بنی ساعدہ'' میں ارباب حل وعقد کی ایک مجلس میں ہوا۔ خلیفہ ثانی کے انتخاب میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے ارباب وحل وعقد سے مشورہ کیا اور انہیں نامزد کیا اور سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے انتخاب کے موقع پر چھ افراد کی ایک مجلس شوریٰ یا سب کمیٹی بنادی گئی۔ اس کو اختیار دیا گیا، یہ جو تنوع خود خلافت راشدہ میں موجود ہے بتاتا ہے کہ طریقہ انتخاب کی تفصیلات اپنے اپنے وقت پر حالات کی مناسبت سے طے کی جاسکتی ہیں۔ اسی لیے کتاب اللہ نے اس کی کوئی صراحت نہیں کی، طریقہ انتخاب پر کتاب اللہ میں اصول ملیں گے، لیکن تفصیلات نہیں ملیں گی، اس لیے کہ اللہ نے جس معاملہ کو مجمل رکھا اس معاملے کو مجمل رکھنے میں بھی اللہ کی مہربانی ہے، اور جس کی تفصیلات بیان فرمائیں اس تفصیل میں بھی اللہ کی مہربانی ہے، پس بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ وقت اور زمانہ کی مصلحت کے مطابق شریعت کے اغراض ومقاصد اور اس کے مصالح کو سامنے رکھ کر وقت پر علماء کو طے کرنا ہے کہ کس زمانہ میں کیا طریقہ انتخاب ہونا چاہئے جو خیر ہو۔

❀❀❀

مسئلہ فلسطین: پس منظر اور حقائق

تحفظ فلسطین کانفرنس منعقدہ ۶/اگست بمقام انجمن اسلامیہ ہال پٹنہ میں شام کے سفیر جناب شیخ عمر ایورشہ نے اہم تاریخی تقریر کی جسے فقیہ امت قاضی شریعت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے مرتب کیا تھا۔

حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ اور ہندوستان کے فرزندو!

آج آپ کے اس شہر میں اس عظیم مجمع کے چہرے پر مسرت کی جو تصویریں جوش اور بیداری کے جو جذبات میری نظر کے سامنے ہیں، ان کے شکریہ کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں ۔ساتھ ساتھ ہندوستانی عوام کے یہ پر مسرت جذبات اس بات کی دلیل ہیں کہ ”حق ہمارے ساتھ ہے“ آج ہندوستانی قوم کے یہ مبارک جذبات ان عربوں کے لیے قیمتی سرمایہ ہیں، آج اس امر پر ہمارا یقین بڑھ گیا ہے کہ حالیہ جنگ میں عربوں نے اگر کچھ کھویا ہے تو بہت کچھ پایا بھی ہے اور اسرائیل اس کے سرپرست ممالک نے کچھ پاکر بہت کچھ کھویا ہے۔

بھائیو! میری خواہش تھی کہ میں آپ کے اس شہر میں کچھ دن رہوں، اور آپ کی عظیم شخصیتوں سے استفادہ کروں، لیکن بدقسمتی سے آپ کے پاس اس وقت آیا ہوں جب میں خود ہی افکار غم کا شکار ہوں اور میرا وطن زخموں سے چور ہے۔

لوگو! اسرائیل کے ساتھ ہماری جنگ کی کہانی بہت دراز ہے، لیکن میں اس کا مختصر خاکہ آپ کے سامنے پیش کردینا چاہتا ہوں۔

جنگ عظیم اول کے دور میں صیہونیوں نے عثمانی خلیفہ سلطان عبد الحمید خاںؒ اور قیصر جرمن گلیوس سے یہ درخواست کی کہ آپ فلسطین میں ہمارے لیے مخصوص قومی وطن کا وعدہ کرلیں تو ہم اس جنگ میں اتحادیوں کے خلاف آپ کی مدد کریں، لیکن ان دونوں عظیم شخصیتوں نے اس ذلیل سودے بازی سے انکار کیا، اس طرح اس دروازہ سے مایوسی کے بعد صیہونیوں نے برطانیہ کا دروازہ

کھٹکھٹایا اور وہاں اپنی گمشدہ متاع پالی۔ حکومت برطانیہ نے وعدہ کرلیا اور یہ وعدہ اعلان بالفور کی شکل میں ۱۹۱۷ء میں سامنے آیا۔ اعلان بالفور کی حیثیت ٹھیک اسی طرح ہے جیسے ایک چور دوسرے چور سے چوری کے مال کی تقسیم کا معاہدہ کرے، حالانکہ ابھی وہ مال مال والے کے گھر میں ہے۔

جنگ عظیم اول کے اختتام پر برطانیہ نے عربوں سے آزادی اور استقلال کے کیے ہوئے سارے وعدے فراموش کردیئے۔ صرف ایک وعدہ پورا کیا، اور وہ صیہونیوں سے کیا ہوا وعدہ تھا، کہ یہودیوں کو فسلطین میں ہوم لیڈر دیا جائے۔ برطانیہ نے قیام اسرائیل کے فیصلہ کے بعد دنیا کے کونے کونے سے فسلطین کی طرف یہودی نوجوانوں کو ہجرت کی سہولت دی، اور انہیں فلسطین میں آباد ہونے کے مواقع دیئے اور دوسرا قدم یہ اٹھایا کہ فلسطین کے اصل باشندوں مسلمانوں اور عیسائیوں کو نہتہ کرنا شروع کردیا، اور یہودیوں کو مسلح کرنا شروع کردیا، حالانکہ اس وقت فلسطین میں صرف ۴۰ ہزار یہودی تھے جو اپنے مسلمان اور عیسائی بھائیوں کے ساتھ پر امن اور خوشگوار زندگی گذار رہے تھے ۱۹۴۸ء میں جب اسرائیل کا قیام ہوگیا تو پھر ان بڑے ممالک نے اسے ہر طرح کی طاقت پہنچائی۔ یہ وہ وعدہ تھا کہ ایشیاء اور افریقہ کے ممالک جو سامراجی شکنجوں میں کسے ہوئے تھے، سامراج کے خلاف جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ آزادی کا صور پھونکا جاچکا تھا، اور دنیا کی زمین سامراج کو کسی بھی قیمت پر برداشت کرنے کو آمادہ نہیں تھیں۔ اس طرح کے حالات کے دباؤ سے ایشیاء اور افریقہ کے ممالک میں جہاں جہاں سے بھی سامراج نے اپنے خیمے اٹھائے اسرائیل نے اپنے قدم جمائے۔ ایڈ رامداد ترقیاتی منصوبے اسرائیل نے مختلف ممالک میں قائم کیے اور ان آزاد ممالک نے جو جانے پہچانے سامراج سے ہر وقت چوکنا تھے۔ اسرائیل کی طرف سے کسی شک کا شکار نہیں ہوئے کہ اسرائیل ایک چھوٹا ملک ہے۔ اس میں بڑی طاقتوں کی طرح استعمار کا کوئی خطرہ نہیں ہے، حالانکہ اسرائیل کے پس پردہ وہی قدیم سامراجی ممالک ہیں جن کے ظلم سے ابھی ان نو آزاد ممالک نے نجات پائی تھی۔ جب اسرائیل ایک فوجی اڈہ بن گیا تو اس نے عرب ممالک پر ظلم وزیادتی شروع کردی۔ عربوں کو بے وطن کیا ان کے گھر چھینے اور ان پر مصائب کے دروازے کھول دیئے۔

یہاں تک کہ ۱۹۵۶ء میں اسرائیل، برطانیہ اور فرانس کی متحدہ طاقتوں نے نہر سوئز اور عقبہ

کے حاصل کرنے کے لئے حملہ کردیا۔ اقوام متحدہ کی قرارداد کے بعد برطانیہ اور فرانس نے اپنی فوجیں واپس بلالیں، لیکن اسرائیل نے نہ صرف یہ کہ اقوام متحدہ کی قرارداد پر عمل نہیں کیا بلکہ اقوام متحدہ کی قرارداد کو چیلنج کیا اور اس طرح اس عالمی تنظیم کے جسم پر پہلی کیل گاڑ دی۔

آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ پوری دنیا میں اسرائیل اکیلا ملک ہے جس کی مذمت اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی اور سیکوریٹی کونسل نے کی ہے اور بار بار کی ہے، پھر اقوام متحدہ کی قرار دادوں کے باوجود اسرائیل نے اردن کا رخ موڑنے کی کوشش کی۔

آج سے تین ماہ پہلے اسرائیل نے اپنے خطرناک پروگرام کے ایک اہم توسیع پسندی کو نافذ کرنے کا عملی قدم اٹھایا، یعنی اس نے شام کو چیلنج دینا شروع کیا، دمشق کی فضاؤں میں اپنے جنگی ہوائی جہاز بھیج دیئے۔ اس موقع پر اسرائیل کی جارحیت اور توسیع پسندی جب پوری طرح کھل کر سامنے آگئی تو مصر شام کی طرف سے مدافعت کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ سامراجی طاقتوں نے اس موقع پر ہمیں دھوکہ دیا، اور ۱۵ر جون کی جنگ سے کچھ ہی پہلے ہمیں یقین دلایا کہ اسرائیل اقدام نہیں کرے گا۔ لیکن ۵ر جون کو اسرائیل نے اچانک ہوائی جہازوں کی اتنی بڑی تعداد سے ہم پر حملہ کیا جو تمام عرب ممالک کے ہوائی جہازوں سے زیادہ تھی، اور اس طرح انہوں نے ہمارے سامان جنگ کو کھلے میدان میں نشانہ بنایا۔ دوسری طرف اردن کے مغربی کنارے کی مسلم آبادی اور عیسائی آبادی کا قتل عام کیا، شام کے علاقہ میں تباہی اور بربادی پھیلائی اور وادی سینا میں ہر اس نوجوان کو قتل کر ڈالا جو ہتھیار اٹھا سکتا تھا۔

اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اقوام متحدہ کے ابز رورس میں سے خاص کر ہندوستانی سپاہیوں کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنایا اور ایسا اس وجہ سے ہوا کہ وہ عرب حقوق کی حمایت اور ہندوستانی موقف کو ناپسند کرتے تھے۔ ہم اس موقع پر ہندوستان کی حمایت کو فراموش نہیں کر سکتے، جس نے پوری طرح حق کی تائید کی۔ اور ہندوستان نے یہ موقف کچھ قدیم دوستی یا سیاسی ہم آہنگی کی وجہ سے اختیار نہیں کیا بلکہ محض اس وجہ سے کی کہ ہمارا مسئلہ حق اور انصاف کا مسئلہ ہے۔ ہم سامراجی ممالک کے اس دباؤ کو بھی جانتے ہیں جو ہندوستان پر موقف کی تبدیلی کے لئے دیا جارہا ہے۔ ہم سرمایہ دار ممالک کی اس ذلیل سودے بازی کی درخواست کو بھی جانتے ہیں جو ہندوستان کے سامنے پیش کی جاتی رہی ہے۔

لیکن ہمیں یقین ہے کہ گاندھی، نہرو اور ابوالکلام کا ہندوستان، گاندھی، نہرو اور ابوالکلام کا ہی ہندوستان رہے گا اور حق وانصاف کی تائید کے موقف پر قائم رہے گا۔

لوگو! میں ہندوستانی قوم سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں، اگر پرتگالی گوا پر قبضہ کر کے وہاں کے بسنے والوں کو بے وطن بنا دیں اور دوسرے ممالک سے لوگوں کو لا کر یہاں بسا دیں اور اپنی مستقل غیر ملکی حکومت قائم کر لیں اور نہ صرف یہ بلکہ جنوبی گوا سے شمالی مہاراشٹر تک اپنی حکومت کی توسیع کے منصوبے بنائیں، ایسے موقع پر ایک ہندوستانی کے احساسات کیا ہوں گے؟ اس کے جواب میں جن احساسات کا اظہار آپ کریں گے وہی احساسات ایک عرب کے فلسطین اور صیہونیوں کے متعلق ہیں۔

لوگو! یاد رکھو! استعماریت ایک نئی تکنیک اور اسلوب میں اس وقت ظاہر ہو رہی ہے اور اس کا نشانہ ایشیاء اور افریقہ کے سارے ممالک ہیں اور ہم اس کے مقابلہ میں آپ کے لئے پہلے مورچہ کی حیثیت رکھتے ہیں، اس طرح ہماری جنگ دراصل ان تمام افروایشیائی ممالک کے لیے ہے، جن پر استعماری طاقتوں کی نگاہیں لگی ہوئی ہیں۔

لوگو! حالیہ معرکہ جنگ کی ابتدا ہے، انتہا نہیں ہم جنگ کریں گے، اور اس وقت تک جنگ کرتے رہیں گے جب تک فتح نہ حاصل کر لیں یا پھر اس راہ میں جان دے دیں۔

لوگو! حق اور صداقت کی خاطر جنگ کرتے ہوئے جان دے دینا باعث ننگ و عار نہیں ہے، البتہ وہ زندگی باعث ننگ و عار ہے جو غلام بن کر اور باطل کے سامنے جھک کر حاصل کی جائے۔

لوگو! ہم جنگ کرتے رہیں گے حق و صداقت کی خاطر اور ہمیں یقین ہے کہ حق غالب ہو کر رہے گا خوب یاد رکھئے کہ ہم اس قوم کے فرزند ہیں جس کا شعار یہ رہا ہے کہ مومنین میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے اپنے وعدہ کو سچ کر دکھایا اور اپنی آرزو پوری کر لی اور کچھ وہ ہیں جو اس کے انتظار میں ہیں، اور وہ اپنے عہد سے پھرے نہیں ہیں۔ **والسلام علیکم ورحمة الله**

کویت کی سرزمین پر عراقی فوجیوں کی للکار

کویت میں آزادی کی تقریب کے موقعہ پر علما اور دانشوروں کا یاد گار سمینار۔ واپسی پر فقیہ امت قاضی شریعت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے اہم تأثرات کا اقتباس۔

جن لوگوں نے کویت کا منظر نہیں دیکھا ہے وہ اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی خبروں سے جنگ کی تباہ کاریوں کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ پورے ملک کو اس طرح برباد کر دیا گیا ہے کہ عام حالات میں ایک مدت تک نقصانات کی تلافی ممکن نہیں ہو سکے گی، زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو جنگ سے متاثر نہ ہوا ہو اور بے تکلف یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسانی اخلاقی اور اسلامی قدروں کو بڑی بے رحمی سے پامال کیا گیا۔

عراق کا حملہ اس صدی کا سب سے بڑا جرم ہے، عراقی فوجوں نے کویتی باشندوں کے قتل، ایذا رسانی، ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی بربادی کے لئے جو ہولناک طریقے اپنائے ان کے مظاہرے کو دیکھ کر رونگٹا کانپ اٹھتا ہے، مکانوں کے کھنڈر اور بازاروں میں بھی لٹی ہوئی دو کانوں، نیز پٹرول کے کنوؤں سے اٹھتے ہوئے دھوئیں کے بادلوں اور آگ کی لپٹوں کو دیکھ کر اس عظیم الشان دولت کی بربادی پر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ عراقی فوجوں نے ہزاروں کویتی باشندوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے اور ایک اسلامی ملک کی دولت کو تباہ و برباد کیا۔ بلکہ انہوں نے خواتین کی عزت و آبرو پر بھی حملے کئے اور مساجد کی حرمت و تقدس کو بھی مجروح کیا، آج بھی کویتی عوام اپنے ان فرزندوں کے لیے بے چین ہیں جو عراق کی قید میں سخت ایذا کے شکار ہیں۔

کویت کے لوگوں پر جو گذری اس کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ عوام نے عراقی جارحیت کے سامنے سپر نہیں ڈالا بلکہ بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا اور چھوٹے چھوٹے بچوں اور خواتین نے بھی تحریک مزاحمت میں حصہ لیا، جس کی وجہ سے انہیں عراقی فوجوں کے سخت عتاب کا نشانہ بننا پڑا، ان

صبر آزما مراحل سے گذرنے کے بعد کویت کے عوام تیزی سے تعمیر نو میں مشغول ہیں، اگر چہ ان کی راہوں میں دشواریاں بہت ہیں۔

عراقی فوجوں نے مخطوطات کی عظیم الشان لائبریری کو جلا ڈالا، مجھ سے لوگوں نے کہا کہ نادر کتابوں کو چائے بنانے کے لیے ایندھن کے طور پر استعمال کیا گیا، مسجدوں کے فرش اور کولر بھی اٹھا کر لے گیے۔ ایئر پورٹ اور بڑے بڑے ہوٹل برباد کر دیے گیے۔ عراقی فوجیں قیمتی مشین، ٹرک، کاریں لے گیے، اب صورت حال یہ ہے کہ خود حکومت کے پاس ضرورت کے مطابق کاریں نہیں ہیں، اور نہ سڑکوں پر مناسب تعداد میں ٹکسیاں نظر آتی ہیں، ان ساری مشکلات کے باوجود دن رات تعمیر نو کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ کچھ کنوؤں کی آگ بجھادی گئی ہے، لیکن تمام کنوؤں کی آگ بجھانے میں سال چھ مہینے لگ جائیں گے کئی ملکوں کے ماہرین اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔

عراقی حملے کا کوئی وجہ جواز نہیں تھا، اور حملے کے بعد بزعم خود اسلام کے ان مجاہدین نے غریبوں، کمزوروں، عورتوں، مساجد و مقابر اور عوامی خدمات کے اداروں کو جس طرح تباہ و برباد کیا اسے دیکھ کر یقین نہیں ہوتا کہ یہ ان لوگوں کا عمل ہے جو خود کو مسلمان کہتے ہیں، کویتی بھائیوں کو اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ اس ظلم و عدوان کے موقعہ پر وہ جتنی ہمدردی اور خیر خواہی کے مستحق تھے وہ اتنی انہیں حاصل نہیں ہوسکی۔ صورتحال کی سب سے بڑی سچائی یہ ہے کہ اس جنگ سے سب سے زیادہ فائدہ اسرائیل کو ہوا اور وہ پہلے سے زیادہ طاقتور ہو گیا۔ دوسری طرف عرب ملک ٹوٹ کر بکھر گیے، اتحاد اسلامی پارہ پارہ ہو گیا اور بظاہر مستقبل قریب میں اس بات کا امکان نظر نہیں آتا کہ بکھرے ہوئے تنکوں کو جوڑ کر کوئی نیا آشیانہ بنایا جا سکے گا۔ انتہائی بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ یہ سب ایسے شخص اور ایسے ملک کے ہاتھوں ہوا جسے میڈیا اور ذرائع ابلاغ نے عرب قوم کا سب سے بڑا ہیرو بنا کر پیش کیا اور عام مسلمانوں نے اس بات پر بالکل غور نہیں کیا کہ جس شخص کا ماضی الحاد و بے دینی، علماء اور دیندار طبقہ کے قتل و جلاوطنی سے آلودہ رہا ہے اگر وہ آج اپنی سیاسی طالع آزمائی کے لیے اسلام اور دین کا نام لے رہا ہے تو اس میں کہاں تک صداقت ہے، آج کویت میں دیندار مسلمانوں کا نعرہ ہے کہ اسلام کی برکت سے ہم نے آزادی پائی اور اسلام کی برکت سے ہی اپنے ملک کی تعمیر نو کریں گے۔ امیر کویت جابر احمد الصباح اور ولی عہد وزیر اعظم سعد سالم الصباح جنگ کے بعد

کویت کی تعمیر نو اور عوام کی مشکلات کو دور کرنے کے لئے جس دلچسپی اور کھلے دل سے کویت کی نشاۃ ثانیہ کے لیے کام کر رہے ہیں وہ قابل تعریف اور لائق مبارکباد ہے۔

علماء اور دانشوروں کے اس سمینار میں جو مشترکہ اعلانیہ منظور کیا گیا وہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔

مشترکہ اعلانیہ میں مسلم ممالک کے ذمہ داروں اور موتمر اسلامی کو تاکید کی گئی کہ وہ فوری طور پر بین الاقوامی اسلامی عدالت کا قیام عمل میں لائیں جو دنیائے اسلام کے باہمی تعلقات میں ظلم وناانصافی کے خاتمہ کے لئے ایک موثر اوزار کے طور پر کام کریں سمینار نے مسلم ملکوں کے حکمرانوں کو دعوت دی ہے کہ وہ اپنی حدود میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو نافذ کرنے کا التزام کریں، اور اسلامی نظام کو اپنی معاشرتی وعائلی زندگی اور عدل وقضا اور حکومت کے تمام شعبوں میں نافذ کرنے کی سعی کریں، سمینار نے عالم اسلام کے عوام اور حکام کو اس بات کی بھی تاکید کی کہ اسلام کے شورائی نظام کو مضبوطی کے ساتھ اختیار کریں، اور زندگی کے تمام شعبوں میں اس پر عمل پیرا ہوں۔ سمینار نے مسلمانوں کو اس بات کی بھی تاکید کی ہے کہ وہ طاقت وقوت اور عزت وسربلندی کے تمام اسباب کو اختیار کریں اور اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑیں۔ قرآن کریم کی ہدایات اور نبی امین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ سنتوں کو اپنائیں، اور اللہ کے حکم کے مطابق اپنے کو نظم واتحاد کی لڑی میں پروئے رکھیں اور اختلاف وانتشار سے ہر ممکن طور پر بچنے کی کوشش کریں۔

واضح رہے کہ اس یادگار سمینار میں دوسرے ملکوں کے جن ممتاز علماء اور دین کی خدمت کرنے والے اہم حضرات نے شرکت کی ان میں فقیہ امت حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ سر فہرست رہے۔

❁❁❁

قران السعدین

مسلمانوں کی سعادت ہی تو تھی کہ قدرت نے حضرت محی الملۃ والدین اور مولانا ابو المحاسن محمد سجاد صاحبؒ جیسی عظیم شخصیتوں کو اکٹھا کر دیا۔ برج امارت میں دو مسعود ستاروں کا اجتماع ہی تو تھا کہ سیکڑوں برس گذرنے کے بعد مرکز اسلام سے دور ہندوستان کے ایک گوشہ (بہار واڑیسہ) میں نظام شرعی کے احیاء کا خواب دیکھا گیا، اور محض خواب ہی کیوں، خاکہ بنایا گیا اور اس خاکہ میں رنگ بھرا گیا۔

آج وہ امت جو اپنے نبی کی وصیت بھلا چکی اور اپنی بعثت کا مقصد فراموش کر چکی وہ ان کوششوں کی قدر کیا کر سکے گی جو ان علماء واکابر کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ اسلامی مزاج کی شناسائی کے بعد ہی ان اکابر دین کی جدوجہد کا حقیقی مقام متعین کیا جا سکے گا۔

قصہ یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ دین حق کی فطرت میں غلبہ و برتری ہے، وہ ذلت ونکبت سے جوڑ نہیں کھاتا عزت وغلبہ.........کا حقیقی سرچشمہ بس خدا کی ذات ہے، پھر یہ حقیقی عزت ان لوگوں کے لیے ہوگی، جن پر خدا کا ہاتھ ہو اور جن کے ساتھ خدا کی رضا ہو۔

"وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ" پس اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھنے والوں کا فطری حق عزت وغلبہ ہے، ایمان ویقین کی قوت جتنی بڑھتی جائے گی عزت وغلبہ قدم چومے گا، اور ایمان کا کھوٹ، یقین کی کمی، ذلت ونکبت سے دوچار کرے گی۔ "وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" کہیں عزت وغلبہ اور حکومت واقتدار کو ایک نہ سمجھ لیجئے گا۔ حکومت واقتدار کا ہاتھ میں آجانا نتیجہ ہے امت کی عزت کا، ایمان ویقین کی قوت عزت وغلبہ بخشتی ہے، اور عزت وغلبہ کے نتیجہ میں حکومت واقتدار ہاتھ میں آتا ہے۔ میرے خیال میں "مکہ" کے مجبور لیکن ایمان کی طاقت رکھنے والے چند مسلمان بیشک بھاری تھے ارباب مکہ پر، اور یہی وجہ تھی کہ ظلم کرنے والے ظلم کر رہے تھے،

اور مظلوم اپنی ایمانی قوت کے سہارے ظلم کے مقابلہ میں ہمت واستقامت کے پہاڑ بنے ہوئے تھے، لیکن یہ ستم ظریفی بھی دیکھئے کہ مکہ ہی میں خود ظلم کرنے والوں کے دلوں میں مظلوموں کا رعب بیٹھتا جا رہا تھا، اور وہ اوپر سے چاہے کچھ ہی بولتے ہوں، لیکن ان کے دلوں میں کمزوری بھر چکی تھی اور وہ اس نئی ابھری ہوئی قوت کے سامنے اپنے کو بے بس محسوس کرتے تھے۔ مدینہ کی ابتدائی زندگی کا جائزہ بھی لیجئے تو صاف محسوس ہوگا کہ افراد وسرمایہ کی قوت کے باوجود یہود مدینہ مرعوب معلوم ہوتے ہیں، حالانکہ ان کے مقابلہ میں یا تو مکہ کے چند بے وطن اور بے سہارا لوگ تھے یا پھر مدینہ کے وہ انصار جو زمانہ قدیم سے یہودیوں کے معاشی استحصال کا شکار تھے، اور جن کی ساری کمائی یہودیوں کے خزانہ میں داخل ہو جاتی تھی۔ ایمانی قوت کے نتیجہ میں جو عزت وغلبہ مسلمانوں کے لیے مقدر ہو چکا تھا، اس کا غیر شعوری اثر تھا کہ دعوت اسلامی کے مخالفین خفیہ ریشہ دوانیوں میں اپنی ساری جدوجہد خرچ کرنے کے باوجود کھل کر میدان میں آنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ حالانکہ مسلمانوں کے پاس کوئی عسکری طاقت نہیں تھی۔ اور مخالفین اسلام کے پاس افراد وسرمایہ کا بڑا ذخیرہ تھا۔ اسی صورت حال کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مستقل عنصر ''منافقین'' کا پیدا ہوا جو حقیقۃً دعوت اسلامی کا مخالف تھا، لیکن اس کی غیر محسوس شوکت وعزت کی وجہ سے کھل کر سامنے نہیں آسکتا تھا۔ انہیں حالات کے باعث ہمارا یقین ہے کہ مکہ اور مدینہ کی ابتدائی زندگی میں جو عزت وغلبہ اس امت کو حاصل ہوا وہ مستقبل کی ساری کامرانیوں کی تمہید بنا، اور اسی کے نتیجہ میں حکومت واقتدار نے مسلمانوں کے قدم چومے۔

اس لیے اسلامی نشو وارتقا اور مسلمانوں کے عروج وزوال کی داستان پر غور کرنے والے پر ضروری ہے کہ وہ اس عزت وغلبہ کے مضمرات پر غور کرے، جو مکی اور ابتدائی مدنی زندگی میں مسلمانوں کو حاصل ہو چکا تھا۔ پھر تاریخ کے صفحات میں کھوج لگائے کہ مسلمانوں کے قافلہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے راستہ کو کہاں چھوڑا، اور اس کا کیا نتیجہ نکلا، اس کے بعد ہی ہندوستان کے اس ملک میں سیکڑوں برس کے بعد تحریک امارت کو زندہ کرنے اور مسلمانوں کو بھولا ہوا سبق یاد دلانے کے لیے جو کچھ کیا گیا اس کی قیمت کا اندازہ ہو سکے گا، اور اس جدوجہد کی صحیح حیثیت کا تعین کیا جا سکے گا۔

اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ انسان اپنے رب کی پالن ہاری پر ایمان لے آئے، اپنی حاجتوں کو پورا کرنے والا، اور ساری قوت و عزت کا سرچشمہ صرف خدا کو یقین کرے، اور اپنی عبودیت وغلامی کو صرف اس مالک کے لیے خاص کردے، اس عقیدہ کی ہمہ گیری بندۂ مومن میں ایسی بے خوفی اور جرأت پیدا کرتی ہے کہ وہ مادی طاقتوں کی طرف دھیان بھی نہیں دیتا، اور ایسا خوف بھی پیدا ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا رہتا ہے کہ کہیں غضب الٰہی کا سبب نہ ہو۔ بے خوفی مخلوق کے مقابلہ میں ہوتی ہے اور خوف خالق کے مقابلہ ہوتا ہے، یہ عقیدہ کہ دیتا بھی وہی ہے اور لیتا بھی وہی ہے، اس کی دی ہوئی چیز کوئی لے نہیں سکتا اور اس کی لی ہوئی چیز کوئی واپس نہیں کر سکتا۔ بندہ مومن میں وہ بے نیازی پیدا کرتا ہے کہ سامنے سونے کا ہار بھی ہو تو نظر اٹھا کر نہ دیکھے، اور نیازمندی ایسی کہ انتہا عجز وتضرع کے ساتھ اپنے مالک کے سامنے اپنی محتاجی کا اعتراف کر رہا ہے، ناز و نیاز دونوں ہی قابل دید، پھر رب کی ربوبیت، دل میں عشق ومحبت کے جذبات کو ابھارتی ہے، اور نتیجہ میں اپنے محبوب کو خوش رکھنا، اس کے بول کو بالا کرنا اور اس کی پسندیدہ راہ پر مخلوق کو چلانا زندگی کا مقصود ٹھہرتا ہے، اور اس مقصد کے لیے جان ومال سب کچھ تج دینا اور ایثار وقربانی کے ہر امتحان میں پورا اترنا طرۂ امتیاز قرار پاتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی پر غور کیجئے تو محسوس ہوتا ہے کہ آنحضورؐ ایک ایسی امت کی تربیت کر رہے تھے جو مندرجہ بالا خصوصیات کی حامل ہو، مکہ کی زندگی ابتلاء وآزمائش کی کسوٹی تھی، جس میں خدا کی محبت مادی قوتوں سے بے خوفی، خشیت الٰہی، مخلوق کی طرف سے ملنے والی عزت و دولت سے بے نیازی، اور اللہ کے دین کی خاطر ایثار وقربانی اور ثبات واستقامت کی خصوصیات، مسلمانوں کی زندگی میں رچائی، بسائی جارہی تھیں، اور ان کے دل ودماغ کی اس طرح تربیت کی جارہی تھی کہ صحابہؓ کا ذہن کسی وقت بھی یاد الٰہی اور غلبہ دین الٰہی کے خیال سے غافل نہ ہونے پائے، اور ان کے ذہنوں میں یہ امر پوری طرح مرکوز ہو جائے کہ یہ امت اٹھائی ہی اس لیے گئی ہے کہ وہ ''انسانوں کو مخلوق کی بندگی سے نکال کر خالق کی بندگی میں داخل کردے'' اور اس دنیا میں کلمۂ حق کا بول بالا ہو، اور اللہ کے بندے اللہ کی اطاعت پر مجتمع ہو جائیں۔

اس تربیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کی سرزمین پر وہ طاقتور امت ابھری جو اپنے پھٹے پیوند

لگے ہوئے کپڑوں اور فاقہ زدہ جسموں میں بھی اللہ کی بندگی کے نشہ میں مست تھی۔ ایمان کے جاہ وجلال، روم کی عظمت وشوکت اور مصر کا تہذیب وتمدن اس کی نگاہوں میں کوئی قیمت نہیں رکھتا تھا۔ ناز بھی تھا اور نیاز بھی، فقر بھی تھا اور شاہی بھی۔

پس مکی زندگی کی اصل بنیاد وہ ایمان ویقین ہے، جس نے مسلمانوں کی زندگی میں آزادی وخودداری، عزم واستقامت، ایثار وقربانی، اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے اجماعتی جدو جہد اور عمل کے وہ خوشگوار نقش ونگار ابھار دیئے جو انتہائی مخالف اور نامناسب حالات میں بھی قائم رہے، ان حالات پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بندہ مومن کے لیے یہ کسی حال میں جائز نہیں کہ وہ حکومت واقتدار کے حصول کے بعد اس پر مطمئن ہو کر بیٹھ جائے اور اپنے اصل مقصد کو فراموش کر جائے کہ یہ حکومت واقتدار بندۂ مومن کی منزل نہیں، جس پر پہنچنے کے بعد اس کو سکون حاصل ہو جائے اور نہ کسی مسلمان کے لیے جائز ہوگا کہ اقتدار حکومت کے فقدان کی صورت میں ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے اور اقامت دین کی جو ذمہ داری اس پر عاید کی گئی ہے اس سے غافل ہو بیٹھے۔ دونوں صورت حال امت اسلامیہ کے مزاج اور اس کی فطرت کے خلاف ہے۔ اسلام ہر لمحہ اپنے ماننے والوں میں جہد وعمل دیکھنا چاہتا ہے، مسلمان کو اس اضطراب اور جہد مسلسل کی تصویر ہونا چاہیے، جسے دین کی فکر کسی لمحہ چین سے نہ بیٹھنے دے اور اپنی طاقت پر کچھ نہ کچھ کرتا رہے۔

یہ بھی خیال رکھئے کہ اسلام کی تاریخ ہمیں یہ روشنی بھی دکھاتی ہے کہ ابتدا ہی سے اسلام نے اپنے ماننے والوں کو وحدت اور اکائی کی شکل دی ہے اور ہمیشہ اس کی جدو جہد کو اجتماعی صورت میں دیکھنا چاہا ہے۔ اسلئے ''مسلمان'' ایک ایسی جماعتی اکائی کا نام ہے جو عشق ومحبت اور خشیت الٰہی سے بھر پور، دل نظر وفکر کے توازن اور انسانی برادری کی بھلائی کے فکر کے ساتھ نظام شرعی کو برپا کرنے کی مسلسل کوشش کرتا رہے اور کسی لمحہ اس فرض سے غافل نہ ہو۔

آگے چل کر جب مسلمان دولت واقتدار میں کھیلنے لگے تو آہستہ آہستہ اپنے مقصد بعثت سے غافل ہوتے گئے اور یہی غفلت مسلمانوں کے زوال کی پہلی منزل تھی۔ خوف آخرت، خشیت الٰہی اور اپنے دین سے عشق کی آگ جیسے جیسے سرد ہوتی گئی ظاہر کا زوال بھی بڑھتا گیا۔ تربیت نبویؐ کے گہرے نقوش جیسے جیسے ہلکے ہوتے گئے حکومت واقتدار کے مظاہر بھی ساتھ چھوڑتے گئے اور یہ

ہونا بھی چاہئے تھا کہ مومن کا ایمان ہی اس کی اصل طاقت ہے، اور وہی اس کی عزت وغلبہ کا راز ہے۔ حکومت واقتدار تو اس عزت وغلبہ کے ظاہری مظاہر ہیں۔

اب آیئے ہندوستان کی انیسویں اور بیسویں صدی کے حالات کا جائزہ لیجئے ایمان کی آگ سرد سے سرد تر ہوتی گئی، مسلمانوں کی جماعتی زندگی تہ وبالا ہوگئی، امت اپنے حقیقی مقام سے ہٹ کر مادی مظاہر کی پرستار بن گئی اور نتیجہ میں جاہ واقتدار کی ہوس نے فکر آخرت سے غافل کردیا، عشق الٰہی کی آگ سرد پڑ گئی۔ دل کا سوز وگداز ساتھ چھوڑ گیا، ایثار وقربانی کے جذبات فنا ہوگئے، جاہ ودولت کی حرص نے حسد اور رقابت کی آگ کو ہوا دی اور باہمی کشمکش، اندورنی اختلاف اور خودغرضی وجاہ پرستی کی وہ آگ بھڑکی جو آج تک بجھائے نہ بجھی۔

اس کشمکش کا سب سے دردناک پہلو یہ تھا کہ اختلاف وتخرب کا یہ بھوت مسلمانوں کے درمیان مذہب ودینداری کا لبادہ ڈال کر ابھرا تھا۔ اس لیے مسلمانوں کی پوری زندگی باہمی کشمکش اور جنگ وجدل، مناظرہ ومحاربہ کا میدان بنی ہوئی تھی، اور دوسری طرف دین اور دینی خصوصیات ساتھ چھوڑتی جارہی تھی۔ امت اپنے مقصود بعثت کو فراموش کرچکی تھی اور اقامت دین کی ذمہ داری کا احساس باقی نہیں رہا تھا۔

ان حالات میں بہار میں اللہ کا نام لے کر چند بزرگوں نے ''امارت شرعیہ'' کی بنیاد رکھ دی۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے سینوں میں ایمان ویقین کا نور تھا، دلوں میں سوز وگداز، عشق اور عزم وارادہ میں پختگی اور ان کی زندگی جہد مسلسل کی تصویر۔

''امارت'' کے اس قیام کا اصل مقصد یہی تھا کہ ہم جہاں اور جس حال میں ہوں اقامت دین کے لیے جو کچھ کرسکتے ہیں کرتے رہیں۔

ان ہی چند لوگوں میں سے ایک حضرت مولانا شاہ محی الدین صاحب قادری امیر شریعت ثانی بھی تھے، جن کی زندگی اس مضمون کا اصل موضوع ہے۔

ان حضرات کے پیش نظر اصل مسئلہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے قلوب میں نور ایمانی کو روشن کیا جائے اور ان کو افتراق وانتشار کی بے قید زندگی سے نجات دلا کر اطاعت وتنظیم شرعی کے دھاگوں سے باندھ دیا جائے، اور پھر ان کی جماعتی جدوجہد کا رخ نظام شرعی کے احیاء کی طرف موڑ دیا

جائے، اورانہیں منتشر بھیڑوں والی زندگی سے نجات دلا کر ایک ایسی امت بنایا جائے جو اپنی بعثت کے اصل مقصود کی خاطر اپنی زندگی کے لمحات کو وقف کردے، وہ دن رات اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے بے چین اور فکر مند ہو اور امت کے یہ بکھرے ہوئے افراد جماعتی زندگی کے اطوار اپنا سکیں، اور آج کی دنیا میں دینی ذمہ داری کو پورا کرسکیں۔

امارت کی اصل عملی تحریک نے مسلمانان بہار میں جو جماعتی شعور بیدار کیا اور دین الٰہی کے معاملہ میں تسلیم واطاعت کے جن جذبات کو ابھارا اس کا پورا جائزہ ایک مستقل مقالہ کا موضوع ہے، میں اسے دوسری فرصت کے لیے چھوڑتا ہوں۔ اس وقت تو صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اس نظام امارت نے پہلی بار نظام شرعی کا ایک خاکہ مسلمانوں کے سامنے رکھ دیا اور مسلمانوں کو اس کا موقع ملا کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اپنی خوشی سے اسلام کو جاری ونافذ کرسکیں۔ ایمان ویقین اطاعت وفرمانبرداری اور وحدت واجتماعیت (جو قوت کی ضمانت ہے) کے ذریعہ اقامت دین کے لیے وہ جدوجہد کرسکیں جو ان کی دینی ذمہ داری ہے۔

حضرت امیر شریعت ثانی مولانا شاہ محی الدین صاحب قادریؒ کی زندگی کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو ان کو دل ودماغ کی ساری صلاحیتوں سے معمور پاتے ہیں۔ خدا نے انہیں علم صحیح، عقل سلیم اور عمل صالح کا سنگم بنایا تھا۔ کمال علم ظاہری کے ساتھ کمال باطنی سے نوازے گئے تھے۔ اور سب سے بڑھ کر ان کمالات علمی وروحانی کے ساتھ حضرت کے سینہ میں ملت کا درد، اجتماعی مسائل کا شعور اور اقامت دین کا پرشور جذبہ ودیعت کیا گیا تھا اور یہی علم ظاہری واخلاص باطنی، فکر امت، مسائل اجتماعی کا شعور اور جذبہ اقامت دین حضرت کی زندگی کے عناصر ترکیبی تھے۔

بعض کہنے والوں نے یہ کہہ دیا ہے کہ تصوف اور خانقاہیت سے انفرادیت پیدا ہوتی ہے۔ اجتماعی ذمہ داریوں کا احساس فنا ہوجاتا ہے اور اقامت دین کے جذبات سرد پڑجاتے ہیں، لیکن حضرت امیر شریعت ثانیؒ کی اکیلی ذات اس دعویٰ کی تغلیط کرتی ہے، جاننے والے جانتے ہیں کہ خالص خانقاہی اور مخصوص روایتی ماحول میں نشوونما پانے کے باوجود اجتماعی مسائل کا جو شعور اور ملت کے لئے فکر واضطراب کی جو مثال یہاں ملتی ہے اس کی مثالیں کم ہیں۔

شاہ آباد (آرہ) کے فساد ۱۹۱۷ء میں قتل وغارت کا بازار گرم ہوا، اس وقت حضرت میدان

میں آئے اور اس موقعہ پر بیش بہا خدمات انجام دیں۔ تحریک خلافت نے جب پورے ملک میں بیداری کی لہر دوڑا دی تو اس وقت حضرت امیر شریعت ثانی بھی قافلہ سالاروں میں تھے۔ صوبہ بہار کی خلافت کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے اور آرہ کی خلافت کانفرنس میں پر مغز مدلل اور حریت و آزادی کے جذبات سے بھرپور خطبہ صدارت ارشاد فرمایا جو حکومت برطانیہ کے لیے بہت دنوں تک دردسر بنا رہا، چھپرہ اور سیوان کے واقعات ارتداد کے تدارک میں جو جدوجہد حضرت امیر شریعت ثانیؒ نے کی وہ ان کی قوت ایمانی اور جذبہ دینی کا آئینہ دار ہے۔

غالباً ۱۹۱۷ء کی بات ہے جب مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد نوراللہ مرقدہٗ........ نے نظریہ امارت کو بروئے کار لانے کے لیے پہلے علماء کو جمع کرنا بہتر سمجھا اور انہوں نے ''انجمن علماء بہار'' کی بنیاد رکھی جو ہندوستان گیر بن کر ''جمعیۃ علماء ہند'' کی صورت میں ظاہر ہوئی، اس جدوجہد میں بھی حضرت امیر شریعت ثانیؒ شریک وسہیم رہے اور اس کے لیے گاؤں گاؤں کا دورہ کیا۔

ہندوستان کے عظیم مفکر مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ نے جمعیۃ علماء کی اس ملک گیر تشہیر........ کے بعد نظریہ امارت کو بروئے کار لانے کی جدوجہد شروع کر دی، مسلمانوں کی تنظیم شرعی کا مسئلہ ان کی زندگی کا سب سے اہم مسئلہ تھا، اور تنظیم شرعی کے بروئے کار آنے کے لیے علماء کا اجتماع کس قدر ضروری ہے وہ کسی صاحب نظر سے مخفی نہیں۔ اس لیے جب وہ پہلی منزل سے گذر چکے تو انہوں نے اپنا اصل فریضہ انجام دینے میں کوئی تاخیر نہ کی اور نومبر ۱۹۲۰ء کے اجلاس دہلی میں مسئلہ امارت پیش کیا گیا، قریب تھا کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے ہاتھوں پر بیعت عامہ ہو جاتی اور ہندوستان کے مسلمان اس اہم ترین ذمہ داری کو پورا کر گذرتے جو شریعت اسلامیہ نے ان پر واجب کی ہے، لیکن حضرت شیخ الہند کی نازک حالت اور شدید علالت نے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچنے نہ دیا اور افسوس کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو رجال کار کے فقدان اور باہمی اختلاف وکشمکش نے آج تک اس مبارک سنت کو زندہ کرنے کا موقعہ نہیں دیا۔ لیکن ان اکابر نے چھوٹے پیمانے پر ہی سہی ایک خاکہ نظام شرعی کا مسلمانوں کے ہاتھ میں دے دیا، جس سے مستقبل میں مسلمانان ہند کو روشنی مل سکتی ہے۔ یعنی ۱۳۳۹ھ میں جمعیۃ علماء صوبہ بہار کا اجلاس دربھنگہ میں حضرت امیر شریعت ثانی کے زیر صدارت منعقد ہوا جس میں یہ فیصلہ لیا گیا۔

یہ جمعیۃ تجویز کرتی ہے کہ "صوبہ بہار واڑیسہ کے محاکم شرعیہ کے لیے ایک عالم اور مقتدر شخص کا امیر ہونا انتخاب کیا جائے، جس کے ہاتھ میں تمام محاکم شرعیہ کی باگ ڈور ہو، اور اس کا ہر حکم مطابق شریعت ہر مسلمان کے لیے واجب العمل ہو، نیز تمام علماء ومشائخ اس کے ہاتھ پر خدمت وحفاظت اسلام کے لیے بیعت کریں......... یہ جمعیۃ متفقہ طور پر تجویز پیش کرتی ہے کہ انتخاب امیر محکمہ شرعیہ کے لیے ایک خاص اجلاس جمعیۃ علماء بہار کا بمقام پٹنہ وسط شوال میں منعقد کیا جائے"۔

۱۸/۱۹/ شوال (۲۵/۲۶/ جون ۱۹۲۱ء) کی مبارک ومسعود تاریخ میں امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آیا اور حضرت مولانا شاہ محی الدین صاحب قادریؒ قطب العالم مولانا سید شاہ محمد علی صاحبؒ مونگیری کے مشورہ کے مطابق پہلے امیر شریعت منتخب ہوئے۔

حضرت امیر شریعت اولؒ کا دور امارت مختصر تھا، لیکن اس نقطۂ نظر سے بیحد اہم تھا کہ امارت کی جڑوں کو مضبوط کرنے کا دور تھا، اس وقت حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ اور حضرت محی الملۃ والدین کے "قران السعدین" نے جو بیش بہا خدمات انجام دیں ان کی تفصیل کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔

دونوں حضرات نے گاؤں گاؤں دورہ کیا اور مسلمانان بہار میں اجتماعی شعور کو بیدار کرنے، تنظیم شرعی کو زندہ کرنے کے لیے بے پناہ جدوجہد کی اور دیکھنے والے نے یہ محسوس کیا یہ بزرگ جو رات کے راہب ہیں دن کے شہسوار بھی ہیں.......

جاننے والے جانتے ہیں کہ خانقاہ مجیبیہ کی سجادہ نشینی عظمت واقتدار کا کتنا سامان رکھتی ہے، لیکن فطری انکسار وہضم نفس کے ساتھ ساتھ ملی کاموں کا جذبہ اور اجتماعی جدوجہد کے لیے فکرو بے چینی کا ہی نتیجہ تھا کہ والد ماجدؒ کے انتقال کے بعد جب چاہا گیا کہ حضرت کو خانقاہ کی مسند سجادگی پر بیٹھایا جائے تو حضرت نے صاف انکار کردیا۔ سارے خاندان کے بزرگ فکر مند تھے کہ کیا ہوگا۔ آخرش حضرت مولانا قاضی نورالحسن صاحبؒ اور مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ کے اصرار پر سجادہ نشینی قبول کی، لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ سجادہ نشینی کے بعد ان کا ملت کے لیے اضطراب بڑھتا ہی گیا اور کبھی بھی حالات امت سے بے خبر اور اس کی ذمہ داریوں سے غافل نہ رہے۔ اسی وقت حضرت امیر شریعت منتخب ہوئے باضابطہ شوریٰ تشکیل پائی اور امارت کے نصب العین کے

مطابق تیزی کے ساتھ کام آگے بڑھا، حضرت امیر شریعت ثانیؒ نے پوری زندگی اس نصب العین کی خاطر وقف کردی جو یوم تاسیس امارت میں پیش نظر تھا۔ یعنی

(۱) نظام امارت کو نظام شرعی (منہاج نبوت) پر قائم کرنا۔

(۲) اس نظام کے ذریعہ بقدر امکان قوانین الٰہیہ اور احکام شرعی کا نفاذ و اجراء

(۳) نیز اپنی کمزوری کا علاج کر کے ایسی استطاعت اور فضا حاصل کرنے کی سعی کرنی جس سے تمام احکام شرعی نافذ ہو سکیں، اور پورے ملک پر عدل وانصاف کی حکومت قائم ہو سکے تا آنکہ تمکین فی الارض کے بعد اقامت دین کا فرض ادا ہو سکے۔

(۴) مسلمانوں کو مرکز اسلامی پر لانا یعنی اس کی سعی کہ مسلمان آج کے بنکر نہ رہو بلکہ منہج نبوت بنکر رہو، اور ان کے فکر و عمل کا مرکزی نقطہ یہ ہو کہ ہم خدا کے ہیں، ساری دنیا خدا کی ہے، لہٰذا ساری دنیا کے لئے اصلح وہی ہے جو خدا کا قانون اور اس کی وحی ہے۔

(۵) ان کے اندر اصلاح دینی کی اشاعت اور ان کے سیاسی اور مذہبی امور کی نگرانی......

۲۳ رسال تک مسلسل امیر شریعت کی حیثیت سے جو خدمات حضرت نے انجام دیں وہ ایک مستقل باب ہے جو بشرط توفیق کسی اور وقت پیش کیا جائے گا۔

اس وقت میں نے مقاصد، نصب العین کی مندرجہ بالا فہرست سامنے رکھ دی ہے کہ ان خدمات کا محور اور مرکز کا رسامنے آسکے۔ میں اس مضمون کو ختم کرتے ہوئے (جو مختصر صفحات کے پرچہ کے لئے یقیناً طویل ہو گیا ہے۔

حضرت امیر شریعت ثانیؒ کے ایک فتویٰ کا اقتباس ضرور پیش کر دینا چاہتا ہوں، جس سے آپ کے طرز فکر پر روشنی پڑتی ہے، جیسا کہ عرض کیا گیا، ہندوستان میں مسلمانوں کی باہمی کشمکش اور اختلاف مذہبی کا لبادہ اوڑھ کر ظاہر ہوا، اور فتاویٰ کفر کی وہ بہتات ہوئی کہ خدا کی پناہ۔ لیکن ایسے نازک حالات میں بھی حضرت امیر شریعت ثانیؒ کا مندرجہ ذیل فتویٰ پڑھئے، جو ان کی افتاد طبع اور دینی فکر اور مخصوص دینی بصیرت کی نشاندہی کرتا ہے۔

آپ تحریر فرماتے ہیں:

میمن اسماعیل حاجی صدیق لوزی کے استفتاء کے متعلق جو میں نے تحریر کیا ہے یہی میرا

مسلک ہے جن کی غلامی و جاروب کشی اس فقیر کو حاصل ہے ان کا بھی یہی مسلک تھا کہ جس شخص میں ننانوے وجوہ کفر پائے جائیں اور ایک وجہ ایمان کی ہو تو اس کو مسلم ہی سمجھنا چاہئے۔

جماعت دیوبندیہ تاویلات پیش کر رہی ہے اور اپنی برأت کفر سے کر رہی ہے جس سے جناب کو مجھ سے زیادہ اطلاع ہوگی، تمام علماء اسلام عرب وعجم دیوبندیوں کی تکفیر میں متفق نہیں ہیں، اس فقیر کے علم میں بہتیرے علماء گذرے اور موجود ہیں جو مسائل میں دیوبندیوں کے خلاف ہیں، لیکن تکفیر نہیں کرتے، یہ فقیر بھی انہیں لوگوں کا ہمنوا اس معاملہ میں ہے۔

اختلاف رائے ومسلک کے باوجود یہ اعتدال میانہ روی آج بھی روشنی کا مینار اور قابل تقلید نمونہ ہے۔

مقالہ ختم ہو رہا ہے لیکن جی نہیں چاہتا کہ حضرتؒ کی اس تقریر کا تذکرہ نہ کروں جو آپ نے مسلم انڈی پینڈیڈنٹ پارٹی کے نمائندگان کے سامنے کی تھی۔ ۱۹۳۶ء کے عام انتخاب میں مسلم انڈی پنڈیٹ پارٹی کے امیدواروں کی امارت شرعیہ نے حمایت کی تھی۔ اس لیے کہ انہوں نے امارت شرعیہ کے اس منشور پر دستخط کئے تھے جس کی رو سے انہیں قانون سازی میں امارت شرعیہ کے احکام کی پابندی کرنی تھی، انتخاب میں ۲۰ / امیدوار کامیاب ہو کر آئے جس میں بہار کے اعلیٰ قانون داں اور مغربی تعلیم یافتہ شخصیات کے ساتھ حضرت امیر شریعت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانیؒ جیسے علوم دینیہ کے ماہر بھی تھے۔ حضرت امیر شریعت ثانیؒ نے ان سب کو جمع کر کے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی جو ان کے سیاسی فکر اور جذبہ اقامت دین کی آئینہ دار ہے۔

آپ نے فرمایا:

”حضرات! میں نے آپ لوگوں کو اس لیے تکلیف دی ہے کہ آپ کے منتخب ہو جانے کے بعد ضرورت تھی کہ ایک جگہ مجتمع ہو کر تبادلہ خیال کیا جائے اور سر جوڑ کر ضروری اور اہم امور پر گفتگو کی جائے، ہمیں آپ حضرات سے پوری توقع ہے کہ آپ نے قوم سے جو وعدے کئے ہیں اور جن بلند مقاصد اور نصب العین کو لے کر آپ اسمبلی میں جا رہے ہیں، اس کو بدرجہ اتم پورا کریں گے۔ اور قوم کے اندر اپنا اعتماد بڑھائیں گے۔ ساتھ ہی ہم کو یہ چاہئے کہ ہم شخصی امور کو جماعتی امور میں نہ لائیں، اور کسی شخص کی سابقہ بے راہ روی کو قطع نظر کر کے جماعتی اصول اور مقاصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔

اختلاف رائے اور چیز ہے مخالفت اور بات ہے، جب آپ اہم امور پر مشورہ کے لئے سر جوڑ کر بیٹھیں تو آپ کو اختلاف رائے کا پورا حق حاصل ہے، لیکن جب کسی امر پر جماعت کا فیصلہ ہو جائے تو پھر آپ کو متفقہ طور پر نہایت خلوص و سرگرمی سے کاربند ہونا چاہئے۔

میں نے آپ کی خدمت میں خطوط لکھیں ہیں وہ ملے ہوں گے۔ اس میں میں نے ضروری ہدایات جماعتی زندگی سے متعلق جو لکھے ہیں۔ امید ہے کہ اسے آپ نے نظر غائر سے دیکھا ہوگا، اور اس پر عمل پیرا ہونے کا عزم کر لیا ہوگا۔ ماشاء اللہ آپ خود صاحب عقل ہیں۔ چند کلمات بطور یاد دہانی، میں نے آپ کی خدمت میں عرض کئے ہیں، امید ہے کہ اسمبلی کے اندر تحفظ مذہب کے معاملہ میں آپ پوری یکجہتی اور عزم و ثبات کا ثبوت دیں گے۔

مذہبی امور کے لیے ضرورت ہے کہ علماء کی ایک منظم مجلس سے استصواب واسترشاد کے بعد عمل درآمد کیا جائے اور آپ جانتے ہیں کہ صوبہ بہار میں صرف امارت شرعیہ، بہار ہی ایک ایسا اجتماعی منظم ادارہ ہے جو صحیح معنوں میں اسلامیان بہار کی مذہبی رہنمائی کا فرض انجام دے سکتا ہے۔ اس ادارہ میں مقلد بھی ہیں، غیر مقلد بھی نیز دوسرے عقیدہ کے مسلمان بھی ہیں۔ علاوہ بریں ہر فرقہ کے علماء سے استصواب رائے کے بعد متفقہ فیصلہ ہوا کرے گا۔ اس لیے ہمیں امید ہے کہ آپ تمام اسلامی امور میں امارت شرعیہ کے فیصلہ کو منوانے کے لیے اپنی انتہائی کوشش صرف کریں گے"۔

حضرت امیر شریعت ثانیؒ کی اس تقریر کو بار بار پڑھئے۔ اس کے زریں اصول پر نگاہ ڈالئے۔ کتنی اہم باتیں مختصر اور سادے لفظوں میں کی گئیں ہیں، اس تقریر سے جہاں حضرت کے سیاسی فکر کا اندازہ ہوتا ہے وہاں امارت کے اصول کار کی وضاحت بھی ہوتی ہے۔

مقالہ کو ختم کرتے ہوئے ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت امیر شریعتؒ کی ان خدمات عالیہ کو قبول فرمائے ان کے درجات کو بلند کرے اور جس دعوت و تحریک کے لیے انہوں نے پوری زندگی صرف کی ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی ہو اور تحریک امارت پھولے پھلے، یہاں تک کہ ان بزرگوں کے خواب عملی صورت اختیار کر سکیں۔ آمین

خدا رحمت کند ایں عاشقاں پاک طینت را

قطب عالم مولانا سید محمد علی مونگیری علیہ الرحمہ

اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں کچھ نہ کچھ ایسے صاحب عزیمت افراد پیدا کیے جن کے ذریعہ اس کے کلمے کا بول بالا ہوا، دلوں میں عشق الٰہی کے چراغ جلے اور روحوں نے طہارت و پاکیزگی کا سبق پڑھا، یہ مردان کار جہاں بھی پیدا ہوئے، علم کی شمعیں جلائیں، عمل کے نمونے قائم کیے اور ان کے دم سے معرفت خداوندی کے چشمے جاری ہوئے۔

قطب العالم حضرت مولانا محمد علیؒ کی جامع شخصیت میں بھی علم، زہد و تقویٰ، عشق و عرفان اور تبلیغ جہاد کا ایسا اجتماع ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخصیت کسی بڑے کام کے لیے پیدا کی گئی ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق اس خانوادۂ علم و فضل سے ہے جو سیکڑوں سال سے اپنے فقر کے باوجود دلوں پر بادشاہی کرتا رہا، سیدنا الشیخ عبد القادر جیلانیؒ کے ایک پوتے اپنا وطن چھوڑ کر بخارا میں آبسے، ان کی اولاد میں سے ایک بزرگ نے ہندوستان کو اپنا مسکن بنایا، اور ملتان کو یہ عزت حاصل ہوئی۔ اپنی قدیم روایت کے مطابق یہ حضرات زبان و قلم، تزکیہ اور تربیت باطنی کے ذریعہ خلق اللہ کو فائدہ پہنچاتے رہے، اس خاندان کے سرخیل حضرت مخدوم سیدنا بہاء الحق ملتانی تھے جن کا شمار دسویں صدی ہجری کے اکابر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے، ان کے ایک نامور فرزند حضرت ابوبکر چرم پوش ہوئے، جنہوں نے علوم ظاہری کی تحصیل کے بعد اپنے والد محترم سے ہی کمالات باطنی کی تکمیل کی، اس سلسلہ میں بڑے بڑے مجاہدے اور ریاضتیں کیں، اور ترک وطن کر کے ضلع مظفر نگر یوپی کے قصبہ کھتولی کے پاس ایک ویرانے میں آکر مقیم ہوگئے۔ یہی ویرانہ آج شیخو پورہ کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت شیخ ابوبکر چرم پوشؒ کی مقبولیت اور خلق اللہ کے ہجوم کی وجہ سے تھوڑے ہی دنوں میں یہ ویران جگہ بھی خاصی آباد بستی بن گئی۔ حضرت ابوبکر چرم پوشؒ کے پرپوتے حضرت سید معروف

بہ حاجی الحرمین کو اللہ نے تین فرزند عطا کئے۔ ایک شاہ مدح، دوسرے سید شاہ عاشق محمد، تیسرے سید شاہ اشرف المعروف بہ شاہ شرف، شاہ شرف کے دو صاحبزادے شاہ سانولے اور شاہ غایت اور سید شاہ عاشق محمد کے بھی دو صاحبزادے شاہ نصیب اور شاہ محمد عمیر ہوئے، شاہ نصیب کے پوتے شاہ غلام مصطفیٰؒ اپنے وقت کے پاکیزہ لوگوں میں تھے۔ آپ نے اپنی خاندانی سنت کو اس طرح زندہ کیا کہ وطن کی ساری راحتیں اور جائداد واملاک چھوڑ کر کانپور چلے آئے، اس زمانہ میں کانپور ایک ویرانہ تھا، جہاں چھوٹی سی فوجی چھاؤنی تھی اور ان کی وجہ سے تاجروں کی آمد ورفت رہا کرتی تھی، دوسری طرف سید شاہ غوث علی نے فارسی، عربی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد فوجی ملازمت حاصل کرلی۔

حضرت شاہ غلام مصطفیٰؒ کے آنے سے کانپور میں خلق اللہ کا ہجوم ہوا، ڈلامی مسجد بنی اور مکان تیار ہوگیا۔ حضرت موصوف کو کوئی اولاد نہ تھی۔ انہوں نے خاندان۔ کے نوجوان صالح شاہ غوث علیؒ کو فوجی ملازمت ترک کرکے اپنے یہاں بلالیا اور ان کی تربیت باطنی کرکے اپنا جانشیں بنایا، اور راہی ملک عدم ہوئے۔

مولانا شاہ غوث علیؒ میں تواضع و عجز بے حد تھا، تصوف کی تعلیم دیتے تھے، لیکن رواجی طریقہ پر کسی سے بیعت نہیں لیتے تھے، ان کے دو صاحبزادے مولانا سید عبد العلی اور حافظ ظہور علی ہوئے، مولانا سید عبد العلی کے صاحبزادے قطب العالم مولانا سید محمد علیؒ صاحب ہوئے جن کے حالات ان صفحات کا موضوع ہیں۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم کانپور ہی میں ہوئی، مفتی عنایت حمد صاحب کاکوروی محبوس جزیرہ انڈمان اور استاذ العلماء مولانا لطف اللہ صاحب علیگ بھی ان کے اساتذہ ہیں۔

مفتی صاحبؒ کی مشہور تصنیف "علم الصیغہ" جب حضرت مونگیریؒ کے زیر درس تھی، استاذ خود مصنف حضرت مفتی عنایت احمد صاحبؒ تھے، ایک دن استاد نے اپنے ہونہار شاگرد سے کہا کہ کل کا سبق مشکل ہے ذرا دیکھ کر آنا، اس زمانہ کا طریقہ درس یہ تھا کہ طالب علم ہی عبارت حل کرتا تھا، ترجمہ کرتا تھا، اور طالب علم ہی استاد کے سامنے مطلب کی تقریر بھی کرتا تھا، استاد کا کام صرف شاگرد کے بتائے ہوئے مطلب کی تصدیق یا اگر خامی ہو تو اصلاح تھا، استاد کے اس کہنے پر کہ سبق مشکل ہے، شاگرد نے رات کو اچھی طرح مطالعہ کیا اور عبارت کا مطلب پوری طرح حل کرلیا،

شاگرد صبح انتہائی خوشی کے ساتھ استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے، عبارت پڑھی، ترجمہ کیا اور جب مطلب بیان کرنا چاہا تو استاد نے روک کر اور یہ سمجھ کر کہ شاگرد نے اس مقام کا مطلب نہیں سمجھا ہوگا، خلاف معمول خود عبارت کا مطلب سمجھانا شروع کر دیا۔ شاگرد فرط ادب سے خاموش ہو رہے، لیکن آنکھوں سے آنسو بہ نکلے، استاد نے تعجب سے پوچھا، شاگرد نے جواب دیا کہ رات میں نے بڑی محنت سے سبق کو حل کر لیا تھا، اور توقع تھی کہ جب میں آپ کے سامنے اس عبارت کا مطلب بیان کر دوں گا تو آپ خوش ہوں گے، اور دعائیں دیں گے، لیکن ایسا نہ ہو سکا، اور آپ کی دعاؤں سے محروم رہ گیا، اس صدمہ سے میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ یہ ہے قطب العالم مولانا مونگیریؒ کی ابتدائی زندگی کا ایک نقش۔ اس سے آپ کے مستقبل کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت قطب العالم نے کم سنی ہی میں مولانا شاہ کرامت علیؒ کی صحبت پائی اور ان سے فیض حاصل کیا، ان کے بعد حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی سے بیعت کی۔

حضرت نے خاندان نقشبندیہ کی تعلیم دی اور آپ کی توجہ خاص حضرت مولاناؒ کے حال پر رہی.... حضرت نے زبان اور تحریر سے خاندان قادریہ اور نقشبندیہ کی اجازت دی، آخر میں حضرت حاجی شاہ امداد اللہ مہاجر مکی کی خاص عنایت ہوئی، حضرت حاجی صاحبؒ نے قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ کی اجازت تحریری دی اور بطور اویسیت کے حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز گلبرگہ شریف حیدر آباد کی کامل توجہ اور فیضان روحانی سے خاص سلسلہ چشتیہ کی نسبت حاصل ہوئی اور اسی کے بعد حضرت علیہ الرحمہ پر اکثر چشتیت کا غلبہ ہو جایا کرتا تھا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ دردمند دل رکھتے تھے اور امت کے اجتماعی مسائل پر سوچتے رہا کرتے تھے، علماء کے باہمی جھگڑے اور مسلمانوں کی تفریق حضرت کے لیے سوہان روح تھی، ان کی علمی اور عرفانی نگاہ نے اس کو بھانپ لیا تھا کہ امت کا یہ افتراق مسلمانوں کو لے ڈوبے گا۔ حضرت والا نے یہ بھی محسوس کیا کہ امت کا مرکزی کردار علماء ہی ہیں، اس لیے اگر یہ سدھر گئے تو عوام کے بگاڑ کو آسانی سے دور کیا جا سکتا ہے، اسی لیے حضرتؒ نے اپنے استاد حضرت مولانا لطف اللہ صاحب علیگڑھی کے مشورہ سے مختلف خیال اور مسلک کے علماء کو جمع فرمایا اور ندوۃ العلماء کے نام سے ان مختلف خیال اور مسالک رکھنے والے علماء کی انجمن تشکیل کی، اگرچہ بعد کو یہ انجمن ایک محدود

تعلیمی ادارے میں سمٹ کر رہ گئی ،لیکن حقیقتاً یہ ایک عظیم تحریک تھی جس کا مقصد علماء کی توجہ کو اختلافی اور چھوٹے چھوٹے مسائل سے موڑ کر ایک مضبوط اور متحد جماعت پیدا کرنا تھا، تا کہ مسلمان گروہ بندی میں پھنس کر جن بُرے نتائج کا شکار ہو رہے ہیں ان سے بچ سکیں، اور امت کے ذہین اور لائق افراد کی صلاحیتوں کو دین کی تائید یا دین کی دفاع کے لیے استعمال کیا جا سکے، مسلمان اپنے جماعتی گروہ بندیوں سے نکل کر اتحاد و یکجہتی اور وسعت و فراخ دلی کے ساتھ ایک دوسرے کے قریب آسکیں اور اس انجمن کا بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ ملک میں ایسا تعلیمی انقلاب لایا جا سکے جس کے نتیجہ میں ایسے افراد مہیا ہوں جو ایک طرف دین سے براہ راست واقفیت رکھتے ہوں تو دوسری طرف حالات حاضرہ سے بھی آشنا ہوں۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے سالہا سال تک اس انجمن کی قیادت فرمائی ،لیکن آخر میں بعض حالات کی بنا پر علاحدگی اختیار کرنی پڑی ، لیکن دل میں جو درد تھا وہ کم نہ ہوا، امت کی تفریق سے ہمیشہ نالاں رہے اور علماء کے اختلاف سے بچتے رہے..... یہی وجہ ہے کہ جب حضرت مولانا ابو المحاسن سجاد صاحبؒ امارت شرعیہ کی تحریک لے کر اٹھے، جس کا مقصد مسلمانوں کی شرعی تنظیم اور ان کے باہمی اختلافات سے بچتے ہوئے مسلمانوں کے لیے ایک نقطہ اتحاد پیدا کرنا تھا تو اس وقت حضرت مولانا مونگیریؒ نے پوری طرح اس تحریک کی تائید کی کہ اس میں ان کی دلی تمناؤں کی تکمیل تھی۔

حضرت مولانا مونگیریؒ نے بہت بڑا جہاد اس وقت کیا جبکہ قادیانیت کا فتنہ پورے زور کے ساتھ اٹھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ فتنہ پورے بہار کو لے ڈوبے گا، اس وقت حضرت پورے جوش کے ساتھ اٹھے اور پوری طاقت کے ساتھ اس فتنہ کا دفاع کیا، کتابیں خود لکھیں اور دوسروں سے لکھوائیں، مبلغین بھیجے، نتیجہ یہ ہوا کہ قادیانیت کا وہ فتنہ جو پورے زوروں کے ساتھ اٹھا تھا، حضرت کی جدو جہد کے نتیجہ میں بالکل فنا ہو گیا، حضرت کے انتہائی شغف کا عالم دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا حضرتؒ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کام کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ بیان کرنے والوں کا بیان ہے کہ حضرت والا تہجد کے اوقات میں تہجد چھوڑ کر رد قادیانیت پر کتابیں لکھا کرتے تھے اور اسے افضل سمجھتے تھے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم لونج تھے، حضرت کے مسودات صاف کرتے تھے، حضرتؒ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو اگر آج جہاد کرنا ہوتا تو تم اس میں شرکت نہیں کر سکتے تھے۔ خدا کا احسان ہے کہ اس نے تم کو ایک جہاد کا موقع دیدیا ہے اس لیے پورے ذوق وشوق کے ساتھ اس کام میں مشغول رہو۔

حضرت مولانا مونگیریؒ کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ مختلف الخیال علماء کا سنگم تھے، ان کی مجلس میں جہاں علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مولانا شبیر احمد عثمانی، شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہوتے تھے، وہاں مولانا ابراہیم سیالکوٹی، مولانا نثار احمد کانپوری جیسے لوگ بھی رہا کرتے تھے، غرض یہ کہ حضرت مولانا مونگیریؒ حلم وعرفاں، زہد وتقویٰ اور جہاد واخلاص کا مجسمہ تھے جو اس دور قحط الرجال میں شمع ہدایت بن کر تشریف لائے اور طویل عرصہ تک اللہ کی مخلوق کی خدمت کے بعد واصل بحق ہوئے۔ اللہ ان سے راضی ہو۔

آج ان کی زندگی سے ہمیں سبق حاصل کرنا چاہئے اور ان کے پیغام کو عام کرنا چاہئے۔

حیدر آباد میں تین دن

فقیہ امت قاضی شریعت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کا یہ سفر ۱۹۷۸ء میں ہوا تھا

کل ہند تعمیر ملت کی دعوت پر جب میں ۱۹؍فروری کو شب کے ۸؍بجے سکندر آباد اسٹیشن پر کرشنا اکسپریس سے اترا تو وہاں میرے دوست جناب رحیم قریشی جنرل سکریٹری تعمیر ملت اپنے رفقاء کے ساتھ خوش آمدید کہتے ہوئے ملے۔ ان کے ساتھ سلطان عمر صاحب، احمد اللہ قادری صاحب اور دوسرے لوگ بھی تھے، یہ سب میرے لیے نئے چہرے تھے، ذرا آگے بڑھا تو سلمان سلمہٗ، مولانا محمد ہاشم پورنوی پر نظر پڑی، باہر نکلا تو مولانا محمد رضوان قاسمی، خطیب مسجد عامرہ اور میرے عزیز دوست حافظ حسن بن محمد باحاذق نظر آئے۔

اخلاق محبت اور اسلامی اخوت کے جذبات سے سرشار دل والے یہ ہنستے چہرے اور مسکراتی آنکھیں، انہیں دیکھ کر محسوس ہوا جیسے اس ۴۸؍گھنٹوں کے طویل اور تھکا دینے والے سفر کا سارا تکان ایک لمحہ میں دور ہو گیا۔ سمیع خاں صاحب نے کار چلائی اور ہم نام پلی ریلوے اسٹیشن روڈ پر واقع ''انا پورنا'' ہوٹل کے کمرہ ۲۲۰؍میں آکر مقیم ہوئے، دیر تک پروگرام کے سلسلے میں باتیں ہوتی رہیں، اور نماز وطعام سے فارغ ہو کر رات کے گیارہ بجے بستر پر گیا، صبح ساڑھے پانچ بجے آنکھ کھلی، غسل سے فارغ ہوا ہی تھا کہ لاؤڈ اسپیکر پر بلند و بالا آواز میں اللہ کی کبریائی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت سے نماز اور فلاح کی دعوت دیتی ہوئی مؤذن کی صدا کانوں سے ٹکرائی۔ اللہ کا نام لے کر نیچے اترا تو دیکھا کہ رحیم قریشی صاحب اور احمد اللہ قادری صاحب سامنے کھڑے ہیں، حیرت ہوئی کہ کیا ان لوگوں نے رات جاگتے گذار دی ہے شاید ایسا ہی ہوا تھا۔ ابھی ابھی یہ لوگ جلسہ کے دوسرے مہمان میرے مخدوم مولانا محمد ہاشم میاں صاحب فرنگی محلی کو اسٹیشن سے لائے تھے۔ ایک نوجوان ساتھ ہو گئے، اور ۵؍منٹ کی راہ پر ''مسجد عامرہ'' پہنچا تو مولانا محمد رضوان صاحب قاسمی اپنی پرسوز آواز میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے، نماز شروع ہو چکی تھی،

نماز کے بعد مولانا محمد رضوان کے اصرار پر چائے پی، اور پھر ہوٹل واپس آ گیا۔

احمد اللہ قادری صاحب یہاں موجود تھے، پر خلوص اور محبت آمیز میزبان کے لیے قادری صاحب کو شاید میں کبھی بھول نہیں سکوں گا۔ بہر حال مختلف احباب آتے رہے، ملاقات ہوتی رہی، مولانا محمد ہاشم صاحب کمرہ ۲۲۱ میں قیام پذیر ہوئے، ناشتہ، حقہ اور لکھنؤ کے پان کے ساتھ ساتھ مولانا کی دلچسپ گفتگو سے دیر تک لطف اندوز ہوتا رہا، ساڑھے دس بجے ہم لوگ ''اگزبیشن گراؤنڈ'' پہنچے، یہاں عوام کا سیلاب دیکھا، جو ''رحمۃ للعالمین'' صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور ان کا پیغام سننے کے لیے دور دور سے آ رہے تھے، اور جوق در جوق آ رہے تھے، یہ جلسہ صبح ساڑھے آٹھ بجے شروع ہوا تھا، حسن انتظام کی داد دینی پڑی۔ تعمیر ملت کے کارکن چھوٹے بچے اور نوجوان ہر جگہ چوکس اور مستعد۔

یہاں آ کر محسوس ہوا کہ ماہ ربیع الاول اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ماہ ولادت کو ایک عید کی طرح مناتے اور اس اہتمام کے ساتھ اس تقریب کو منعقد کرنے کا رواج شاید ہی ملک میں کہیں اور ہو، شہر حیدر آباد کے ہر حصہ میں چھوٹے بڑے جلسے ہوتے ہیں، ۱۱ر ربیع الاول کو شب میں ''اتحاد المسلمین'' سیرت کا جلسہ اور ۱۲ر کو شب میں نعتیہ مشاعرہ کرتی ہے۔ ۱۲ر کو شب میں مولانا محمد حمید الدین صاحب عاقل حسامی کے زیر اہتمام خلوت میں ایک اجلاس عام کا اہتمام ہوتا ہے، اور نہ جانے کہاں کہاں تقریبات ہوتی ہیں، لیکن یہ ۱۲ر ربیع الاول کو صبح ساڑھے آٹھ بجے سے شروع ہو کر دن کے دو ڈھائی بجے تک تعمیر ملت کے زیر اہتمام شاید اس موسم کی سب سے اہم تقریب ہوتی ہے، جس میں دور دراز سے لوگ شرکت کے لیے آتے ہیں، معلوم ہوا یہ ستائیسواں اجلاس ہے۔

بہر حال میں جب پہنچا تو سلطان عمر صاحب اناؤنسر کے فرائض انجام دے رہے تھے، پروگرام کا ایک حصہ گذر چکا تھا، حیدر آباد کے ایک بزرگ عالم کی تقریر ہو رہی تھی، وہ بڑے بلیغ انداز میں اپنی عقیدت کا اظہار فرما رہے تھے۔ جناب شاذ تمکنت اور بزمی صاحب کی نعت سننے کا موقع ملا، بزمی صاحب کی نعت میں آداب وحدود کی بڑی خوب صورتی کے ساتھ رعایت کی گئی ہے۔

اب مولانا محمد عباس صاحب شیعہ مقرر تشریف لائے، رہنے والے تو شاید حیدر آباد کے ہیں، لیکن قیام زیادہ ممبئی میں رہتا ہے، موصوف نے اپنے انداز میں سیرت پر جو کہا، لیکن ان کی تقریر

میں ایک خاص بات یہ تھی کہ:

''آج مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی سازش ہو رہی ہے، ''انڈین اکسپریس'' کا اداریہ ہو یا ''مراٹھا اخبار'' کا مقالہ ان سب کا مقصد مسلمانوں میں آپسی جنگ بھڑکانا ہے، لکھنؤ اس آفت کا شکار ہو چکا ہے، یہ دیوبندی، بریلوی کی جنگ، شیعہ سنی کا ہنگامہ کیوں؟ خدا کے یہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہمارے کام آئے گی، ہم سے ''محمدی'' ہو یا نہیں، یہ پوچھا جائے گا، شیعہ، سنی، بریلوی، دیوبندی کی نسبت نہیں پوچھی جائے گی، میں حیدرآباد میں آپ سے کہتا ہوں اور لکھنؤ میں شیعہ حضرات سے بھی یہی کہتا ہوں کہ آپ امت کے اتحاد میں شگاف پیدا کرنے والی ان سازشوں کا شکار نہ ہوں۔''

اب مخدومی حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب فرنگی محلی تشریف لائے، مولانا نے اپنے مخصوص لکھنوی لب ولہجہ میں بار بار یہ کہتے ہوئے کہ ''حضور! مجھے تقریر نہیں کرنی ہے تقریر فرماتے رہے، ۔ مولانا نے دو باتوں کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ دلائی، ایک تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ امت کا تعلق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ افراد امت کی وابستگی کا خاص تقاضہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی پیروی، کی جائے، اور انہیں شمع راہ بنایا جائے، اور مولانا نے موثر انداز میں موت، احوال بعد الموت اور خدا تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کے تصور پر روشنی ڈالتے ہوئے ملی اتحاد کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کیا اور فرمایا:

''آپ یہاں جس طرح بھی رہنا ہو رہ لیں اور اپنا جو بھی نام رکھنا ہو رکھ لیں، لیکن یاد رکھئے کہ ایک دن موت آئے گی اور نئے نئے کپڑے پہنا کر آپ کو آپ کے اعزہ قبر کی منزل کی طرف لے جائیں گے، تو یہی کہہ کر آپ کو قبر میں ڈالیں گے اور یہی سب کی زبان پر ہوگا کہ ''بسم اللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ''

ہاں صاحب! تو یہی ''ملت رسول اللہ'' ہوگی جس پر آپ اپنی قبر کی زندگی کا آغاز کریں گے، اور پھر وہاں فرشتے آئیں گے، اور تین ہی سوالات حضور! آپ سے کئے جائیں گے۔ کون ہے آپ کا رب؟ کیا ہے آپ کا دین؟ اور ''اُن'' کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ بس توحید الٰہی، دین اسلامی اور رسالت محمدیؐ یہی تین سوالات ہیں، جو لوگ جواب صحیح دیں گے، تو وہاں نجات ملے

گی، ورنہ عذاب ہی عذاب ہے۔''

مولانا کی موثر اور دلنشیں تقریر کے بعد اس حقیر کو اس عظیم الشان اجلاس سے خطاب کا شرف حاصل ہوا، وقت بہت ہو چکا تھا، اور موسم بھی کچھ ابر آلود ہو رہا تھا، بہر حال میں نے گھنٹہ بھر کی تقریر میں ''منصب رسالت کی عظمت'' پر روشنی ڈالی اور خوف الٰہی، اتباع نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اپنی زندگی پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو جاری کرنے پر زور دیا، اسی سلسلے میں حیدر آباد کے مسلم معاشرہ میں شادیات کے موقع پر گھوڑے جوڑے (تلک) کی رسم کو مٹا ڈالنے کی اور سادگی کے ساتھ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اپنی تقریبات انجام دینے کی مسلمانوں کو دعوت دی۔

جلسہ ختم ہوا اور ادھر بارش آ گئی، سامنے کلب کی بلڈنگ میں ہم لوگوں نے ظہر کی نماز ادا کی، اور پھر مجلس استقبالیہ کے ایک اہم رکن کے یہاں ہم لوگوں نے دن کا کھانا کھایا اور ہوٹل واپس آئے۔ رات تک بہت سے دوستوں، بزرگوں اور ملاقاتیوں کی آمد و رفت رہی، اور بہت سے دینی اور ملی مسائل پر گفتگو ہوتی رہی، ڈاکٹر سید عبد المنان صاحب رکن مجلس عاملہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ بھی تشریف لائے، اس طرح پر پہلا دن ختم ہوا۔

۲۱ر فروری ۸۷ء کی صبح کو نماز ''مسجد عامرہ'' میں ادا کی اور مولانا رضوان صاحب قاسمی اور عزیز سلمان سلمہٗ کے ساتھ ''بارکس'' چلا گیا۔ یہ دراصل فوجی بیرکوں کا علاقہ تھا، نظام کے مرحوم عہد میں عرب فوجیں (خاص کر یمنی) بڑی تعداد میں یہاں رہتی تھیں، انہیں عربوں کی بستی اب ''بارکس'' کہلاتی ہے، شہر سے دور، صاف ستھرا علاقہ ہے، لوگوں کے نام ان کی تہذیب و رہائش اور کھانے پینے پر ابھی تک عرب تہذیب کے اثرات باقی ہیں، مجھے اپنے رفیق حج اور بہت ہی عزیز'' حافظ حسن بن محمد سے ملنا تھا، پوچھتا ہوا ان کے گھر پہنچا، یہ معلوم ہوا کہ یہ ''باحاذق'' کے نام نامی سے مشہور ہیں، یمنی عرب اپنی ولدیت کے ساتھ باسالم، بافقیہہ، باحاذق اس طرح کے لقب ضرور لگاتے ہیں۔ بہر حال حافظ حسن جو جاتے اور آتے حج میں حیدر آباد کے چند رفقاء کے ساتھ بڑے مخلص دوستوں میں ثابت ہوئے تھے، ان کے گھر پہنچے اور قریب بیٹھے رہے، عرب انداز کا ناشتہ آیا، حلیم جس میں گھی انڈیلے جا رہے تھے، اس قدر لذیذ تیار ہوئی تھی کہ کیا کہنا۔

بہر حال اس کے بعد ہوٹل لوٹا اور پھر فوراً تعمیر ملت کے دفتر گیا، یہاں تعمیر ملت کے صدر جناب خلیل اللہ حسینی اور ان کے دوسرے رفقاء سے ملاقات طے ہوئی تھی، خلیل اللہ حسینی صاحب حیدر آباد میں ایک خاص انداز کی شخصیت کے حامل ہیں، حیدر آباد پولیس ایکشن کے بعد جب ذہنی مرعوبیت مسلمانوں میں پیدا ہوئی، اور جس طرح کے انتشار سے بھرپور کیفیت کا شکار مسلمان ہوئے، ایسے نازک موقع پر اللہ تعالیٰ نے حیدر آباد میں مسلمانوں کے قدم جمانے اور ان کو ان کی خودی سے روشناس کرانے کے سلسلے میں جو کام لیا، اس میں حسینی صاحب اور ان کے رفقاء کا ممتاز اور نمایاں حصہ ہے۔ یہ بات مجھ سے بہت سے لوگوں نے کہی، اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں، علامہ اقبالؒ کے فکر سے بہت متاثر ہیں، شہر کا اچھا خاصہ تعلیم یافتہ طبقہ ان کے گرد اکٹھا ہے، بار بار جیل جا چکے ہیں اور اپنی انتہائی خراب صحت کے باوجود ایمرجنسی کے دور میں مہینوں جیل کی چار دیواری میں رہے ہیں، صحت اب بالکل خراب ہو چکی ہے، اعصاب اتنے متاثر ہیں کہ کھڑا رہنا اور چلنا مشکل، زبان پر بھی مرض کا اثر ہے، بتانے لگے کہ یہ مرض ڈاکٹروں کے خیال میں لاعلاج ہے۔

بہر حال ہم لوگ تفصیلی گفتگو کرتے رہے خصوصیت کے ساتھ گفتگو کا موضوع تھا ''ہندوستان میں غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت اور اس کا طریق کار'' موضوع بے حد اہم اور ہماری دلچسپی کا تھا، میں نے خصوصیت کے ساتھ موصوف کو ایک ایسے تربیتی ادارہ کے قیام کی طرف متوجہ کیا جس میں ملک کے مختلف حلقوں کے سماجی اور معاشرتی حالات نفسیاتی تجزیہ اور مختلف علاقوں میں بولی جانے والی مختلف زبانوں کو پیش نظر رکھ کر دعوت کے کام کو اس کی ساری نزاکتوں کے ساتھ انجام دینے والے باصلاحیت افراد تیار کئے جائیں۔

میں نے حسینی صاحب، سلمان سکندر صاحب اور ان کے رفقاء کو اس مسئلہ پر جتنا فکر مند دیکھا اس کے پیش نظر بجا طور پر توقع کرنی چاہئے کہ کچھ نہ کچھ کام اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے اس سلسلے میں لے گا۔

بہر حال مدینہ مینشن سے ہم لوگ انوار العلوم کالج آئے، حسینی صاحب اس کالج کے پرنسپل ہیں، ہزاروں طلبہ اس کالج میں زیر تعلیم ہیں، کالج کی لیباریٹری بہت دولت مند ہے اور کتب خانہ تو سبحان اللہ کیا کہنا۔ پاکستان سے شائع ہونے والی اردو انسائیکلوپیڈیا دیکھنے کی بڑی آرزو تھی،

اس کی پندرہ جلدیں یہاں موجود ہیں، بس ''زیارت'' کر کے آنکھیں ٹھنڈی کیں، مطالعہ کا موقع کب تھا؟

یہاں سے فارغ ہوکر'' کالی قبر'' محلہ میں حاضر ہوااور یہاں تعمیر ملت کے ایک رکن مظہر لطیفی صاحب کے یہاں دن کا کھانا کھایا، اور پھر دیر تک مولانا فرنگی محلی کے ارشادات محفل کو گلزار بنائے رہے، مولانا نے ماچس لکھنوی کی وہ غزل سنائی جس کا مطلع کتنے غضب کا ہے۔

شیخ محشر میں جو آئے تو اعمال ندارد

جس مال کے تاجر تھے وہی مال ندارد

بہر حال تقریباً ساڑھے چار بجے ہم لوگ ''دارالعلوم حیدر آباد'' حضرت مولانا حسامی صاحب سے ملاقات کو حاضر ہوئے، مدرسہ دیکھا دل خوش ہوا، ہم لوگوں نے طلبہ سے کچھ باتیں کیں، اساتذہ سے تعارف ہوا، عزیزی مولوی رحیم الدین انصاری سلمہٗ جو اس مدرسہ کے معتمد ہیں پیش پیش رہے، یہ پھلواری شریف بھی مولانا کے ساتھ آچکے ہیں، مدرسہ ماشاء اللہ تیزی سے ترقی کررہا ہے اور حضرت مولانا حسامی کے عزائم بلند ہیں، مولانا صاحب عزیمت اور حیدر آباد کی بہت مقبول شخصیت کے حامل ہیں بڑے اخلاق سے ملے اور صبح کا ناشتہ پر حاضری کے لیے اصرار فرمایا: میرے لیے تعمیل حکم سے چارہ کیا تھا، وعدہ کرلیا اور پھر کریم رضا صاحب کی محبت میں ''قرآن وسیرت سوسائٹی'' کے جلسہ میں شرکت کے لئے ''خواجہ کے چلہ'' حاضری دی، ڈاکٹر سید عبدالمنان صاحب جنہیں اللہ نے دنیاوی وجاہت کے ساتھ اپنے دین کا درد بھی عطا فرمایا ہے، وہی اس ادارہ کے روح رواں ہیں، قرآن وسیرت کے موضوع پر متعدد کتابیں شائع ہوچکی ہیں، شاید ہر ماہ خطاب اور مذاکرہ کا بھی نظم کرتے ہیں۔

پہلے ڈاکٹر صاحب کے حکم سے میرے ہاتھوں سوسائٹی کی طرف سے قائم کئے جانے والے دارالمطالعہ کا افتتاح عمل میں آیا، پھر جلسہ شروع ہوا، تلاوت کلام پاک کے بعد ڈاکٹر محمد سلیمان استاذ اسلامیہ عثمانیہ یونیورسٹی نے انگریزی میں اسلام کے معاشی نظریات پر ایک اچھی تقریر کی، پھر مولانا جلال الدین کامل حسامی مدظلہ، (مولانا عاقل حسامی مدظلہٗ کے بڑے بھائی) نے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیاسی زندگی پر مختصر مگر دلچسپ اور معلومات افزا تقریر فرمائی، بعد ازاں پروفیسر نظام

الدین مغربی صدر شعبۂ تاریخ اسلامیہ کالج حیدرآباد نے حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کی روشنی میں سیاسی تدبر اور بصیرت پر مبنی آپ کی خارجہ پالیسی پر بہت اچھی تقریر کی، سیرت کے معروف واقعات سے موصوف نے بڑے قیمتی نتائج نکالے۔

بزمی صاحب کی نعت کے بعد اس حقیر کو کچھ کہنے کا حکم ہوا، میں نے بھی تھوڑی دیر خطاب کیا جس میں ''قرآن وسیرت'' کی روشنی میں بتایا گیا ''روح ومادہ'' کا خوب صورت امتزاج اور ''کائنات فطرت'' کی طرح ''کائنات شریعت'' کا نظم ونسق اور توازن واعتدال ''سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خاص پہلو ہے، جس پر ہمیشہ نگاہ رکھنی چاہئے، خدا کی دی ہوئی عقل اور اس کی عنایت کی ہوئی قوتوں کو استعمال میں لاکر ظاہری تدبیر کرنا اور بہتر نتائج کے حصول کے لیے خدائے تعالیٰ سے لولگانا اس کا سبق ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک سیرت دیتی ہے''۔

یہ اہتمام شہر کے منتخب اور تعلیم یافتہ اصحاب پر مشتمل تھا اور بہت اچھی تقریریں سیرت پاک کے موضوع پر ہوئیں، میں نے اس موقعہ پر اس طرح کے اجتماعات کے انعقاد پر مبارک باد دیتے ہوئے اور تقریروں پر اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے تعلیم یافتہ طبقہ سے اپیل کی کہ وہ عہد جدید کے انسانوں کو آج کی زبان میں اسلام کا پیغام سمجھانے کے لیے آگے آئیں، کہ ہر عہد کی خاص اصطلاحات ہوتی ہیں، اور خاص زبان ہوتی ہے۔ آج کا عہد اپنی زبان اور جدید تعبیر میں اسلام اور پیغام سیرت کو سمجھنا چاہتا ہے، اس کی ضرورت ہے کہ ''قدیم پیغام'' ''جدید زبان'' میں عام کیا جائے۔

۹ر بجے شام کو جلسہ ختم ہوا اور وہاں سے مجھے ڈاکٹر سید عبدالمنان صاحب نے ''ہوٹل اناپورنا'' پہنچایا۔ یہاں سے چند منٹ میں تیار ہوکر بھاگا ہوا مدینہ مینشن پہنچا، جہاں ہندوستان کے بدلے ہوئے حالات میں ''مسلمانوں کے مسائل'' کے عنوان پر تعمیر ملت کے زیر اہتمام ایک سمپوزیم ہورہا تھا۔ مجھے یہاں سردار صاحب بیرسٹر اور ڈاکٹر رحیم کمال الدین کی دو اچھی متوازن اور معلومات افزا تقریریں سننے کو ملیں۔ سردار صاحب نے ایک آل انڈیا تنظیم کی ضرورت پر زور دیا جو ہندوستان میں پریشر گروپ کی حیثیت سے مسلم اقلیت کو اپنا وجود تسلیم کراسکے۔

آخر میں صدر اجلاس جناب خلیل اللہ حسینی صاحب کے حکم پر میں نے اپنے خیالات کا

اظہار کرتے ہوئے یہ کہا کہ:

"مسلم مسائل پر جب ہم عام طور پر غور کرنے بیٹھتے ہیں تو صرف وہ مسائل ہی ہمارے سامنے رہتے ہیں جن کا تعلق مسلم اقلیت کے تحفظ اور ایک جمہوری ریاست میں ان کے حقوق سے ہے، حالانکہ ہندوستان میں ہمیں صرف ایک "اقلیت" ہونے کی حیثیت سے اپنے وجود کی ہی حفاظت کا مسئلہ درپیش نہیں ہے، بلکہ ایک حامل دعوت اور صاحب مقام "امت" ہونے کی حیثیت سے اپنے فرائض کی انجام دہی اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا سوال بھی اپنی جگہ بے حد اہم ہے، اور خصوصیت کے ساتھ ہم جس وطن میں رہتے ہیں اس کا ہم پر حق ہے کہ ہم اسے امن وسلامتی کے اس نسخۂ کیمیا سے بہرہ ور کریں جو بطور امانت ہمارے پاس محفوظ ہے۔

میں نے خصوصیت کے ساتھ خود اعتمادی اور اپنے مسائل کو خود جرأت وعزیمت کے ساتھ حل کرنے پر زور دیا۔"

بہر حال ۱۲ ربجے شب کو یہ مجلس مذاکرہ جناب سلطان عمر کے اظہار تشکر پر ختم ہوئی اور ہم عابد روڈ مولانا محمد رضوان قاسمی کی قیام گاہ پر واپس آگئے، یہاں کھانا کھایا اور شب کو ایک بجے ہوٹل پہنچے اور اس طرح دوسرا دن ختم ہوا۔

تیسرے دن کا آغاز اس طرح ہوا کہ صبح ساڑھے پانچ بجے "کال بل" سن کر میری آنکھ کھلی دروازہ کھولا تو حافظ حق ابن محمد اپنے ایک رفیق سعید صاحب کے ساتھ دروازہ پر کھڑے تھے، میں نے کہا آج کا دن حسن اور سعادت کا دن ہے، ضروریات سے فارغ ہو کر ہم لوگ "مسجد عامرہ" آئے فجر کی نماز ادا کی، مولانا محمد رضوان قاسمی کو ساتھ لیا اور بزرگ عرب شافعی المسلک عالم کی زیارت سے مشرف ہوا، موصوف ۱۳۳۱ھ سے حیدر آباد میں قیام پذیر ہیں، دائرۃ المعارف سے عرصہ تک متعلق رہے ہیں، اب بوڑھے ہوگئے ہیں، مگر علم زندہ ہے، دیر تک ہجرت اور دار الحرب کے مسئلہ پر گفتگو ہوتی رہی، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے ابھی حدیث پر ابن حجر کی ایک کتاب ایڈٹ کر کے بیروت سے شائع کی ہے، موصوف کا خیال ہے کہ اس میں اغلاط ہیں اور کتب خانہ سعیدیہ کا نسخہ ناقص ہے، مگر زیادہ صحیح ہے۔

مولانا سے رخصت ہو کر مولانا عاقل حسامی کے یہاں حاضر ہوا، یہاں ناشتہ پر بہت سے

احباب سے ملاقات ہوئی، مولانا کی میزبانی نے دسترخوان کو گلزار بنا رکھا تھا، وہاں سے فارغ ہوکر دارالعلوم سبیل السلام حاضر ہوا، مدرسہ کے تمام درجات میں گیا، اسباق ہورہے تھے، بچوں سے سوالات کئے اور خوشی ہوئی کہ بچوں نے بہت اچھے جواب دیئے، نصرالدین صاحب معتمد مدرسہ سے باتیں ہوئیں، دینی تعلیم کی اشاعت کے بڑے عملی کام اس مدرسہ کے ذریعہ انجام پارہے ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

وہاں سے سعید صاحب اپنے کارخانہ میں لائے اور چند منٹ ٹھہر کر ہم لوگ دائرۃ المعارف حاضر ہوئے، یہ یادگار ادارہ آج بھی دینی علوم کی خدمت کے میدان میں بین الاقوامی اہمیت کا حامل ہے، ایک بڑے کمرے میں عمامہ باندھے ہوئے خاص عالمانہ شان کے ساتھ متعدد علماء کی جماعت کو قدیم کتابوں کے قلمی نسخوں پر تحقیق وتصحیح میں مشغول دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی۔ مولانا صدر مصحح بڑے خلیق ہیں......... وہ اوپر لے گئے جہاں دوسرے ممالک سے حاصل کی ہوئی کتابیں علمی پرجیکٹر پر پڑھی جاتی ہیں، نیچے ایک کمرہ میں کمپوزنگ کا کام ہورہا ہے، دوسرے میں پریس ہے جس میں بہترین جدید مشینیں کام کررہی ہیں، ایک کمرہ میں جلدسازی ہورہی ہے، ایک کمرہ سے کتابیں پیک ہوکر دنیا کے مختلف حصوں میں جارہی ہیں۔

دائرۃ المعارف سے واپس آکر ''مسجد عامرہ'' آئے، یہاں ظہر کی نماز کے بعد تقریروں کا پروگرام تھا، مولانا ہاشم صاحب فرنگی محلی نے ایک اچھی تقریر فرمائی، جس میں ''محبت نبیؐ'' اور اس کے آداب بیان فرمائے، آخر میں اس حقیر نے یہ عرض کیا کہ:

''اللہ تعالیٰ کی ذات تمام ہی کمالات کو جامع ہے، لیکن جب وہ شان خالقیت میں جلوہ گر ہوا تو مخلوق بنی اور پھر اس کی ربوبیت نے اس کائنات کی پرورش کی، ہمارا ہر بن مو اس کے احسانات کے لئے شکر گذار ہے، فطری طور پر اپنے رب سے محبت انسان کے دل میں جاگزیں ہوتی ہے، اللہ کا پسندیدہ نمونہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں بھیجا گیا، اس لیے جس کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو ضروری جانے گا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی محبت رکھے گا، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے بغیر ایمان نہیں، محبت کا تقاضہ رسولؐ کے آداب کی پیروی ہے، اور اتباع رسولؐ سے ہی انسان محبوبیت کا مقام حاصل کرسکتا ہے اور ایک

عاشق ومحب کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی ہے کہ وہ خود ''محبوب'' ہو جائے۔''

مولانا محمد ہاشم صاحب فرنگی محلی کی دعا پر جلسہ ختم ہوا، اور ہم لوگوں نے خلیل اللہ حسینی صاحب کے یہاں دن کا کھانا کھایا، وہاں سے ہوٹل واپس آیا۔شام کے ساڑھے پانچ بجے حیدر آباد میں مقیم آل انڈیا مسلم پرسنل لا کے ارکان کی غیر رسمی نشست ہوئی جس میں اعلیٰ پیمانے پر ایک سمینار منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا،مولانا محمد ہاشم صاحب فرنگی محلی اور رراقم الحروف کے علاوہ ڈاکٹر سید عبد المنان صاحب، جناب مظہر قادری اور سید سلمان سکندر نے گفتگو میں حصہ لیا۔

بعد مغرب تعمیر ملت کے کارکنوں کا اجتماع ہوا جس میں چند ضروری باتیں عرض کی گئیں، پھر ہم لوگ ہوٹل واپس آئے ۔ یہاں اقبال صاحب وقاری مظفر صاحب، مولوی عبد الرحمٰن صاحب، شفیع صاحب...... معتمد ادارہ نوجوانان امارت ملت اسلامیہ، رحیم الدین انصاری صاحب، معتمد دار العلوم حیدر آباد، اور بہت سے دیگر احباب تشریف لے آئے ،مسئلہ امارت پر دیر تک باتیں ہوتی رہیں، نوجوانوں میں خاص حوصلہ نظر آیا، اور از سر نو آندھرا امارت کو فعال بنانے کے لیے خاصہ جوش اور جذبۂ عمل محسوس ہوا، اللہ تعالیٰ ان عزائم کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اب ہم لوگ اسٹیشن روانہ ہوئے اور ٹھیک ۹ ربجے شب کو اپنے احباب دوستوں اور بزرگوں کو الوداع کہتے ہوئے دکھن اکسپریس کے ذریعہ روانہ ہو گئے اس طرح تین دن پورے ہوئے۔

حیدر آباد کے اس سہ روزہ قیام میں، میں نے حیدر آباد کے اخلاق ،تواضع اور اسلامی اخوت کا اچھا تجربہ کیا، خوشی ہوئی کہ مسلمانوں کی معاشی حالت روز بروز بہتر ہوتی جا رہی ہے، اسے دیکھ کر افسوس ہوا کہ ادھر دیو بندی، وہابی، بریلوی وغیرہ کے جھگڑے اور تکفیر کے فتنے سر اٹھا رہے ہیں ،خدا کرے شہر کے سمجھدار لوگ اس فتنہ کا سر ابھرنے سے پہلے کچل دیں۔

حیدر آباد کی نئی نسل اسلام کی وفادار اور اسلامی جدو جہد کے لیے بہت پر جوش اور قوت عمل سے بھر پور ہے، بزرگوں کا فرض ہے کہ وہ اس نئی نسل کی قوتوں کو منظم کر کے تعمیری محاذ پر لگا ئیں۔

ایک بات جو کم وبیش پورے ملک میں پائی جاتی ہے اور یہاں بھی دیکھی کہ انجمنیں جماعتیں ادارے خود اپنی جگہ بت بن جاتے ہیں، ملی مفادات اور متحدہ مقصد کی خاطر مل کر کام کرنے

کا جذبہ گروہ بندیوں اور اپنی اپنی انجمنوں کے عارضی مفادات کے سامنے دب جاتا ہے، ضرورت ہے کہ اس پر خاص نگاہ رکھی جائے، یہ سخت مضر ہے۔

اس سفر کے موقعہ پر نواب شمس الدین علی خاں، پروفیسر معین قادری صاحب اور سلطان صلاح الدین اویسی صاحب سے ملاقات نہ ہوسکی جس کا افسوس رہا، نواب صاحب امریکہ میں زیر علاج ہیں، قادری صاحب کے بیمار ہونے کا پتہ دیر میں چلا اور میں ان کی عیادت کو نہ جاسکا جس کا سخت افسوس ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں شفاء کلی عطا فرمائے، اویسی صاحب اپنے الکشن میں بے حد مشغول تھے، فون پر نہ مل سکے، اور ملاقات کی بھی صورت نہیں نکل سکی۔

جنوبی افریقہ پہلی نظر میں

میں ایک دن دیر کر کے یعنی ۲۰/ مارچ ۱۹۷۹ء کو ڈربن پہنچا۔ دہلی، کراچی، دوبئی، جدہ، اور ممباسہ، نیروبی اور جوہانسبرگ ہوتا ہوا ڈربن پہنچا، جوہانسبرگ اور ڈربن میں ہمارے میزبان خوش آمدید کہنے کو تیار تھے۔ مجھے کہیں پر کوئی خاص دشواری نہیں ہوئی۔

یہ پورا ملک صاف ستھرا، خوبصورت اور کافی ترقی یافتہ ہے، اگر نسلی تفریق کو نظر انداز کیا جانا ممکن ہوتا تو اس ملک کی بے حد تعریف کی جاتی، یہاں عام طور پر انگریزی زبان بولی جاتی ہے، بچے، جوان اور نئی نسل کے لوگ تو صرف انگریزی یا بعض مقامی زبانیں بولتے ہیں، تھوڑی بہت انگریزی سے واقفیت یہاں بے حد کام آئی۔ اب دن رات روزمرہ کی گفتگو سے لے کر تقریر و خطابت تک میں انگریزی استعمال کرنی پڑتی ہے، اور تقریروں میں انگریزی الفاظ اور جملوں کے استعمال کی وجہ سے ہی سبھی طبقے تیزی سے مانوس ہوتے رہے ہیں، الحمدللہ۔

میں نے ۲۰/ مارچ کی شام کو بعد نماز عشاء چند منٹ کی ایک تقریر Par lock کے جماعت خانہ میں کی۔ پھر ۲۱/ مارچ کو بعد مغرب صدر جمعیۃ العلماء نٹال مولانا عبدالرحمٰن صاحب انصاری نے میرے اعزاز میں ایک دعوت دی، جس میں شہر کے معززین علماء، کالج کے ممتاز اساتذہ، بڑے تجار، اسلامی تنظیموں کے سربراہ اور ممتاز سوشل ورکر مدعو تھے۔ اس موقع پر میں نے تحریک امارت کی تاریخ، اس کا پس منظر، اس کی تشکیل اور اس کے طریقہ کار پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ پھر مسلم پرسنل لاء کے سلسلے میں کی جانے والی جدوجہد کا تذکرہ کیا، آخر میں ساؤتھ افریقہ میں مسلم پرسنل لا کے مسائل پر تفصیلی مذاکرہ ہوا، جس سے واقفیت میں اضافہ ہوا، یہ اجتماع اور مذاکرہ ایک طرح کا تعارفی اجتماع تھا جس سے غیر معمولی فائدہ ہوا۔

۲۳/ مارچ کو بعد نماز عشاء ایک عظیم الشان اجلاس West Street کی مسجد میں منعقد ہوا۔ جس میں مجھ سے مسئلہ امارت پر تقریر کے لئے کہا گیا، میں نے ایک تفصیلی خطاب

ساڑے آٹھ بجے شب سے دس بجے شب تک کیا۔ اس اجلاس میں بہت دور دور سے لوگ آئے تھے، اور آج جو ہر جگہ اختلاف وگروہ بندی کی فضا عام ہے اس میں امارت کا پیغام اتحاد، بھٹکتے ہوئے انسانوں کے لیے آب حیات محسوس ہوتا ہے، الحمد للہ ان تقریروں کا اچھا اثر محسوس کیا جارہا ہے، گذشتہ کل جمعہ West Street کی مسجد میں ادا کیا، اور ۲۰ منٹ تقریر کی۔ افریقہ کے عام مسلمان بڑے دیندار ہیں، معیار زندگی بھی بلند ہے۔ کار تقریباً ہر شخص کے لئے ضروری ہے، نمازوں کے اوقات میں کار پارکنگ کے لیے جگہ نہیں ملتی۔ یہاں پوری زندگی آٹومیٹک مشینوں کے گھیرے میں ہے، کار آٹومیٹک کار پارکنگ کے لیے خودکار مشین لگی ہوئی ہے، شہر کی صفائی کا خاص نظام تمام مکانات ایرکنڈیشنڈ، خانہ داری کے سارے کام مشینوں سے "اللھم لا عیش الا عیش الآخرہ."

یوں سمجھئے کہ بالکل گول دائرہ میں ایک پہاڑی ہے، انہیں پہاڑیوں پر پورا ڈربن شہر آباد ہے اور درمیانی حصہ میں بازار وغیرہ۔ یہ شہر کے شمال مغربی پہاڑی کے بالکل اوپر ایک مکان ہے جہاں مجھے میرے میزبانوں نے ٹھہرایا ہے، اور بہت خوبصورت آرام دہ مکان ہے۔ آج صبح میں سمندر کے کنارے بھی گیا تھا اور سمندر کے کنارے ریت پر دور تک پیدل چلتا رہا۔ سمندر کا پانی آکر ہمارے قدموں کو چھوتا ہوا واپس جاتا رہا۔ بس اس خوبصورت منظر کی تصویر کشی کے لیے کسی شاعر کا قلم چاہئے۔ آج تو بس اتنا ہی کافی ہے دوسری تفصیلات انشاء اللہ بعد میں لکھوں گا۔

(مجاہد الاسلام قاسمی)

9-4-79

❀❀❀

Aasar-e-Mujahid

By : Md. Rizwan Qasmi

VOL-1

NICT Computing Systems Pvt. Ltd.

1, Kasturba Path, Boring Road, Patna - 800 013
Phone : 0612 - 2574431, fax : 0612 - 2256051
E-mail : nict_com_sys@rediffmail.com

THE END OF THE BRIGHT STAR

Quazi-E-Shariat Hazrat Maulana Quazi Mojahedul Islam Quasmi was the bright star of Islam of the 20th century, born in the village – Jale, Darbhanga in 1936. He got primary Education in his village and Finally completed his higher studies in 1955 from Darul-Uloom Deoband, U.P. He started Islamic publication under the guidance of Hazrat Maulana Minnatullah Rahmani, Jamia Rahmaniya Munger. He was the Scholar of the Muslim world. He spread the fragrance of Islam to the Muslim world. He spent his whole simple life for the services, security, safety and development of the community. He has done some work which is only for imagination. He established Darul Quazat (Islamic Adalat) In all the state of India, All districts of every state and even all Quasba of the District level. Also established Milly Council, Fequah Academy, Emarat Technical Institute, Maulana Sajjad Memorial Hospital and Modernization of the Emarat-E-Sharia. He was the author of the uncountable Books for the community and Islam. This bright star of the community & Islam had been proceeds finally from this world to Another world on 4th April' 2002 in Delhi and as per his will his grave (Madfoon) is situated at Mahdauli, Darbhanga Allah-bless him and provide the space in Jannatul Firdaush.

The Edition Aasar -e- Mojahid a collection of Khotbat-o-Moqualat of Maulana Mojahidul Islam collected and arranged by a dedicated young follower Maulana Md. Rizwan Quasmi. Allah – Quabool Farma-e (Allah Accept it). Aamin.

M. A. Nomani
(Md. Aslam Nomani)
Managing Director

M. A. Azhari
(Md. Anzar Azhari)
Executive Director

The Complete Computer Network

Concept & Designed by : Md. Israr. 9334072846

Published by :

ABU HURAIRA ACADEMY

BELA MORE, DARBHANGA (BIHAR)